بسم اللہ الرحمن الرحیم

علماء احناف کے
حیرت انگیز واقعات

امام ابو یوسفؒ ــــ امام محمدؒ

تألیف

مولانا عبدالقیوم حقانی

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

خالق آباد ○ نوشہرہ ○ سرحد ○ پاکستان

فون 630237 فیکس

2009

Marfat.com

جملہ حقوق بحق القاسم اکیڈمی محفوظ ہیں

نام کتاب ---------- علمائے احناف کے حیرت انگیز واقعات

مرتب ---------- مولانا عبدالقیوم حقانی 84656

کتابت ---------- ابوعثمان محمد لطیف کیلانی حضرت کیلانوالہ گوجرانوالہ

ضخامت ---------- 280 صفحات

تاریخ طباعت اوّل ---------- شوال ۱۴۰۹ھ/مئی ۱۹۸۹ء

تاریخ طباعت بارِدہم --- محرم الحرام ۱۴۳۰ھ/جنوری 2009ء

ناشر ---------- القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس' خالق آباد' نوشہرہ، سرحد، پاکستان

فون : 0923-630237

ملنے کے پتے

- ☆ صدیقی ٹرسٹ' صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی
- ☆ مولانا سید محمد حقانی ' مدرس جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ
- ☆ مکتبہ رشیدیہ، سردار پلازہ، جی ٹی روڈ، اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ ' مدینہ کلاتھ مارکیٹ ' راجہ بازار ' راولپنڈی
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید ' ۱۰ الکریم مارکیٹ ' اردو بازار ' لاہور
- ☆ مولانا خلیل الرحمٰن راشدی صاحب' جامعہ ابوہریرہ' چنوں موم ضلع سیالکوٹ

اس کے علاوہ پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ کتاب

عنوان	صفحہ
پیش لفظ	۱۵
تبرکات و تاثرات	۲۱
حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ	۳۲
مختصر سوانحی خاکہ	۳۲
دستِ نبوت کی برکات	۳۴
جمالِ ابو یوسفؒ	۳۵
طلبِ علم، والدہ کی پریشانی اور امام ابو حنیفہؒ کی پیش گوئی	۳۵
امام ابو حنیفہؒ کی نظرِ شفقت نے مالی برکت اور علم کی دولت سے مالا مال کر دیا	۳۶
امام ابو یوسفؒ کی طالب علمی	۳۸
شوقِ علم کی انتہاء	۳۹
علمی انہماک میں عیال و اطفال کا خیال بھی بھلا دیا	۴۰
امام ابو حنیفہؒ سے امام ابو یوسفؒ کی اہلیہ کی شکایت	۴۱
مقتضائے حدیث پر عمل کے جذبہ نے ابو حنیفہؒ کی درس گاہ میں پہنچا دیا	۴۱
امام ابو یوسفؒ کا ابن ابی لیلیٰؒ کی درسگاہ چھوڑنے اور امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضری کا ایک جائزہ	۴۳
ذوقِ حدیث، قوتِ حافظہ اور استحضار	۴۵

Marfat.com

صفحہ	عنوان
۴۶	امام ابو یوسفؒ آثار کے گنجینہ تھے
۴۷	بے مثال حافظہ
۴۸	امام مالکؒ اور محمد بن اسحٰقؒ سے ملاقات
۵۰	امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی ملاقات
۵۲	اپنے استاذ سے تعلق اور صحبت و خدمت
۵۳	علمِ دین سے شغف
۵۳	اپنے اساتذۂ علم سے عقیدت اور وارفتگی
۵۴	امام ابو حنیفہؒ کی ایک صحبت کے بدلے دس لاکھ روپیہ ہیچ ہے
۵۴	امام ابو حنیفہؒ نے جو چاہا امام ابو یوسفؒ نے وہی کر دکھایا
۵۵	امام ابو حنیفہؒ کی مجلسِ شوریٰ اور امام ابو یوسفؒ کی ذمہ داری تدوینِ مسائل
۵۶	امام ابو حنیفہؒ کے وصایا اور امام ابو یوسفؒ کا صحیفۂ زندگی
۵۷	تم انگور ہونے سے پہلے منقّیٰ ہو گئے
۶۰	افادہ اور استفادہ کا سلسلہ ابھی کچھ دن اور باقی رہے
۶۱	علمی ریاست اور عملی سیادت ابو یوسفؒ کا حصہ ہے
۶۱	حلقۂ درس و افادہ
۶۳	امام ابو یوسفؒ کے درس کی خصوصیات اور امتیاز
۶۳	امام ابو یوسفؒ کا حلقۂ درس اور طلبہ کی والہانہ حاضری
۶۴	طلبہ پر شفقت اور اخلاق کی بلندی
۶۵	حالتِ نزع میں تعلیمِ مسائل
۶۶	کتب خانہ بھی مغفرت اور نجات کا ذریعہ بن جائے گا
۶۶	سفر میں بھی درس کا سلسلہ جاری رہتا تھا
۶۸	وسعتِ افادہ

Marfat.com

صفحہ	عنوان
۶۸	سب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ
۶۹	امام ابو یوسفؒ کا مسلکِ اعتدال اور طلبہ کو نصیحت
۷۳	متنازعہ فیہ مسائل اور معاملاتِ دین میں جنگ و پیکار سے گریز کی وصیت
۷۶	جودتِ طبع اور ذوقِ صحیح
۷۶	امام ابو یوسفؒ علم اصولِ فقہ کے مدونِ اول ہیں
۷۷	تین سو مجلدات پر مشتمل مبسوط کی تصنیف اور کتاب الخراج
۷۹	مؤلفاتِ امام ابو یوسفؒ کا اجمالی تعارف
۸۰	جو کچھ آپ کما کر لاتے ہیں وہی حاضرِ خدمت ہے
۸۰	خوشدامن کا طعنہ
۸۱	امام ابو یوسفؒ نے قاضی القضاۃ کا منصبِ جلیل کیوں قبول کیا؟
۸۴	یہودی کا طنز اور اللہ تعالیٰ کا جلال
۸۴	اظہارِ حق اور امر بالمعروف
۸۵	خلیفہ ہارون رشید کے نام امام ابو یوسفؒ کی ہدایات
۸۶	شجاعت و حق پرستی اور انصاف کے تقاضے
۸۷	عدل و انصاف کی عدالت میں شاہ و گدا سب برابر ہیں
۸۸	ہارون رشید کے دربار میں قتلِ زندیق کا فیصلہ
۸۸	امام کسائیؒ کا نحوی اعتراض اور امام ابو یوسفؒ کا فقہی جواب
۹۰	باجماعت نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے خلیفہ کا چہیتا وزیر مردود الشہادۃ قرار پایا
۹۱	امام ابو یوسفؒ کا ایک جواب نصف سلطنت کے برابر ہے
۹۱	ہارون رشید کا اشتیاق اور امام ابو یوسفؒ کی استغناء
۹۲	امام ابو یوسفؒ کی تدبیرِ اصلاح اور حق گوئی و بیباکی
۹۳	قیاسات حضرت عمرؓ سے مخالفت کا اعتراض اور امام ابو یوسفؒ کا جواب

Marfat.com

صفحہ	عنوان
۹۴	امام ابو یوسفؒ کی دانائی کام آئی
۹۵	امام ابو یوسفؒ کی وسعتِ قلبی کا دلچسپ قصہ
۹۷	ہمعصر علماء کی توقیر اور اہلِ علم کی قدر و منزلت
۹۹	قاضی ابو یوسفؒ اور ربیعۃ الرائے، ایک دلچسپ مباحثہ
۱۰۰	علوم اور معارف میں امام ابو یوسفؒ کی یکتائی
۱۰۰	جب تک فریقین حاضر نہ ہوں میں فیصلہ نہیں کرتا
۱۰۰	عیسائی باپ اور مسلمان بیٹا
۱۰۱	اِعترافِ سرقہ کے باوجود چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
۱۰۲	کشتی خرید لو طلاق واقع نہیں ہوگی
۱۰۲	حیل و تدابیر کی شرعی حیثیت
۱۰۴	امام ابو یوسفؒ کا طرزِ عمل
۱۰۵	خاموش رہنا ہی اچھا تھا
۱۰۵	قرآنِ پاک کا ادب اور احترام
۱۰۷	سخاوت و ایثار
۱۰۷	صرف مٹی کا ایک برتن جس سے والدہ اور بیٹا وضو کرتے تھے
۱۰۸	نرم خوئی و فیاضی اور احساسِ ذمہ داری
۱۱۰	اہلِ بدعت اور دروغ گوؤں کا جواب
۱۱۱	امام ابو یوسفؒ کی علمِ فقہ سے تعلق کی ایک مثال
۱۱۲	علم و فضل اور زبان و بیان کا بادشاہ
۱۱۳	امام ابو یوسفؒ کا نام لو تو پہلے زبان دھو لو
۱۱۳	مخالفوں کا اعتراف
۱۱۴	جنت کا پروانہ منامی

Marfat.com

صفحہ	عنوان
۱۱۴	محدث اعمشؒ اور فقیہ ابو یوسفؒ
۱۱۵	قاضی ابو یوسفؒ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی نگاہ میں
۱۱۵	امام ابو یوسفؒ کی علمی عظمت، اعاظم رجال علماء کا اعتراف
۱۱۶	سید العلماء
۱۱۶	امام ابو حنیفہؒ کا ممتاز شاگرد
۱۱۶	امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ائمہ ثلاثہؒ سے کسی طرح بھی کم نہ تھے
۱۱۷	لاؤ، اگر ابو یوسفؒ کا سا کوئی آدمی پیش کر سکتے ہو
۱۱۹	امام ابو یوسفؒ نے عہدۂ قضا کو بلندی بخشی تھی
۱۲۰	امام ابو یوسفؒ کی موجودگی میں محدث ابو معاویہؒ کے پاس کیوں آتے ہو
۱۲۰	ائمہ احنافؒ کی فقہی ڈگریاں
۱۲۱	امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درجات
۱۲۱	تُو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا
۱۲۲	اپنے کام سے کام
۱۲۲	امام ابو یوسفؒ کا قصرِ جمیل
۱۲۴	امام ابو یوسفؒ نے ہارون رشید کے خلاف فیصلہ دیا
۱۲۵	کاش ایسا نہ ہوتا
۱۲۶	تقویٰ اور دیانت اور اولاد کی تربیت
۱۲۶	زہد و ورع اور ذوقِ عبادت
۱۲۶	تقویٰ اور خوفِ آخرت
۱۲۷	عالمِ نزع میں توجہ و انابت الی اللہ
۱۲۹	گرانقدر نصائح

Marfat.com

صفحہ	عنوان
۱۳۱	**حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ**

صفحہ	عنوان
۱۳۱	مختصر سوانحی خاکہ
۱۳۳	ابتدائی تعلیم، کوفہ کا علمی ماحول اور امام محمدؒ ایک جوہر قابل
۱۳۴	امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مجلس میں پہلی حاضری/ایک دلچسپ سوال اور امام اعظمؒ کی توقعات
۱۳۴	امام ابویوسفؒ کی تادیب اور توقیرِ علم کا پہلا سبق
۱۳۵	ایک ہفتہ میں قرآنِ حکیم حفظ اور استحضار
۱۳۷	بڑے لوگوں اور باشعور مردوں جیسا سوال
۱۳۸	حُسنِ ظاہر و باطن کا مرقع
۱۳۸	حُلیہ اور جمالِ ظاہری
۱۴۰	امام محمدؒ اور استاذ کی نگاہِ شفقت و ترجیح
۱۴۱	اساتذہ کے علوم و فنون کی حفاظت، ان کی توضیح و تشریح اور ترویج و اشاعت
۱۴۳	امام ابویوسفؒ سے اشتیاقِ ملاقات
۱۴۴	علمِ حدیث کی تحصیل کا شوق اور اسفار
۱۴۵	شوقِ حدیث نے امام محمدؒ کو اساتذہ کے رتبہ و مقام سے بے نیاز کر دیا تھا
۱۴۷	عِلم میں فنا، عالم کی بقا کی ضمانت ہے
۱۴۸	شوقِ مطالعہ اور لذتِ افکار
۱۴۸	ذوقِ مطالعہ و انہماک اور علم کی ذمہ داری کا احساس
۱۴۹	ذوقِ مطالعہ کی تکمیل کے لیے فراغِ قلب کا اہتمام
۱۵۰	مطالعہ کے شغف میں کپڑے تبدیل کرنے کی فرصت نہ ملی
۱۵۰	امام محمدؒ نے مطالعہ میں خلل ڈالنے والے مرغ کو ذبح کرا دیا
۱۵۱	مطالعہ میں انہماک اور سلام کے جواب میں دعا

Marfat.com

صفحہ	عنوان
۱۵۲	عربیت اور ادب میں امام کسائیؒ سے تبادلۂ خیالات اور استفادہ
۱۵۵	امام محمدؒ سے زیادہ عربیت کا کوئی واقف اور شناسا نہیں
۱۵۶	امام محمدؒ نحو، لغت اور ادب کے امام تھے
۱۵۶	دربارِ نبویؐ میں حاضری اور امام مالکؒ سے استفادہ
۱۵۸	امام مالکؒ کے حدیثی افادات کی حفاظت وترتیب اور مؤطا امام محمدؒ
۱۶۱	مؤطا کے ضبط میں امام محمدؒ کا عملِ جلیل جس سے ۲۲ نسخوں میں اختلاف کا نقص زائل ہوگیا
۱۶۴	ائمہ احناف اور آزادئ فکر ونظر
۱۶۴	امام محمدؒ کا امام مالکؒ سے ایک علمی مباحثہ
۱۶۵	درس گاہِ امام مالکؒ اور لیلائے علم کے مجنوں
۱۶۶	امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا موازنہ اور امام محمدؒ کا واقعاتی تجزیہ
۱۶۹	امام ابوحنیفہؒ سنت کے معانی سے اور امام مالکؒ سنت کے الفاظ سے زیادہ باخبر تھے
۱۷۰	اپنے اقران واماثل میں امام محمدؒ کی خصوصیت وامتیاز
۱۷۱	علماءِ مدینہ اور امام مالکؒ سے اختلاف اور "کتاب الحج" کی تصنیف
۱۷۲	کتاب الحج سے امام شافعیؒ کا استفادہ اور تاثر
۱۷۲	امام محمدؒ کی نیند اور امام مالکؒ کی بیداری
۱۷۳	فقہی ریاست کا بے تاج بادشاہ
۱۷۴	اسد بن فراتؒ کو امام محمدؒ کے تلمذ پر فخر تھا
۱۷۴	اسد بن فراتؒ درسگاہِ امام مالکؒ سے امام محمدؒ کے مدرسہ میں کیسے پہنچے؟
۱۷۴	درسگاہ امام مالکؒ کی عظمت وجلال
۱۷۵	امام مالکؒ کا اہلِ عراق سے استفادہ کا مشورہ
۱۷۶	فقہاءِ حنفیہؒ کی شانِ علم وتفقہ
۱۷۸	فقہ مالکیہ کی تدوین بھی فقہائے عراق کی مرہونِ منت ہے

Marfat.com

صفحہ	عنوان
۱۷۹	اسد بن فراتؒ اور اشہبؒ کا دلچسپ مباحثہ
۱۸۱	اشہبؒ کے جوابات اور اسد بن فراتؒ کی ایک تمثیل
۱۸۲	فقہ مالکیہؒ کی تدوین مسائل، امام محمدؒ کی کُتب و رسائل کی روشنی میں ہوئی ہے
۱۸۳	افریقہ میں مذہب حنفی کی اشاعت اسدؒ کی مساعی کا نتیجہ ہے
۱۸۴	فاتح صقلیہ
۱۸۴	جب امام مالکؒ کی رائے معلوم نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کیا جائے۔
۱۸۵	امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا اختلاف صرف ۳۲ مسائل میں ہے
۱۸۵	امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان علمی مذاکرے
۱۸۶	ائمہ متبوعین ایک خاندان تھے
۱۸۷	امام محمدؒ کے اصحاب اور تلامذہ کا اجمالی تعارف و تذکرہ
۱۹۳	امام محمدؒ کا درسِ "مؤطا" اور طلبہ کا ازدحام
۱۹۴	امام محمدؒ درس دیتے تو ہجوم سے راستے بند ہو جاتے
۱۹۵	رات کے وقت مجلسِ درس کا اہتمام
۱۹۶	رات کے درس میں بعض تلامذہ پر اونگھتے وقت پانی چھڑکنے کا اہتمام
۱۹۶	تعلیم البنات کا اہتمام
۱۹۷	تلامذہ کے ساتھ حسنِ سلوک اور مالی معاونت
۱۹۸	اسد بن فراتؒ سے مالی معاونت
۱۹۸	امام شافعیؒ سے تعلقِ خاطر اور مالی معاونت
۲۰۰	امام محمدؒ احسان و معاونت کے باوجود سائل رہتے تھے
۲۰۰	امام محمدؒ کی سفارش سے امام شافعیؒ کی جان بخشی ہوئی
۲۰۱	امام شافعیؒ پر خصوصی نظر
۲۰۲	امام محمدؒ کے احسانات سے بڑھ کر مجھ پر کسی کا احسان نہیں

Marfat.com

عنوان	صفحہ
شوافع پر واجب ہے	۲۰۳
امام محمدؒ سے امام شافعیؒ نے بارِ شتر افادات کو مرتب کیا	۲۰۴
امام شافعیؒ کی تاریخی شہادت	۲۰۴
تدریس میں خندہ جبینی اور کشادہ روئی کا مبارک وطیرہ	۲۰۵
امام شافعیؒ کو امام محمدؒ سے استفادہ پر فخر تھا	۲۰۶
امام محمدؒ کا اپنے شاگرد امام شافعیؒ کے ساتھ مباحثہ اور قدر افزائی	۲۰۷
انتباہ	۲۰۸
زہد و عبادت اور مجاہدہ و ریاضت	۲۰۹
حافظ تو ایسا ہی ہوتا ہے	۲۱۱
امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ایک علمی مباحثہ	۲۱۲
امام ابو یوسفؒ کی شہادت کہ امام محمدؒ سب سے بڑے عالم تھے	۲۱۲
مسندِ قضا کے مقابلہ میں امام محمدؒ کو مسندِ علم عزیز تھی	۲۱۳
علماء امراء کے دربار میں یا امراء علماء کی چوکھٹ پر	۲۱۵
ہارون رشید کے دربار میں امام محمدؒ کا نعرۂ مستانہ	۲۱۷
تاریخی پس منظر	۲۱۷
امام محمدؒ کی دیانت داری اور جراءت و حق گوئی	۲۱۸
امن معاہدہ کی شرعی حیثیت	۲۱۹
کرۂ ارض کے سب سے بڑے فقیہ کا فتویٰ	۲۲۰
نوکر شاہی کا ظالمانہ کردار	۲۲۱
امام محمدؒ کا ہارون رشید سے مناظرہ	۲۲۱
امام محمدؒ کی حق گوئی اور ہارون رشید کی ہاتھا پائی	۲۲۲
فتویٰ اور بیانِ مسائل پر پابندی	۲۲۲

Marfat.com

عنوان	صفحہ
امام محمدؒ پر شاہی عتاب، حبس بے جا اور خانہ تلاشی	۲۲۲
احساسِ ندامت اور مقامِ عزیمت	۲۲۳
ہارون رشید کی والدہ نے امام محمدؒ کی رہائی اور بیانِ مسائل کی سفارش کی	۲۲۴
امام محمدؒ کو قید تنہائی کی سزا، اُستاد کی سُنت پوری ہوگئی	۲۲۵
امام محمدؒ کے بے داغ کردار نے انہیں وزارتِ عدل یا قاضی القضاۃ کے عہدہ پر پہنچا دیا	۲۲۶
اور جب امام محمدؒ ہارون رشید کی آمد پر کھڑے نہ ہوئے	۲۲۶
خلیفہ کا بنو تغلب سے بدعہدی کا عزم اور امام محمدؒ کا بروقت انتباہ	۲۲۷
خلفاءِ راشدین کی دی ہوئی امان واپس نہیں لی جا سکتی	۲۲۸
امام محمدؒ کے کھڑے نہ ہونے پر خلیفہ کی باز پُرس اور امام محمدؒ کا جواب	۲۲۹
جو بیٹھا رہا اُس نے سنتِ رسولؐ کی ادا کی	۲۲۹
خلیفہ ہارون رشید نے امام محمدؒ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا	۲۳۰
ہارون رشید کی ایک مشکل اور امام محمدؒ کا حل	۲۳۱
امام محمدؒ میں ایک مجتہد کے اوصاف بتمامہ موجود تھے	۲۳۲
امام محمدؒ رنگریزوں کے محلّہ میں	۲۳۳
عُرفِ قدیم وجدید سے واقفیت کی ضرورت واہمیت	۲۳۴
امام محمدؒ جب بھی کوئی کام کرتے تھے تو اس کے تمام پہلوؤں پر ان کی نظر حاوی رہتی تھی	۲۳۵
"اربابِ ہویٰ" کے مقابلہ میں اہلِ عدل کی روایت قبول کر لی جاتی تھی	۲۳۶
امام محمدؒ کا حاسدین و مخالفین کو جواب علیٰ اسلوب الحکیم	۲۳۸
بصیرت وتحقیق اور رائے و اجتہاد میں حزم و احتیاط	۲۳۹
امام ابوالہیثمؒ نے خود چل کر امام محمدؒ سے ملاقات کی سعادت حاصل کی	۲۴۰
بشر بن ولیدؒ نے امام محمدؒ کے تلامذہ کے سوالات سے تنگ آکر حلقۂ افادہ ترک کر دیا	۲۴۲
تحقیق اور تدقیقِ مسائل میں امام محمدؒ کا مرتبہ امام ابویوسفؒ سے بڑھا ہوا تھا	۲۴۳

Marfat.com

صفحہ	عنوان
۲۴۴	رائے واجتہاد اور ائمہ احناف کا موقف
۲۴۶	احباب سے بے تکلفی اور سادگی وملنساری
۲۴۸	عیسیٰ بن ابانؒ معترض تھے جب درسی افادات سنے تو امام محمدؒ کے ہو کر رہے
۲۵۱	امام احمد بن حنبلؒ امام محمدؒ کی کتابوں سے استفادہ کا اعتراف کرتے ہیں
۲۵۱	ائمہ احناف اور امام محمدؒ کا مسلکِ اعتدال
۲۵۳	امام محمدؒ بہترین ذہنی اور دماغی صلاحیتوں کے مالک تھے
۲۵۴	داؤد طائیؒ، ابو عبیدؒ، محمد بن سلامؒ اور عیسیٰ بن ابانؒ کا خراجِ تحسین
۲۵۶	امام محمدؒ، امام اعظم ابو حنیفہؒ کے علوم ومعارف کے ترجمان تھے
۲۵۸	امام محمدؒ علم کی ڈھال تھے
۲۵۸	امام محمدؒ کی وفات پر ہارون رشید کا ماتم
۲۵۹	شمس وقمر
۲۵۹	امام محمدؒ کی بالغ نظری بے نظیر تھی
۲۶۰	حلت وحرمت اور ناسخ ومنسوخ کا سب سے بڑا عالم
۲۶۱	امام شافعیؒ کی امام محمدؒ سے پہلی ملاقات اور تاثرات وواردات
۲۶۲	قرآن امام محمدؒ کی لغت میں اترا ہے
۲۶۳	فصاحت اور بلاغت
۲۶۳	ظرافت وبذلہ سنجی
۲۶۴	ذوقِ تلاوت، تدبر فی القرآن اور استخراج مسائل
۲۶۴	امام محمدؒ جب بولتے تو کانوں کو معمور اور دل کو پرنور کر دیتے تھے
۲۶۵	قیاس کے مقابلہ میں حدیث کو ترجیح
۲۶۶	امام محمدؒ اور تفریع مسائل
۲۶۷	مسئلہ پر غور نے نزع کا احساس نہ ہونے دیا

Marfat.com

عنوان	صفحہ
فکرِ اُمت اور استخراجِ مسائل میں تمام رات غور و تدبر میں گذار دی	۲۶۸
امام محمدؒ کی وفات پر یحییٰ یزیدیؒ کا پُر درد اور دل سوز مرثیہ	۲۶۹
محمد بن سماعہؒ اور "نوادر" کی کتابت و حفاظت	۲۷۱
الجامع الکبیر	۲۷۱
نصاریٰ کا ایک عالم "جامع کبیر" دیکھ کر مسلمان ہو گیا	۲۷۴
"محمدِ اصغرؒ" کی کتاب دیکھ کر "محمدِ اکبر" کی عظمت و صداقت کا یقین ہو گیا	۲۷۵

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

پیش لفظ

الحمد لولیہ والصلوٰۃ علیٰ نبیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ المتادبین بآدابہ اما بعد!

چہار سُو شور ہے "بحران ہے، بحران ہے"، مگر سوال یہ ہے کہ کس چیز کا؟ علم کا؟ عقل کا؟ مال و مادہ کا؟ تہذیب و تمدن کا؟ جاہ و منصب کا؟ عیش و عشرت کا؟ اسبابِ راحت کی فراوانی کا؟ نہیں! نہیں! ایسا ہرگز نہیں! دل اور ضمیر کا بحران ہے، شخصیت اور اخلاق کا بحران ہے جس نے قوموں میں، آج کی پوری ملتِ اسلامیہ میں بالخصوص برصغیر اور مملکتِ خداداد پاکستان میں صحیح اور مستقیم قیادت کے بحران کو جنم دیا ہے اور ایسے بیشمار مسائل پیدا کر دیئے ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہے ——

لاریب امت بحران سے دوچار ہے۔ مگر بحران اس زندہ ضمیر کا ہے جو خریدا نہ جا سکے، جو کھویا نہ جا سکے۔ جو کسی سودے بازی کو قبول نہ کرے۔

ایسے قلب، ایسے عزم و حوصلہ اور ایسے دل کا بحران ہے جو ایمان اور یقین کی دولت سے مالا مال ہو۔ اُمت میں یہی بحران اور خلا ہے جو بہت دنوں سے پیدا ہو گیا ہے۔ اب کے مہذب اور ترقی یافتہ معاشرہ، علم و تہذیب کے نقطۂ عروج پر پہنچے ہوئے تمدن میں کسی چیز کی کمی نہیں، معلومات کی کثرت ہے، مطبوعات کی بہتات ہے، علم کی فراوانی ہے، راہنمایانِ قوم اور واعظینِ ملت طلاقتِ لسانی اور خوش بیانی کے نئے نئے انداز پیش فرماتے ہیں۔ زورِ خطابت اور آرائش و زیبائش، طنطنہ اور جذب و تقریر کی وہ کونسی ادا ہے جو خطابت کے سٹیج پر ظاہر نہ ہو رہی ہو، ریسرچ و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے میدان میں وہ کون سا پہلو ہے یا کون سا عنوان ہے جو تشنۂ توضیح رہ گیا ہو —— مگر اس سب کچھ کے باوجود امت ایک جوہرِ عالی اور افرادِ اُمت ایک

Marfat.com

روحِ انقلاب کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ عام افراد اور معاشرتی سوسائٹی تب آپ کی بات سُنے گی، آپ کی بات کو مؤثر سمجھے گی جب عمل اور کردار، علم اور اپنی شخصی زندگی کے حوالے سے ان کے سامنے ایسی چیز پیش کر دی جائے جو خود اُن کے اندر کمیاب بلکہ نایاب، ہو جس میں وہ مفلس اور قلاش ہو۔ وہ قناعت، سادگی، اخلاص، للّٰہیت، زہد، ضبطِ نفس اور جاہ و منصب کے طلسم سے آزاد ہونے اور زندگی کے رنگین اور خوشنما کھوکھلے مظاہر سے بے اعتنائی کی عظیم دولت ہے۔

موجودہ معاشرہ اس میدان میں بالکل دیوالیہ ہو چکا ہے، جب اس معاشرہ اور موجودہ دور کی سوسائٹی میں ان ہی جیسے چند صالح افراد لذّت و راحتِ دنیا کو ٹھکراتے اور ان بلند قدروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جن پر ساری دنیا کا ایمان ہے اور سارے لوگ جس کی پرستش کرتے ہیں، تو ان کے سامنے اخلاق و شخصیت کا ایک نیا نمونہ آجاتا ہے اور اس پر لپکتے اور ان کے اخلاق و عادات سے اپنی زندگی سنوارتے ہیں، یہ عمل کی دولت ہے، یہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی تعلیمات کے عملی مظاہر اور اخلاق و کردار کے نمونے ہیں۔ اس طرح مذہب اپنا اعتماد اور علم و اربابِ علم اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے ہیں "علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات" کے سلسلۂ تالیف کی بھی یہی غرض ہے۔ اس سلسلہ کی جلد اوّل کے "حرفِ آغاز" کا اقتباس پیشِ خدمت ہے جس سے مقصد کی توضیح اور علم و مطالعہ کی اصل غرض کی نشاندہی بھی ہو جائیگی۔

"مختلف قسم کے آزاد اور جنسی انگیخت سے معمور اور فحاشی و بے حیائی پر مشتمل لٹریچر کی وجہ سے خدا بیزار نظریات، اشتراکیت، دہریت اور الحاد و زندقہ کو ہاتھیوں کی یلغار کی طرح پھیلایا جا رہا ہے، جبکہ اس کے مقابلہ میں منکرات سے نہی اور معروفات کی اشاعت کا کام چیونٹی کی رفتار سے بھی کمزور ہے، ادھر خود ہمارے اپنے علمی اور تحقیقی حلقوں، مطالعاتی اور اشاعتی اداروں، تعلیمی اور تربیتی درسگاہوں کے بنائے ہوئے اپنے مخصوص خاکوں اور مقاصد، مخصوص نصابِ تعلیم کے درس و تدریس، علمی موشگافیوں، تاریخی افسانوں، اشاعتی مشغلوں اور تدریسی فنکاریوں میں انہماک اور اشتغال کے پیشِ نظر اصلاحِ قلب، سوزِ دروں، ذوقِ عبادت، خلوص و للّٰہیت، جذب و شوقِ عمل، فکرِ آخرت، تعمیرِ زندگی، عالی ہمتی، اخلاق کی بلندی، عملی انقلاب اور اصلاحِ احوال جو مقصدِ تعلیم اور روحِ شریعت ہے، کی طرف توجہ کم بلکہ

Marfat.com

کالعدم ہے۔ سلف کے حالات و اخلاق، ان کی عالی ہمتی، قوتِ حافظہ، ذوقِ عبادت، تقویٰ و طہارت توجہ الی اللہ و انابت، علومِ نادرہ اور انقلابی نمونۂ عمل جب تک سامنے نہ ہو، اصلاحِ انقلابِ اُمت، تعمیرِ زندگی، طہارت و تزکیۂ احوال، شکر و سپاس، بندگی و عبدیت اور قرب و رضائے الٰہی کا صحیح مقام حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

دنیوی مشاغل ہوں یا دینی تعلیم و تدریس ہو، وعظ و تبلیغ ہو، تصنیف و تالیف ہو، تحقیق و مطالعہ ہو، غرض زندگی کے کسی بھی پہلو اور کسی بھی حیثیت سے کوئی عمل کیا جا رہا ہو اگر اس کے ساتھ اللہ کے مقرب اور نیک بندوں اور ائمہ امت کے مؤثر واقعات اور سلف صالحین کے علمی و عملی اور روحانی حالات سے واقفیت اور ان کا مطالعہ بھی شامل کر لیا جائے تو قلب میں رقت اور گداز پیدا ہو گا، صحبتِ صالح کا پرتو پڑے گا، فکر و نظر کو جلا ملے گی، عملِ صالح اور خدمتِ دین کے جذبات و عزائم کی انگیخت ہو گی۔ سچے اور مؤثر واقعات اور علمی و روحانی حکایات سے گوہرِ مقصود اور سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ سے مقصدِ حیات اور انابت و توجہ الی اللہ حاصل ہو گی۔

کیونکہ ہمارے اسلاف دین کے اصل مزاج، علم و عمل کے ذوق اور قرآن و حدیث کے لبِ لباب سے آشنا اور بہرہ ور تھے۔ محض مرویات، علم و مطالعہ، جدلیات، بحث و مناظرہ اور وسعتِ معلومات سے رقتِ قلب کا سامان کم اور عجب و پندار کا اندیشہ زیادہ رہتا ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ گذشتہ زمانوں میں سلف کی ایک جماعت نیک اور بزرگ شخصیتوں سے محض ان کے طور طریقے دیکھنے کے لیے ملنے جاتی تھی علم کے استفادے کیلئے نہیں۔ اس لیے کہ ان کا طور طریقہ ان کے علم کا اصل پھل تھا ۔۔۔۔۔۔۔۔"

ذاتی سرگذشت اور آپ بیتی یا سوانح و تذکرہ کسی کا بھی ہو، دلچسپ ہوتا ہے چہ جائیکہ ایسے بزرگوں کے حالات جو فنائیت کے پتلے، تسلیم و رضا کے بندے اور محبت و محبوبیت کے مجسمے تھے، دلآویزی ان کی حکایات اور واقعات میں نہ ملے گی تو اور کہاں ملے گی؟

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	البتہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے،

Marfat.com

سیجعل لہم الرحمٰن ودّا۔ (مریم: ۹۶) | رحمٰن ان کو محبت سے نوازیں گے۔

"علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات" سے اس بات کا اندازہ بھی ہو سکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ احناف اور فقہاء اسلام کو کیسی وہبی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ مکتب حنفیہ میں کیسے کیسے طاقتور عناصر جمع ہو گئے تھے۔ تربیت و تزکیۂ نفس کے شعبہ میں علمی و فقہی دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی کے شعبہ میں، اخلاص اور دعوت و تبلیغ کے شعبہ میں، نیز فنائیت اور مقصد سے عشق میں ان کا کتنا بلند مقام تھا۔ اور یہ اندازہ لگانا بھی آسان ہو جائے گا کہ مدرسۂ حنفیت نے کیسے کیسے گوہر شب چراغ پیدا کیے اور کیسے کیسے ناتراشیدہ پتھروں کے جوہر کو چمکایا اور ان کی قیمت کہیں سے کہیں پہنچا دی ــــــ ان متفرق اور منتشر تاریخی شہ پاروں سے واقعات کی مربوط لڑیاں اُمت کے سامنے آجائیں گی۔ ہم نے جو نئے اور اچھوتے انداز میں حنفی تاریخ کے حسین و جمیل رُخِ زیبا سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ہماری یہ کوشش اِن شاء اللہ ایک صاحبِ یقین جماعت، مجاہد و غازی، متقی و پرہیزگار اور علمی و روحانی اور فقہی و تاریخی اعتبار سے ایک بہترین نسل کی تصویر، اخلاص و للّٰہیت اور سادگی و پرکاری کا وہ صحیح معیار اور دلکش نمونہ ثابت ہوگی جو ہر زمانہ میں مطلوب اور شریعت کا مقصود رہا ہے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "جس نے صحابۂ کرامؓ اور تابعین کے بعد ائمہ فقہاء کے فضائل پڑھے اور اس کا اہتمام کیا اور ان کی عمدہ سیرت و فضیلت پر مطلع ہوا تو یہ اس کا ایک ستھرا عمل ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی محبت عطا فرماوے۔ امام ثوریؒ فرماتے ہیں کہ نیک لوگوں کے تذکروں کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے"[1]

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے لطف و احسان اور توفیق و مہربانی سے الحمد للہ کہ اس سلسلہ کی پہلی جلد جو صرف حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات پر مشتمل ہے، ابھی سال پورا نہیں ہوا کہ اس کے دو ایڈیشن نکل گئے ہیں۔ اللہ کریم نے اپنے خاص فضل و کرم اور عنایت و مہربانی سے دوسری جلد کی ترتیب و تکمیل کی توفیق بھی مرحمت فرمائی۔ اس جلد میں

---

[1] جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ ص ۱۶۲

Marfat.com

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے حالات، ان کی دلچسپ حکایات اور واقعات مرتب کر لیے گئے ہیں۔ واقعات کی جمع و ترتیب میں کسی بھی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا جا سکا۔ مطالعہ کے دوران جس بات سے تسکینِ خاطر اور ذوقِ عمل کی انگیخت ہوئی کیف ما اتفق نوٹ کر لی اور کسی بھی ادنیٰ مناسبت سے ایک عنوان کے تحت درج کر دی ؎

بہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر

جو بوقت ناز کچھ جنبش تیرے ابرو نے کی

بہر حال تاریخی اور علمی لحاظ سے حیرت انگیز واقعات کے مضامین کی سادگی و اہمیت اور واقعی افادیت کے پیشِ نظر یہ سلسلۂ تالیف انشاء اللہ اس عہدِ پُر فتن اور دورِ انقلاب میں موضوع اور مقصد کے لحاظ سے مفید، ہمت آفرین، فکر انگیز، مزید مطالعہ و تحقیق کے لیے محرک، عمل صالح اور دینی مساعی و جدوجہد کے لیے شوق انگیز ثابت ہوگا۔ میرے نزدیک ایمان و یقین، عشق و محبت، درد و سوز، جذبۂ اتباعِ سُنّت، عزیمت و علوِ ہمّت، ذوقِ دعوت و تبلیغ، اصلاحِ اعمال و اخلاق اور صحیح علوم اور دینی حکم و معارف ان بزرگوں کا اصل جوہر اور ان کے سوانح و افکار کا اصل پیغام ہے۔

یہ کوشش جدید اسلامی کتب خانہ کے خلا کو پُر کرے گی اور اس سے اُن اہلِ ذوق اور مخلص طلبہ کی تشنگی کسی حد تک دور ہو جائے گی جو حنفی تاریخ کے اس تابناک باب کے مطالعہ و استفادہ کی طلب اور عملاً اس راہ پر چلنے کی تڑپ رکھتے ہیں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نیک اور صالح انقلاب، دینی و علمی، مطالعاتی اور روحانی انقلاب کے لیے کچھ کام کرنا چاہتے ہیں۔ جو زمانہ جدید کی ہوا اور فضا میں ڈھلنے کی بجائے اہلِ زمانہ کو اسلافِ امت کی ڈگر پر لانے کے خواہشمند ہیں، جو میدانِ زیست میں مردانگی و شجاعت اور جہاد و عزیمت کے حوصلے رکھتے ہیں، جو اپنے فکر و مطالعہ، قول و فعل کی یک رنگی اور کردار و عمل سے ہوا کے رُخ میں بہنے والوں کو ڈنکے کی چوٹ یہ کہہ دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ ؎

ناز کیا اس پہ کہ بدلا ہے زمانے نے تجھے

مَرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

Marfat.com

جلد دوم میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ اور نقلِ حکایات میں تحریری معیار کے اعتبار سے قریب قریب وہی انداز اختیار کیا گیا جو جلد اوّل میں حضرت امام اعظمؒ کے تذکرہ میں اپنایا گیا تھا۔ تاہم بعض جگہ تمہیدات اور اخذِ نتائج میں انداز مختلف رہا، مگر حضرت امام محمدؒ کے تذکرہ اور نقلِ واقعہ وحکایت میں تحریر کا معیار ادبی اعتبار سے اور تمہید، اخذِ نتائج اور تنبیہ وتفہیم کے لحاظ سے پہلے دونوں تذکروں سے مختلف اور بعض مقامات پر طویل بھی ہو گیا ہے مگر اس میں میرے قصد اور اختیار کو دخل نہیں، نظرِ ثانی کے وقت اپنے ذوق کے مطابق اسے بہتر پایا ہے، مگر اپنے عیب کیسے بُرے نظر آتے ہیں؟ خدا کرے کہ واقعتہً بھی قارئین کو اس سے نفع اور حظِ وافر حاصل ہو۔ آمین

اصل کتاب کے مطالعہ سے قبل ناظرین سے ایک گذارش یہ بھی ہے کہ ہمارے اس سلسلۂ تالیف کے زیادہ تر اجزاء کا مدار تاریخی روایات پر ہے، اور تاریخی روایات کلیتہً علمی روایت کے برابر موثق اور معتبر نہیں ہوتیں — نیز تاریخی شخصیتوں کے ساتھ عقیدت اور عداوت کے دونوں پہلو بھی برابر چلتے رہتے ہیں، اس لیے بسا اوقات اصل حقیقت بھی واقعات میں مستور ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہماری اس تالیف میں بھی اگر کوئی روایت یا واقعہ جادۂ شریعت سے الگ ملے (گو احقر نے حتی الامکان ایسے واقعات کے نقل کرنے سے احتراز کیا ہے اور اگر کہیں نقل بھی ہو گئے تو نظرِ ثانی کے وقت حذف کر دیا ہے) تو ہر حال میں فکر ونظر، اتباعِ شریعت وسنت اور علم وتقویٰ ملحوظ رکھنا چاہیئے نہ شوقِ اتباع میں اس پر عمل جائز ہے اور نہ اس کی وجہ سے صاحبِ واقعہ سے بدگمانی جائز ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

عبدالقیوم حقانی

رفیق مؤتمر المصنفین واستاذ دار العلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک — پشاور — پاکستان

۱۵ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۸۹ء

Marfat.com

تبرکات اور تاثرات

افکار و آراء ـــــ تبصرے ـــــ تہنیئے

"علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات" کی جلد اول "امام اعظم کے حیرت انگیز واقعات" کے نام سے طبع ہوئی اور الحمدللہ ایک ہی سال میں اس کے دو ایڈیشن نکل گئے اور اب تیسرا ابھی پریس میں جا چکا ہے۔ اکابر علماء، مشائخ، اساتذۂ علم، دانشوروں، قومی پریس اور دینی جرائد کے تبصروں اور کتاب کے تعارف سے مؤلف کی خوب ہمت افزائی ہوئی۔ ذیل میں بعض کے چند اقتباسات نقل کر دیئے جاتے ہیں تاکہ اس سلسلۂ تالیف کی ضرورت، استناد اور اہمیت واضح ہو اور قارئین زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کر سکیں۔ (ع۔ ق۔ ح)

- محدثِ جلیل استاذ العلماء قائدِ شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ العزیز بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
- حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہٗ مدیر ماہنامہ الحق و مہتمم دارالعلوم حقانیہ
- محدث کبیر فقیہ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم
- بقیۃ السلف شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم صاحب تصانیف کثیرہ
- حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہٗ خلیفہ مجاز شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
- حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہٗ مدیر ماہنامہ "بینات" کراچی
- حضرت العلامہ مولانا محمد عبدالمعبود صاحب مدظلہٗ مصنف تاریخ مدینہ منورہ و تاریخ مکہ معظمہ
- جناب حکیم محمد سعید صاحب چیئرمین ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی
- حضرت العلامہ مولانا محمد ازہر صاحب مدظلہٗ مدیر ماہنامہ "الخیر" ملتان
- حضرت العلامہ مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہٗ شامزئی جامعہ فاروقیہ کراچی
- حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم صاحب سابق مفتی و مدرس دارالعلوم حقانیہ و نائب مہتمم نجم المدارس کلاچی

Marfat.com

گرانقدر علمی سوغات

الحمدللہ! کہ افرادِ امت کے عمومی مزاج اور وقت کی ایک اہم ضرورت کے تقاضے کو ملحوظ رکھ کر فاضل عزیز مولانا عبدالقیوم حقانی مدرس دارالعلوم حقانیہ نے اردو زبان میں "علماء احنافؒ کے حیرت انگیز واقعات" کی تالیف اور ترتیب و تحریر کی طرح ڈال کر ہماری دیرینہ تمنا کو پورا کردیا اور گویا امت کی طرف سے ایک فرض کفایہ ادا کردیا۔ اس سلسلہ کی پہلی جلد" امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات" پر مشتمل ہے۔ جو اپنے موضوع کے اعتبار سے پُر مغز، جامع اور اثرات و نتائج کے اعتبار سے یقیناً موثر اور ان شاءاللہ انقلاب آفرین ثابت ہوگی۔ اور مجھے سب سے زیادہ مسرت اس پر ہے کہ حالات اور واقعات کے انتخاب میں مؤلف نے ان اجزاء و مضامین اور حکایات کو اہمیت دی ہے جو نسلِ نو کے لیے مفید، سبق آموز، قابلِ تقلید، عام فہم اور دل نشین ہیں جن سے غلط روی اور غلط فہمی کا کم سے کم اندیشہ ہوتا ہے اور جو عقیدت و محبت کے بجائے حقیقت اور شریعت کے معیار پر پورے اُترتے ہیں۔

مؤلف سلمہٗ نے جس محنت و عرق ریزی اور ہزاروں صفحات کی ورق گردانی سے اردو زبان میں تاریخ نویسی کی جو نئی طرح ڈالی ہے، علماء احناف کی سیرت و سوانح اور واقعات و حکایات کی گرانقدر سوغات امت کے حضور پیش کی ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ان کی نظر وسیع اور عمیق اور ان کا انتخاب و مذاق پاکیزہ اور قابلِ رشک حد تک شائستہ ہے — میری دلی دعا ہے کہ فیاضِ ازل مؤلف کی ان کوششوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اس سلسلۂ تالیف کو زیادہ سے زیادہ نافع بنائے اور مؤلف سلمہٗ کو اس سلسلہ کے باقی جلدوں کی بھی جلد از جلد باحسنِ وجوہ تکمیل اور اشاعت کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین[1]

قائدِ شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ

بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

دلآویز، خوش تاثیر اور حیرت انگیز کتاب

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے جامع سوانحات اور کثیر و پُر از معلومات تذکروں کے ہوتے ہوئے بھی فاضلِ محترم برادر عزیز مولانا عبدالقیوم حقانی کی

---

[1] اقتباس از افتتاحیہ امام اعظمؒ کے حیرت انگیز واقعات" ص۱۴

84656

Marfat.com

پیشِ لفظ تالیف ''امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات''، جو مؤلف کے سلسلہ تالیف علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات'' کا نقشِ اول ہے، اردو زبان میں اس سلسلہ کی پہلی کاوش ہے جو سہل، سلیس، دلچسپ اور آسان ہونے کے ساتھ ساتھ جامع بھی ہے۔ فکر و نظر، علم و عمل، تاریخ و تذکرہ، فقہ و قانون، اخلاص و للہیت، طہارت و تقویٰ، سیاست و اجتماعیت، جذبۂ اصلاح انقلاب امت، تبلیغ و اشاعت، تعلیم و تدریس، غرض جس جہت سے بھی دیکھا جائے جامع اور تمام پہلوؤں کے لحاظ سے یکساں طور پر نفع بخش ہے۔ حال و قال ہو یا برہان و استدلال، طالبانِ مسائل ہوں یا عاشقانِ دلائل، سب کے لیے اس مختصر مگر جامع ذخیرے میں سیرابی کا سامان موجود ہے۔ اس کتاب میں بیک وقت شریعت و طریقت، دلائل و مسائل، سیاست و اجتماعیت کے دقیق مگر واضح اور حیات آفریں نکتے واقعات کے ضمن میں اس طرح زیبِ قرطاس ہو گئے ہیں کہ ہر ایک جویائے حقیقت اور متلاشیٔ روحِ شریعت کے لیے سکونِ روح و قلب کا سامان بہم پہنچاتے ہیں......

یہ امام صاحبؒ کی ولایت اور کرامت کا کرشمہ ہے کہ محبّ مکرم برادر گرامی قدر مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب، کثیر مشاغل، ہمہ وقتی مصروفیات اور ہجومِ کار کے باوجود بھی...... تاریخِ حنفیت کا اس قدر حسین و جمیل گلدستہ مرتب کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں صرف یہ نہیں بلکہ فقہ و قانون اور بحث و مناظرہ کے خشک اور بے مزہ ابحاث کو واقعات و حکایات اور عشق و محبت کی زبان میں بیان کر کے انہیں سبک، لطیف، دلآویز، خوش تاثیر اور حیرت انگیز بنا دیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فاضل مؤلف داستان گو کی حیثیت سے خود داستان سرائی سے واقف اور اپنی شاہکار تصنیف ''دفاعِ امام ابوحنیفہؒ'' کے پیشِ نظر اس فن کے گویا منجھے ہوئے شناور ہیں.....

.....کتاب اردو کے متین ادب اور صالح تاریخ میں ایک شائستہ اضافہ ہے[1]

(مولانا) سمیع الحق (مدظلہ)
صدر مؤتمر المصنفین و مہتمم
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

---

[1] اقتباس از پیش لفظ'' امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات''، ص ۱۵، ۱۶

Marfat.com

حنفیت کا دلچسپ گلدستۂ تاریخ

پس فقیر کہتا ہے کہ فاضل محترم جناب حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی، دارالعلوم حقانیہ کے فاضل اور کامیاب استاذ بھی ہیں اور قابلِ فخر شاگرد ہونے کے ساتھ بفضلہٖ تعالیٰ اچھے محقق عالم، بہترین مصنف اور ادیب بھی ہیں، شعلہ بیان مقرر اور دارالعلوم حقانیہ کی لسان (زبان) اور خطیب بھی ہیں، باصلاحیت نوجوان ہیں۔ استاذ العلماء محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اساتذہ کرام کی خدمت وفیضِ صحبت اور جناب مدیر "الحق" مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی تربیت اور اب عمومی رفاقت کار نے ان کی صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا کر دیا ہے۔ موصوف کی گرانقدر علمی و تحقیقی کاوشیں اور بلند پایہ تصانیف علمی اور دینی حلقوں میں معروف ہیں۔ ان کی تصانیف میں "دفاع امام ابوحنیفہؒ"، تو اپنی مثال آپ ہے۔ "امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات" واقعۃً حنفیت کا ایک دلچسپ گلدستۂ تاریخ ہے۔ موصوف کی گرانقدر علمی اور وقیع تحریریں اور تحقیقی مضامین ملک بھر کے علمی و دینی رسالوں کے علاوہ مرکزِ علم دارالعلوم دیوبند کے ترجمان "ماہنامہ دارالعلوم" میں بھی بڑی ترجیح اور اہمیت کے ساتھ شائع ہوتے رہتے ہیں[۱]......

شستہ، مدلل اور معنی خیز تحریر

(شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید (مدظلہ))

آپ کا محبت نامہ تو کافی دنوں سے موصول ہو چکا ہے بمصروفیت، علالت اور کاہلی کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی، بارِ خاطر نہ ہو۔ نوجوان طبقہ میں بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی تحریر بڑی شستہ، مدلل اور معنی خیز ہوتی ہے، دعا ہے اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔ اس وقت قلم کا فتنہ عروج پر ہے، بے دین پروفیسر اور صحافی دین کی بنیادی باتوں تک کا مذاق اڑاتے ہیں، ان باطل پرستوں کی علمی اور تحقیقی طور پر سرکوبی فریضۂ وقت ہے، تقریباً نصف صدی تک راقم اثیم اپنی ناقص بساط کے مطابق باطل پرستوں کا تعاقب کرتا رہا ہے مگر اب کبرسنی اور علالت کی وجہ سے رہ گیا ہے اللہ تعالیٰ

---

[۱] اقتباس از پیش لفظ "خطباتِ حقانی" جلد اول ص ۱۴

Marfat.com

اپنے دین کا محافظ ہے۔ بہرحال میں آپ کے لیے اور کراچی میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے لیے خصوصیت سے دعائیں کرتا رہتا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو مزید سے مزید احقاقِ حق اور ازالۂ باطل کے لیے قوت، ہمت اور جرأت بخشے ــــ وَیَرحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ آمین ــــ والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

۲۴ محرم ۱۴۰۹ھ بمطابق ۷ ستمبر ۱۹۸۸ء

فراموش شدہ موضوع کی زندگی اور تابندگی

مقام شکر ہے کہ دور حاضر کے فاضل نوجوان، محقق، صاحب البیان والبنان مولانا عبدالقیوم حقانی نے امام ابوحنیفہؒ اور علماء احناف کے تذکرہ اور ذکر سے عامۃ المسلمین کو شناسا کرنے کے لیے ایک فراموش شدہ موضوع کو زندگی بلکہ تابندگی بخشی ہے۔ اسی محنت کا ایک شاہکار آپ کی نئی تالیف "علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات" ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما کر نافع الخلائق بنائے اور مؤلف کو دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین

(حضرت مولانا قاضی) محمد زاہد الحسینی (دامت برکاتہم)

خلیفۂ مجاز شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ

ایک بہترین شاہراہِ عمل

(الف) حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شخصیت اسلام کے معجزات میں سے ایک اہم ترین معجزہ تھی ان کے ورع و تقویٰ، زہد و عبادت، خشیت و انابت، ایثار و مروت، ہمدردی و غمخواری، عقل و دانش، فہم و بصیرت اور فقہ و ذکاوت کے واقعات حیرت انگیز بھی ہیں اور دلچسپ و سبق آموز بھی۔ حضرت امامؒ کی سیرت و سوانح پر نظر ڈالیے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صحابہؓ و تابعین کے بعد ان کی ٹکر کا آدمی پیدا نہیں ہوا۔

مولانا عبدالقیوم حقانی کو حضرت امام صاحبؒ کی سیرت و سوانح سے خصوصی شغف ہے اور وہ اس موضوع پر "دفاع امام ابوحنیفہؒ" کے نام سے ایک وقیع کتاب مرتب کر چکے ہیں ــــ زیرِ نظر

Marfat.com

کتاب ''علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات (جلد اوّل)'' اس لحاظ سے خاص اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں حضرت امامؒ کی سیرت و کردار کے بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک حسین ترتیبی رشتہ میں پرو دیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے نہ صرف اہلِ علم اپنے علم و تفقہ میں گرانقدر اضافہ کرسکیں گے بلکہ یہ عام قارئین کے لیے بھی شاہراہِ عمل مہیا کرے گی اور خطباء و واعظین ان واقعات کو بطور نمونہ قوم کے سامنے پیش کرکے درسِ عمل دے سکیں گے۔

(ب) ''امام اعظم ابوحنیفہؒ کا نظریہ انقلاب و سیاست'' مولانا عبدالقیوم حقانی کی بلسوط کتاب ''دفاعِ امام ابوحنیفہؒ'' کا گیارھواں باب ہے جس میں موصوف نے نہایت ہی حسین اور دلکش اسلوب سے امام الائمہ حضرت امام اعظمؒ کے نظریۂ انقلاب و سیاست پر مفصل کلام کیا ہے۔ کتاب کا تعارف کراتے ہوئے مدیر ''الحق'' مولانا سمیع الحق صاحب لکھتے ہیں: ''یہ مقالہ مختصر ہونے کے باوجود امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سیرت و سوانح، شخصی و قومی کردار، علمی، فقہی اور آئینی خدمات، سیاسی حکمت و تدبر، حنفی فقہ کی جامعیت اور اس کی قانونی و آئینی وسعت و ہمہ گیری اور ہر دور میں قابلِ نفاذ اور کامیاب نظام جیسے اہم عنوانات کو جامع اور سیر حاصل مباحث پر مشتمل ہے''!

دفاعِ ابوحنیفہؒ اپنی جگہ مبسوط و مفصّل اہم دستاویز ہے، جس کے مندرجات میں سے گیارھویں باب کو افادۂ عام کے لیے ایک الگ کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ حقیقت میں یہ اسی لائق ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔ امید ہے کہ اہلِ ذوق اس گرانقدر کاوش کو سراہیں گے۔

(مولانا) محمد یوسف لدھیانوی

ماہنامہ ''بیّنات'' ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ و شوال ۱۴۰۸ھ

حنفیّت کی درخشندہ تاریخ

امام عالی مقام حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے لائق تلامذہ اور تمام ائمہ احناف کی زندگی کے مبنی بر حقائق ''حیرت انگیز واقعات'' سے کتب تاریخ، سیر اور رجال بھری پڑی ہیں اور محققین اور راسخین علماء کرام نے تصویب و توثیق فرما کر ان کی افادیت و اہمیت کو چار چاند لگا دیئے۔ لیکن ان ضخیم اور مطوّل کتابوں سے صرف علماء کرام ہی مستفید ہوسکتے ہیں، عوام الناس ان سے بہرہ یاب ہونے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ اندریں حالات ہمیں بجا طور پر خوشی ہے کہ فاضل نوجوان

Marfat.com

حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی کو اللہ تعالیٰ نے حظِ وافر عطا فرمایا ہے کہ انہوں نے علم و ادب کے اس بحرِ عمیق میں غوطہ زن ہو کر دُر ہائے ناسفتہ اور گہرہائے گرانمایہ نکال کر بڑی سلیقہ مندی کے ساتھ سلک مروارید میں پرو دیئے ہیں، اور "علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات" کی صورت میں فصاحت و بلاغت کے گلہائے رنگارنگ سے ایسا خوشنما گلدستہ سجایا، جس سے حنفیت کی درخشندہ تاریخ تابندگی سے ہمکنار ہوئی اور جس کی روح پرور مہک سے گلشنِ حنفیت معطر اور اربابِ فضل و کمال کی محفل زعفرانِ زار بن گئی۔

مؤلف علام کی جانفشانی، محنت و کاوش، شستہ و شگفتہ اسلوب نگارش اور دلآویز اندازِ تحریر بیحد قابلِ قدر اور لائق صد تحسین ہے۔ اور تاریخ نویسی، سیرت نگاری کے باب میں یہ ایک قابلِ رشک جدّت طرازی اور خوش آئند پیش رفت ہے۔ مولانا موصوف کا قلم فیض رقم، زود نویسی، سہل نگاری، انشا پردازی اور فیض رسانی میں کامل مہارت اور کہنہ تجربہ کا حامل ہے، جن کی جنبشِ قلم سے چالیس دن کی قلیل مدت میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات" جیسی عظیم الشان کتاب معرضِ وجود میں آگئی۔ جو علم دوست اور صاحبِ ذوق حنفی مشرب حضرات کے لیے نایاب تحفہ ہے۔ اسی طرح امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے متعلق موصوف کی مرتب کردہ کتاب بھی مکمل ہو چکی ہے جو اس سلسلہ کی دوسری جلد ہو گی۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی اس تالیف لطیف اور سعی مشکور کو قبولیت سے نوازے، ان کے علم و قلم اور عمر میں برکت عطا کرے اور اس فیض کو تا ابد جاری و ساری رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مفیدِ عام اور نافع تام بنائے۔ جزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء وتقبل منہ مسعاہ۔

(حضرت مولانا) محمد عبدالمعبود عفی اللہ عنہ
مصنف تاریخ مدینۃ المنورہ و تاریخ مکۃ المکرمہ
خطیب جامع مسجد پھولوں والی، رحمٰن پورہ، راولپنڈی

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا نظریہ انقلاب و سیاست

ہیں تے آپکی کتاب "امام اعظم ابو حنیفہؒ کا نظریۂ انقلاب و سیاست"

Marfat.com

کا مطالعہ بہ تمام و کمال کیا۔ آپ نے امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی کے اہم اور سبق آموز پہلوؤں پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ آپ نے جن واقعات کے حوالے سے ان کے نظریۂ انقلاب و سیاست کی وضاحت کی ہے وہ نہایت جامع ہے۔

ائمہ فقہ نے عام دینی مسائل کے ساتھ قرآن و سنت پر مبنی نظام کے قیام اور معاشرے پر شرعی قوانین کی بالادستی کی بھی جدوجہد مجاہدانہ عزم و استقلال کے ساتھ کی ہے۔ ان کا فقہی اور اجتہادی شغف بھی اس عظیم مقصد کے تابع تھا کہ پوری زندگی پر شریعت محیط ہو، انہوں نے شریعت کے خلاف قدم اٹھانے والے حکام وقت کا محاسبہ خوف و طمع سے بلند ہو کر کیا اور اسلامی اصولِ عدل سے معمولی انحراف پر بھی علی الاعلان گرفت کی ہے شرعی قوانین کے نفاذ کے لیے جہدِ مسلسل کی تاریخ میں بلاشبہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مقام بہت بلند ہے۔

آپ نے نہایت تحقیق و بصیرت اور بیش قیمت حوالہ جات کے ساتھ امام صاحبؒ کے نظریۂ انقلاب و سیاست کی اس طرح وضاحت کر دی ہے کہ اس باب میں موجودہ کشمکش اور تذبذب کی فضا میں نفاذِ شریعت کے لیے کام کرنے والوں کو راہنمائی حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ جل سبحانہٗ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور آپ کی کتاب کو قبولِ عام سے نوازیں۔ آمین۔

امید ہے کہ مزاج بعافیت ہو گا۔

بہ احترامات فراواں

آپ کا مخلص: حکیم محمد سعید چیئرمین ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی

۱۵ جون ۱۹۸۷ء

عظیم تاریخی اور تحقیقی شاہکار

دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ممتاز فاضل اور کامیاب استاذ، نوجوان اہلِ قلم حضرت مولانا عبد القیوم حقانی مدظلہ کی تازہ تاریخی عظیم تحقیقی شاہکار، اردو زبان کی سب سے پہلی اور کامیاب کاوش ہے جبکہ اس سے قبل حقانی صاحب "دفاع امام ابو حنیفہؒ" لکھ کر علمی و دینی حلقوں اور اکابر علماء امت اور ملتِ حنفیہ سے زبردست خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

پیشِ نظر کتاب اپنی جدت، سلاست اور انوکھے اور دلچسپ طرزِ تالیف کے لحاظ سے منفرد

Marfat.com

ہے، جو سات ابواب، ایک وقیع مقدمہ اور ۲۰۲، صفحات پر مشتمل ہے جس کا افتتاحیہ استاذ العلماء محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم اور پیش لفظ حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق مدیر ماہنامہ "الحق" نے تحریر فرمایا ہے۔ سہل، سلیس، دلچسپ اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ فکر و نظر، علم و عمل، تاریخ و تذکرہ، فقہ و قانون، اخلاص و للٰہیت، طہارت و تقویٰ، سیاست و اجتماعیت، جذبۂ اصلاح انقلابِ اُمت، تبلیغ و اشاعتِ دین، تعلیم و تدریس، غرض ہمہ جہت جامع اور نفع بخش ہے۔ نہایت آسان، رواں اور خوبصورت زبان میں ایک اعلیٰ علمی و تاریخی اور تحقیقی شاہکار ہے، جو اگر ایک دفعہ مطالعہ میں آجائے تو طبیعت اس وقت تک چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتی جب تک پوری کتاب ختم نہ کر لی جائے۔ واقعات و حکایات اور شریعت و طریقت کے دقیق مگر واضح اور حیات آفریں نکات کو عشق و محبت کی زبان میں بیان کر کے کتاب کو واقعتہً دلآویز، خوش تاثیر اور حیرت انگیز بنا دیا گیا ہے۔ وقت کی ضرورت، حالات کے تقاضوں اور علمی و دینی، اشاعتی و تبلیغی اور اصلاحی و تعمیری ذوق اور جذبۂ اصلاحِ انقلاب امت کے پیش نظر توقع بلکہ یقین ہے کہ قارئین خود بھی اور اپنے حلقۂ احباب میں بھی اس کتاب کی افادیت و اشاعت اور تبلیغ و استفادۂ عام کی خاطر بھرپور دلچسپی لیں گے ــــــ خدا کرے کہ مؤلف حسبِ ارادہ "علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات" کی دوسری جلدیں بھی نقشِ اول کی طرح جامع اور مفصل اور سہل اور سلیس انداز میں جلد از جلد پیش کرنے میں کامیاب ہوں۔

مولانا محمد ازھر۔ مدیر ماہنامہ "الخیر" فروری ۱۹۸۸ء

جذبۂ عمل ابھارنے والی عمدہ کتاب

"امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات" حضرت امام صاحبؒ کے مختلف واقعات پر مشتمل ہے۔ کتاب میں سات ابواب ہیں۔ باب اول مختصر سوانح، تعلیم و تربیت، تقویٰ اور ذوقِ عبادت۔ باب دوم میں تسلیم و رضا، ایمان و احتساب اور احسانی کیفیات کے متعلق مواد ہے۔ باب سوم میں زہد و قناعت، کسبِ حلال اور سخاوت کے متعلق واقعات ہیں۔ باب چہارم میں خلقِ خدا پر شفقت، رعایت، حقوق، اخلاق و تواضع، حق گوئی و بیباکی کے متعلق مختلف قصص اور واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ پانچواں باب علم و فضیلت، جامعیت

Marfat.com

اور فراست کے واقعات پر مشتمل ہے۔ باب ششم میں ذکاوت، جودتِ طبع، بحث و مناظرہ کے دلچسپ واقعات کا بیان ہے۔ ساتویں باب میں بھی مختلف واقعات کو یکجا بیان کیا گیا ہے۔

اس سے قبل مصنف نے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق "دفاع امام ابوحنیفہؒ" کے نام سے ایک بہت مفید کتاب لکھی تھی ۔۔۔۔ زیرِ تبصرہ کتاب بھی بہت دلچسپ واقعات پر مشتمل ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی پڑتی ہے، پڑھنے والوں کو نصیحت بھی ملتی ہے، عمل کا جذبہ بھی ابھرتا ہے۔ بہرحال یہ ایک عمدہ کتاب ہے۔

(مولانا مفتی) نظام الدین شامزئی

ماہنامہ "الفاروق" کراچی، جمادی الآخر ۱۴۰۹ھ

کامیابی کی کنجی اور دینی ترقی کا بنیادی گُر

مؤتمر کی تازہ اور مؤقر اشاعت "امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات"

کے مکمل ۲۷۲ صفحات کا بن دعن مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ کتاب میں جگہ جگہ ادبی تحریریں اور دلچسپ تعبیرات مؤلف کے حسنِ ذوق کا عظیم شاہکار ہیں۔ وللہ درہ ما احسن وادق کتاب کے ہر ہر پیرائے میں پتے کی باتیں ملتی ہیں، پھر مرکزِ علم دار العلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ "دار العلوم" کے مدیر شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی مدظلہ کی تصویب و تحسین جناب حقانی صاحب کے لیے ایسا سرمایہ ہے جو موصوف کی تصنیفات کو ما و شما کے تبصروں سے بے نیاز کر دیتا ہے ؎

زعشقِ ناتمام ما جمالِ یار مستغنیست
بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

البتہ مؤلف کے ساتھ قدیم علمی رفاقت کی وجہ سے حضرت والد صاحب (حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی مدظلہ) کا یہ شعر جو انہوں نے اپنے پیر و مرشد حضرت صاحب کابل والے کو لکھا تھا، مؤلف کو دعا دیتے ہوئے لکھ دیتا ہوں ؎

خوش بپیری سے بلند فراموشیت مباد ۔۔۔ از حالِ ما کہ خستہ پریم و شکستہ بال

Marfat.com

مؤلف کے لیے "علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات" کی تکمیل کا ارادہ مبارک ہو۔

اللّٰھم وفقه لھٰذا لفاضل الشاب والشیخ علماء لما اراد۔

کتاب ہذا کے صـ۲۶ پر مؤلف کا یہ جملہ دیکھا کہ "مدرسۂ حنفیت نے کیسے کیسے گوھر شب چراغ پیدا کیے" لاریب درست ہے۔ ہم تو خود مؤلف کی خدمات کو دیکھ کر بیساختہ یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ "وہ دریا کیا ہوگا جس کے قطرے یہ سمندر ہیں۔ والحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک حمدًا کثیرًا۔

جناب حقانی صاحب نے بہت اچھی معلومات فراہم کر دی ہیں۔ کتاب کے حواشی میں تشریحی نوٹس بجا اور توجیہات بہت خوب ہیں۔ امام اعظمؒ کے نصائحؒ، حکایات و واقعات واقعۂ کامیابی کی کُنجی اور دینی ترقی کے بنیادی گُر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو ان پر عمل کی توفیق بخشے اور مؤلف کو ان کے نقل و تالیف کا اجر عطا فرماوے اور اس سلسلہ کی مزید جلدوں کی تکمیل کے اسباب پیدا فرماوے۔ اللہ تعالیٰ ادارہ کو حضرت امیر المومنین فی الحدیث شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہٗ اور "مدیر الحق" مولانا سمیع الحق مدظلہٗ کی سرپرستی میں دن دُگنی رات چوگنی ترقی عطا فرماوے۔ آمین

(مولانا) قاضی عبد الحلیم عفی عنہ

نائب مہتمم مدرسہ عربی نجم المدارس، کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

۶ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ

Marfat.com

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

ولادت سنہ ۹۳ھ ○ وفات سنہ ۱۸۲ھ

امام ابو یوسفؒ کا مختصر سوانحی خاکہ

آپ کا نام یعقوب اور کنیت ابو یوسف تھی سلسلۂ نسب یہ ہے: ابو یوسف بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن بحیر بن معاویہ بن قحافہ بن نفیل الانصاری البجلی رضی اللہ عنہ۔

آپ کوفہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم پائی، وہیں سکونت پذیر رہے۔ آپ عربی النسل تھے موالی میں سے نہ تھے سلسلۂ نسب انصار سے جا ملتا ہے۔ ان کے جدِ اعلیٰ حضرت سعد بن حنبہؓ صحابی تھے جو غزوۂ اُحد میں اجازت چاہنے کے باوجود بوجہ کمسنی کے شریک نہ ہوسکے، بعد میں جب غزوۂ خندق پیش آیا تو انہیں شرکت کی سعادت حاصل رہی۔

آپ سنہ ۹۳ھ یا ۱۱۳ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے[1] سنہ ۱۸۲ھ میں انتقال ہوا، ۸۹ سال عمر پائی۔

---

[1] عام تذکرہ نگاروں نے امام ابو یوسف کا سنہ ولادت سنہ ۱۱۳ھ لکھا ہے لیکن علامہ سمعانیؒ اور صاحب مسالک الابصار نے ان کی عمر ۸۹ برس بتائی ہے جبکہ وفات کے بارے میں تمام تذکرہ نگار متفق ہیں کہ سنہ ۱۸۲ھ میں ہوئی۔ عمر اور سنہ وفات کو ملحوظ رکھا جائے تو آپ کی پیدائش کا سنہ ۹۳ھ قرار پاتا ہے۔ علامہ زاہد الکوثریؒ نے بھی امام ذہبیؒ کے رسائل کے حواشی میں اور امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ لکھتے ہیں کہ اصل نسخہ میں سنہ ۹۳ھ کے ۹ کا سرا مٹ گیا تو ۱۳ رہ گیا ارباب رجال نے قیاساً اسے ۱۱۳ سمجھ لیا اور ایک بڑھا دیا۔ علامہ زاہد الکوثریؒ کی رائے اس لیے بھی راجح قرار دی جا سکتی ہے کہ فقہ کی عام کتابوں میں تذکرہ نویسوں نے جہاں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا یکجا تذکرہ کیا ہے تو وہاں شیخین لکھ دیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس تغلیب میں عمر کا بھی کوئی تناسب ہونا چاہیئے۔ اگر امام ابو یوسفؒ کی پیدائش کا سنہ ۱۱۳ھ قرار دیا جائے تو دونوں کی عمر میں ۳۴ برس کا تفاوت ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اتنے بڑے تفاوت کے ساتھ دونوں کو شیخین کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

Marfat.com

فقر و فاقہ، غربت و افلاس اور اہل و عیال کی ذمہ داریوں کے باوجود بھی خود کو تحصیل علم کے لیے وقف کر دیا۔ ابتداء میں تقریباً آٹھ نو برس تک قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کی درسگاہ میں باقاعدگی سے حاضر ہوتے اور کسبِ فیض کرتے رہے۔ اس کے بعد جب امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مجلسِ علم و فقہ میں حاضری کا موقعہ ملا تو پھر انہی کے ہو کر رہ گئے۔ امام اعظمؒ کی تدریس اور مجلسِ علم ایسی بھائی کہ پھر امام صاحبؒ کی زندگی میں ان سے علیحدہ نہیں ہوئے۔ معاشی کفالت کی ذمہ داری امام اعظم ابوحنیفہؒ نے لے لی تھی اور یہ مدد اس وقت تک جاری رکھی جب تک کہ خود امام ابویوسفؒ بے نیاز نہیں ہو گئے۔

اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا منصب جلیل آپ کو ملا۔ امام ابویوسفؒ تین عباسی خلفاء کے دور میں قاضی رہے، مہدی نے ان کو صرف بغداد کے مشرقی حصہ کا قاضی مقرر کیا تھا پھر خلیفہ ہادی کے زمانے میں پورے بغداد کے قاضی بنا دیئے گئے، اور ہارون رشید نے انہیں تمام ممالک محروسہ کا قاضی بنا دیا[1]، ۱۶ سال تک انہوں نے قضا کی خدمت کی جبکہ اس سے قبل ۱۷ سال تک علمِ دین کی تدریس اور اشاعتی خدمت کرتے رہے گو کہ اس کے لیے انہوں نے اس زمانہ کے مروجہ درسگاہ کا اہتمام نہیں کیا تھا تاہم قضاۃ کے زمانہ میں بھی درس و افادہ کا سلسلہ باقاعدہ جاری رہا۔

بہت بڑے اور جلیل القدر امام تھے، بذاتِ خود فقہ کے امام تھے مگر اپنے استاد کے راوی اور ان کی فقہ کا قائل ہونا پسند کیا۔ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے حینِ حیات ان کو قاضی و مفتی اور ان کو مربی ہونے کے لائق بنایا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کی زندگی میں امام ابویوسفؒ کا ذوقِ علمی اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ وہ بخیر و خوبی ان مناصبِ خطیرہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتے تھے۔

ائمہ فقہ میں امام اعظمؒ کے بعد امام ابویوسفؒ وہ پہلے اور شاید آخری شخص ہیں جنہوں نے فقہ کو ایک فن کی حیثیت سے زندہ و جاوید بنا دیا۔ اگر امام ابویوسفؒ نہ ہوتے تو فقہ اسلامی اس رتبے

---

[1] مقریزی جلد ۴ صہ ۱۸۱

Marfat.com

پر نظر نہ آتی جس پر آج نظر آتی ہے۔ وہ امام ابو یوسفؒ ہی تھے جنہوں نے حلقۂ درس میں، مسندِ قضا پر، ایوانِ خلافت میں، قصرِ امیر المومنین میں اپنی فقہ کی عظمت بڑھائی۔

امام ابو یوسفؒ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں (جن کی تفصیل اگلے صفحات میں آرہی ہے) جس سے اُن کے اُستاذ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور فقہ حنفیہ اور ائمہ احنافؒ کے افکار و نظریات کو فروغ حاصل ہُوا۔ عہدۂ قضا پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ نے عملاً فقہ حنفیہ کو صیقل کر دیا، لوگوں کی ضروریات و حاجات سے براہِ راست آگاہ ہوئے اور ان کی ذاتِ بابرکات سے فقہ حنفیہ کو فروغ اور عروج حاصل ہُوا۔ اجتہاد کا ملکہ خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن اجتہاد سے کام لینا آسان نہیں، اس کے لیے علم، بصیرت، تدبر و فراست، وُسعتِ فکر و نظر اور اصابتِ رائے کی ضرورت ہے۔ امام ابو یوسفؒ میں یہ سارے خصائص بدرجۂ اتم موجود تھے۔

دستِ نبوّت کے برکات

قاضی ابو یوسفؒ کے پردادا حضرت سعد بن حتبہؓ[1] الانصاری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی تھے۔ غزوۂ احد میں شوکت کے عزم کے باوجود بوجہ کمسنی کے اجازت نہ ملی البتہ غزوۂ خندق اور بعض دیگر غزوات میں حضرات صحابہؓ کے ساتھ شریکِ جہاد رہے۔

ابن عبد البرؒ نے استیعاب میں لکھا ہے کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقع پر (قاضی ابو یوسفؒ کے پردادا) حضرت سعد الانصاری کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ملاحظہ فرمایا کہ نوعمر (حدیث السن) ہونے کے باوجود بڑی بے جگری اور دلیری سے دشمن کا مقابلہ کر رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ سے پوچھا اے لڑکے! تو کون ہے؟ حضرت سعدؓ نے عرض کیا جی میرا نام سعد بن حتبہ ہے۔ یہ سُنکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

[1] حضرت سعدؓ کی والدہ کا نام حتبہ ہے جیسا کہ صیمری نے "کتاب اخبار ابی حنیفہ واصحابہ" میں ذکر کیا ہے، البتہ بعض مورخین نے ان کا نام حسنہ بھی لکھا ہے۔ (البدایہ والنہایۃ لابن کثیرؒ جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۰)

Marfat.com

اسعدك اللہ اقترب منّی ۔ آفرین! آؤ میرے قریب آجاؤ۔

حضرت سعدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آکر کھڑے ہو گئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کے سر اور پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور دُعائیں دیں کہ خدا انہیں اسعد کرے۔

قاضی امام ابو یوسفؒ اس واقعہ پر بہت فخر کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کے چھونے کی برکات آج بھی مَیں محسوس کرتا ہوں۔"[1]

جمالِ ابو یوسفؒ

چنانچہ خود امام ابو یوسفؒ کا یہ حال تھا کہ جب کبھی کوئی شخص آپ کے چہرہ کی طرف دیکھتا تو آپ کی پیشانی کا نور چمکتا نظر آتا تھا، اور چہرہ مبارک ایسا لامع (چمکتا ہُوا) دکھائی دیتا گویا کسی نے تیل لگا دیا ہے۔

طلب علم، والدہ کی پریشانی اور امام ابو حنیفہؒ کی پیش گوئی

علی بن جعدؒ سے روایت ہے کہ امام ابو یوسفؒ کہا کرتے تھے کہ جب میرا باپ فوت ہو گیا تو میری عمر چھوٹی تھی، صغیر السن تھا، میری والدہ مجھ کو ایک دھوبی کے پاس کام سیکھنے کے لیے لے گئی۔ راستہ میں امام ابو حنیفہؒ کا حلقہ درس تھا، میں دھوبی کی مجلس چھوڑ کر امام صاحبؒ کے حلقہ درس میں بیٹھ گیا، جب بارہا ایسا ہُوا تو والدہ مجھ کو کھینچ کر دھوبی کی مجلس میں لے جانا چاہتی تھی مگر مَیں ابو حنیفہؒ کے حلقہ درس سے کسی دوسری جگہ جانے کے لیے قطعاً تیار نہ ہوتا تھا، آخر میری والدہ نے تنگ آکر امام ابو حنیفہؒ سے عرض کیا کہ،

"مَیں ایک بیوہ عورت ہوں اور یہ لڑکا بھی یتیم ہے، مَیں سارا دن سُوت کات کات کر گذر اوقات کرتی ہوں، معلوم نہیں! آپ نے اس لڑکے سے کیا کہہ دیا ہے کہ میں اسے بہ منت و اصرار لے جانا چاہتی ہوں مگر یہ آپ سے جانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔"

---

[1] حدائق الحنفیہ، حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضیؒ ص۶ و کتاب اخبار ابی حنیفۃؒ و اصحابہ للامام الصیمریؒ ص

Marfat.com

امام ابوحنیفہؒ نے میری والدہ سے فرمایا: "اسے یہاں ہمارے ہاں رہنے دو، علم بڑھے گا اور عنقریب صحن فیروزج میں روغن پستہ کے ساتھ فالودہ کھائے گا۔"
اور بعض مؤرخین نے امام صاحبؒ کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ:

هٰذا هوذا يتعلم اكل الفالوذج بدهن الفستق۔	یہ لڑکا پستے کے روغن میں تیار کیا ہوا فالودہ کھانا سیکھ رہا ہے۔

والدہ نے یہ سنا تو سیخ پا ہوئیں اور امام ابوحنیفہؒ سے کہا:۔

اَنْتَ شَيْخٌ قَدْ خَرِفْتَ وَذَهَبَ عَقْلُكَ۔	بڈھے تم سٹھیا گئے اور تمہاری عقل ماری گئی۔

امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھے منصبِ قضا کی ذمہ داری سونپی گئی تو میں صحنِ فیروزج میں خلیفہ رشید کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ خلیفہ کے نوکر فالودہ لائے روغنِ پستہ بھی اس کے ساتھ تھا، مجھے خلیفہ نے کہا: "فالودہ تناول فرمائیے، یہ فالودہ ایک خاص قسم کا ہے جو ہر وقت تیار نہیں کیا جاتا۔" خلیفہ کی یہ بات سن کر میں نے تبسّم کیا۔ خلیفہ نے میرے مسکرانے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے تمام پس منظر اور سارا قصہ بیان کر دیا اور کہا کہ یہ میرے استاذ امام ابوحنیفہؒ کی کرامت ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ "بے شک علم فائدہ دیتا ہے اور دنیا و آخرت میں مرتبہ بڑھاتا ہے۔" پھر کہا:۔

رحم الله اباحنيفه لقد كان ينظر بعين عقله مالا ينظر بعين راسه۔	خدا امام ابوحنیفہؒ پر رحم کرے وہ عقل کی آنکھوں سے وہ چیز دیکھتے تھے جو سر کی آنکھوں سے بھی نہیں دیکھی جا سکتی۔[1]

امام ابوحنیفہؒ کی نظرِ شفقت نے مالی برکت اور علم کی دولت سے مالامال کر دیا

خطیب بغدادیؒ نے امام ابویوسفؒ کی بیان فرمودہ یہ حکایت نقل کی ہے کہ میں علمِ حدیث اور علمِ فقہ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا لیکن میری حالت بے حد خستہ اور خراب تھی۔ ایک روز میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی

---

[1] حسن التقاضی ص ۹

Marfat.com

مجلس میں بیٹھا تھا کہ میرے والد صاحب آئے، انہیں دیکھ کر میں اُٹھ کھڑا ہُوا اور اُن کے ساتھ باہر چلا گیا۔ میرے والد نے اُس وقت مجھ سے کہا بیٹے دیکھو تم ابو حنیفہؒ کے قدم بہ قدم نہیں چل سکتے، خدا کے فضل سے اُن کے پاس سب کچھ ہے جو چاہیں کھائیں جو چاہیں پئیں، اس کے برعکس تمہارا کیا حال ہے، دیکھو تم سراسر معاش کے محتاج ہو، آخر کچھ تو سوچو بھی؟

والد کی یہ بات میرے دل میں ترازو ہو گئی، میں نے حصولِ علم کی طرف توجہ کم کر دی اور حصولِ معاش کی سرگرمیوں میں مصروف اور منہمک ہو گیا کیونکہ والد صاحب کی مرضی بھی یہی تھی اور حالات کا تقاضا بھی یہی تھا[1] اور اُن کی مرضی پر بہر حال مجھے چلنا چاہیئے تھا۔

حضرت امام اعظمؒ نے جب یہ دیکھا کہ اُن کی مجلس میں میری حاضری کم ہونے لگی ہے تو میرے بارے میں انہیں تشویش ہونے لگی، ایک روز جب میں حسبِ معمول دیر سے پہنچا تو دریافت فرمایا"تم کہاں رہتے ہو، پابندی سے آتے کیوں نہیں"؟ میں نے جواب دیا:۔

الشغل بالمعاش وطاعة والدی۔	شغلِ معاش میں مصروف رہتا ہوں اور والد گرامی کا یہی حکم ہے۔

یہ کہہ کر میں مجلسِ درس میں بیٹھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد اٹھنا چاہا مگر امام صاحبؒ نے روک لیا، جب مجلس برخاست ہوئی اور لوگ چلے گئے تو امام ابو حنیفہؒ نے ایک تھیلی میرے ہاتھوں میں تھما دی اور فرمایا اس سے اپنا کام چلاؤ اور سبق پر پوری توجہ دو، میں نے دیکھا تو تھیلی میں ایک سو درہم تھے —— امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ نے اُس وقت مجھے تاکیداً یہ بھی فرمایا کہ"یہ رقم جب ختم ہو جائے تو مجھے بتا دینا لیکن مجلسِ درس میں

---

[1] متعدد واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ باقاعدہ طلبِ علم سے پہلے ہی امام ابو یوسفؒ کی شادی بھی ہو چکی تھی اور وہ صاحبِ اولاد بھی ہو گئے تھے، آپ کے بال بچوں کی معاشی ذمہ داری کی وجہ سے ان کے والد اور ساتھ ان کو حصولِ معاش پر مجبور کرتے تھے۔

Marfat.com

اب پابندی سے آیا کرو"۔۔۔۔۔۔ میں نے پابندی سے مجلس درس میں حاضر ہونا شروع کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد امام ابوحنیفہؒ نے سو درہم کی ایک تھیلی پھر مجھے عطا کی اور درس میں حاضری کی تاکید بھی فرمائی۔۔۔ اس کے بعد یہ معمول ہو گیا، نہ جانے امام ابوحنیفہؒ کس طرح محسوس کر لیتے کہ میرے پاس رقم ختم ہو چکی ہے، فوراً پھر سو درہم کی تھیلی عطا فرما دیتے حالانکہ میں نے کبھی بھی نہ اُن سے رقم طلب کی اور نہ یہ بتایا کہ رقم ختم ہو چکی ہے، یہاں تک کہ امام صاحبؒ کی اس داد و دہش کا یہ نتیجہ نکلا کہ میری معاشی حالت بہتر ہو گئی اور میں ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرنے لگا اور پابندی کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہونے لگا، یہاں تک کہ میری کوئی حاجت اور ضرورت ایسی نہ تھی جو اٹکی رہ گئی ہو[1] اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی حسن نیت اور برکت و توجہ کے باعث میرے لیے آئندہ زندگی میں علم اور مال کے دروازے کھول دیئے، اللہ تعالیٰ میری طرف سے انہیں اچھا صلہ اور اجر عظیم عطا فرماوے[2]

امام ابو یوسفؒ کی طالب علمی

ابراہیم بن جراحؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قاضی ابو یوسفؒ سے خود سنا ہے فرمایا کہ ہم نے بھی طلب علم کیا اور

---

[1] مناقب موفق ترجمہ ابی یوسفؒ ص ۶۹ [2] اس روایت کے قریب قریب یہی قصہ تاریخ کی کتابوں میں امام ابو یوسفؒ کی والدہ کی طرف منسوب بھی منقول ہوتا چلا آیا ہے جسے احقر نے اس سے قبل نقل کر دیا ہے۔ ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہو البتہ نسبت میں غلطی واقع ہوئی ہو۔ علامہ زاہد الکوثریؒ کی رائے کے مطابق اصل واقعہ تو والد ہی کا ہے والدہ کا واقعہ سراسر بے بنیاد ہے، اُس کے راوی محمد بن الحسن ابن زیاد النقاش المقری صاحب "شفاء الصدور" ہیں جو تفسیر کی ایک کتاب ہے مگر ان کی روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے قصے ہی دو ہوں، والدہ کو بھی یہی قصہ پیش آیا ہو جو والد کو پیش آیا ہے۔ احمد بن مکیؒ کے بیان کے مطابق امام ابو یوسفؒ کو درس سے اٹھا لیجانے کا واقعہ ایک ہی بار پیش نہیں آیا بلکہ بسا اوقات ایک ہی دن میں کئی کئی بار پیش آتا تھا۔ ایک روز امام ابو یوسفؒ کے بار بار اپنے والد کی نظر بچا کر درس میں آنے سے ان کے والد کو بہت غصہ آیا درس میں آئے ابو یوسفؒ کو سخت سست کہا اور اہل مجلس سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "یعصینی ھذا الولد انتم تعینونه" (مناقب) میرا لڑکا بار بار میری حکم عدولی کرتا ہے اور تم لوگ اسکی مدد کرتے ہو"، تو امام اعظمؒ نے انہیں نرمی، محبت اور حکمت و مصلحت سے راضی کر کے رخصت کر دیا۔

Marfat.com

ہمارے ساتھ اتنے لوگوں نے طلب علم کیا کہ ہم ان کو شمار نہیں کر سکتے، مگر علم سے نفع صرف اُسی شخص نے حاصل کیا جس کے قلب کو دودھ نے رنگ دیا تھا۔ مراد اُن کی یہ تھی کہ طالب علمی کے وقت امام ابویوسفؒ کے گھر والے ان کے لیے روٹی دودھ میں ڈال کر رکھ دیتے تھے، قاضی ابویوسفؒ وہی صبح کے وقت کھا کر حلقۂ درس میں پہنچ جاتے تھے اور پھر واپس آکر بھی وہی کھاتے تھے، کسی عمدہ کھانے پکانے کا انتظار کرنے میں وقت ضائع نہیں کرتے تھے جبکہ دُوسرے لوگ عمدہ غذائیں اور بہترین کھانے تیار کرنے میں مشغول ہو کر سبق کے ایک حصّہ سے محروم رہ جاتے تھے[۱]

شوقِ علم کی انتہاء

امام ابویوسفؒ کو اپنے شیخ و مربّی اور شفیق استاذ امام ابوحنیفہؒ سے اتنا گہرا تعلق پیدا ہو گیا تھا اور ان کی مجلسِ درس سے ان کے شغف و انہماک کا یہ عالم تھا کہ دنیا کا ہر کام چھوڑ سکتے تھے مگر مجلسِ درس کی حاضری ترک کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ ایک مجلس میں امام ابویوسفؒ کو درس کی حاضری اور شوقِ علم کے بارے میں یہ کہتے ہوئے سُنا گیا کہ :۔

> "میرے لڑکے کا انتقال ہو گیا لیکن نہ میں نے اس کی تدفین و تجہیز میں حصّہ لیا اور نہ تکفین میں، یہ سارا کام میں نے اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں پر چھوڑ دیا، مجھے یہ دھڑکا لگا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجلسِ درس سے بچھڑ جاؤں اور کوئی سبق قضا ہو جائے، اور یہ حسرت رہ جائے کہ فلاں سبق میں حاضر نہ تھا"[۲]

آپ کے بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ایسا ہی معاملہ آپ کو اپنے والد کی وفات

---

[۱] کشکول از مولانا مفتی محمد شفیعؒ ص ۱۴۲ [۲] مناقب موفق ـــــ اس واقعہ سے اُس عہد کی اسلامی معاشرت پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اُس زمانہ میں ہمدردی ہمواسات اور اخوت اس درجہ عام تھی کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لختِ جگر کے جنازہ اور تدفین میں اس لیے شرکت ضروری نہیں سمجھی کہ وہ اگر نہ بھی شریک ہوں گے تو ان کے اعزہ و اقربا اور پڑوسی اس کام کو اپنا ذاتی کام سمجھ کر پورا کر دیں گے۔

Marfat.com

پر بھی پیش آیا کہ درس کے فوت ہو جانے کے خدشہ سے اپنے والد ماجد کے جنازے سے محروم رہنا گوارا کر لیا مگر تحصیلِ علم سے چھٹی نہیں کی[1]

امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے کہ میرے درس میں امام ابویوسفؒ کی طرح کسی نے بھی اتنی پابندی سے حاضری نہیں دی۔ اگر داؤد طائیؒ نے بھی ان کے نقشِ قدم کی رہروی کی ہوتی تو لوگ اس سے بھی امام ابویوسفؒ کی طرح نفع اندوز ہوتے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ" ابویوسفؒ اپنے طبقۂ فقہاء میں اس دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں"۔

اور واقعہ بھی یہ ہے کہ امام ابویوسفؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے اور امام ابوحنیفہؒ کو اپنے اس مخلص شاگرد پر فخر تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ بارگاہِ امامِ اعظمؒ میں جو بھی آیا وہ کہیں سے کہیں پہنچ گیا، لیکن ابویوسفؒ تنہا وہ شخص تھے جو اُن کے جانشین بلا اختلاف بن گئے۔

امام ابوحنیفہؒ کے درس اور صحبت اور خدمت کی برکت سے ان کی عقل میں جلا پیدا ہو گئی اور ذہن پر صیقل اور ان کی فقہ کے تعمق میں توسع پیدا ہو گیا جس کے ثمرات و اثرات ان کی زندگی کے واقعات سے نمایاں ہیں۔

علمی انہماک میں عیال و اطفال کا خیال بھی بھلا دیا

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ امام ابویوسفؒ کا ماموں جس کا نام ابوطالب تھا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حلقۂ درس میں آیا کیا دیکھتا ہے کہ امام ابویوسفؒ علمی مذاکرہ میں اونچی آواز سے بول رہے ہیں اور ہمہ تن بحث میں مشغول ہیں۔ ماموں ان کا ایک طرف ہو کر چپکا کھڑا رہا۔ امام ابوحنیفہؒ کی اچانک نظر پڑی تو فرمانے لگے آگے تشریف لے آیئے کھڑے کیوں ہیں! کہنے لگا۔

"میں مذاکرہ اور علمی مباحثہ میں اپنے بھانجے ابویوسفؒ کی بلند آواز اور ہمہ تو جہی پر تعجب کر رہا ہوں کہ آج تیسرا روز ہے کہ انہوں نے اور ان کے عیال اور اطفال نے کچھ نہیں کھایا"۔[2]

---

[1] مناقب کردری ترجمہ امام یوسفؒ ص۳۹۴ و حسن التقاضی ص۹۔ [2] حدائق الحنفیہ تذکرہ ابویوسفؒ۔

Marfat.com

امام اعظمؒ سے امام ابو یوسفؒ کی اہلیہ کی شکایت

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ علمِ دین کی تحصیل میں انہماک اور جس قدر شغف امام ابو یوسفؒ کو تھا اس کی شکایت محض ان کے والدین یا ماموں ہی کو نہیں تھی بلکہ ان کی اہلیہ کو بھی ...... تھی۔ ان ہی کی روایت ہے کہ امام ابو یوسفؒ دن بھر تو امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں رہتے تھے اور رات کو گھر آتے تھے اور کبھی کبھی رات کو بھی وہیں رہ جاتے تھے اور کئی کئی دن گھر نہیں آتے تھے ــــ ایک دن یہ امام ابو یوسفؒ کی شکایت لے کر امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یہ آپ کے شاگرد ہمارے نان ونفقہ کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے صرف پڑھنے پڑھانے ہی میں لگے رہتے ہیں۔ امام صاحبؒ نے ان کو سمجھایا اور صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ یہ عسرت اور تنگدستی کے دن انشاء اللہ جلد ختم ہو جائیں گے اور تم لوگ ان سے جو توقع رکھتے ہو اس سے زیادہ تم کو ملے گا۔

پھر کوئی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنے فضل وکرم اور رحمت و عنایت کے دروازے کھول دیئے، معاشی تنگی دور ہو گئی۔ اس دوران ایک روز میں نے امام ابو یوسفؒ سے پوچھا کہ اب ہمارے پاس کتنا مال ہے؟ فرمانے لگے سب کا تو مجھے علم نہیں البتہ میری معلومات کی حد تک سبعۃ مائۃ بغل و ثلاث مائۃ فرس[1] سات سو خچر اور تین سو گھوڑے اپنے ذاتی اصطبل میں موجود ہیں۔

مقتضائے حدیث پر عمل کے جذبہ نے امام ابو حنیفہؒ کی درس گاہ میں پہنچا دیا

اس سلسلہ کا ایک دلچسپ واقعہ علامہ زاہد الکوثریؒ نے بھی لکھا ہے، متعدد وجوہات میں ایک وجہ اسے بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں جس زمانے میں امام ابو یوسفؒ قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کے حلقۂ درس میں جایا کرتے تھے تو وہ آپ کا بہت لحاظ کرتے تھے۔ قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کا معمول تھا کہ

---

[1] مناقب الکردریؒ ترجمہ ابی یوسفؒ ص ۳۹۴، وص ۳۹۵

Marfat.com

جب کوئی پیچیدہ اور نازک مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ امام ابوحنیفہؒ سے رجوع کرکے مسئلہ حل کرلیا کرتے تھے۔ امام ابویوسفؒ یہ دیکھ کر امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضری کے لیے بیتاب رہتے مگر عملاً اس کی نوبت نہ آسکی۔ چنانچہ اتفاق سے ان کے قاضی ابن ابی لیلیٰؒ سے تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امام ابویوسفؒ نے حدیث کے مقتضاء پر عمل کیا تو قاضی ابن ابی لیلیٰ نے ٹوکا، مگر امام ابویوسفؒ نے مقتضائے حدیث کی روشنی میں ان کے ٹوکنے کو بے جا قرار دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کی صاحبزادی کی شادی تھی، نکاح کی تقریب میں اہل مجلس پر چھوارے بکھیرے گئے، حاضرین نے چھین جھپٹ شروع کی تو امام ابویوسفؒ نے بھی لوٹے۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ نے ابویوسفؒ کو اس عمل سے روکا اور فرمایا کہ "اس طرح کی چھین جھپٹ اور لوٹ مکروہ ہے"۔ امام ابویوسفؒ نے جواب دیا کہ: "بے شک لوٹ مکروہ وممنوع ہے لیکن عساکر (لشکروں) میں، نہ کہ شادی بیاہ اور نکاح کے موقعوں پر"۔ امام ابویوسفؒ کا یہ جواب سنکر ابن ابی لیلیٰؒ کا رنگِ رُخ بدل گیا، اور یہ بات پھر مزید کشیدگی کا سبب بن گئی جس کی وجہ سے ابویوسفؒ امام ابوحنیفہؒ کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے۔[1]

دراصل بات یہ ہے کہ ابن ابی لیلیٰؒ کو اس سلسلہ میں وارد حدیث کا صحیح مورد یاد نہ رہا کہ مورد نہی کیا ہے؟ حدیث میں وارد ہے کہ ایک موقعہ پر حاضرین پر چھوارے پھینکے گئے لیکن لوگ الگ تھلگ بیٹھے رہے اور انہیں لوٹا نہیں، یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ لوٹتے کیوں نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا "آپ ہی نے تو منع فرمایا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے صرف عساکر میں (غنیمت) کے لوٹنے سے منع کیا ہے۔ اس سے نہیں، خوب لوٹو"۔

---

[1] حسن التقاضی فی سیرت الامام ابی یوسفؒ القاضی ص۸ و مناقب کردری تذکرہ ابی یوسفؒ ص۳۹۴۔

Marfat.com

امام ابو یوسفؒ کا ابن ابی لیلیٰؒ کی درسگاہ چھوڑ کر امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضری کا ایک جائزہ

امام ابو یوسفؒ ۹ برس تک محمد بن ابی لیلیٰؒ کی خدمت میں رہے، ان کے علمی فیوضات سے بھرپور استفادہ کرتے رہے۔ اس کے بعد امام ابو حنیفہؒ کی مجلسِ درس میں گئے تو پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ امام ابو یوسفؒ نے محمد بن ابی لیلیٰؒ کی مجلسِ درس کو چھوڑ کر امام اعظم ابو حنیفہؒ کی صحبت کیوں اختیار کی؟ اس بارہ میں اربابِ تذکرہ نے بہت کچھ لکھا ہے جس میں حقیقت کم اور افسانہ زیادہ ہے، اور بعض باتیں تو بالکل بے بنیاد معلوم ہوتی ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کیسے ہوئی! کتابوں میں اس کی تفصیل بہت کم ملتی ہے، البتہ متعدد روایات اور موثق حکایات اس پر شاہد ہیں کہ انہوں نے جو کچھ بھی حاصل کیا اس میں اُن کے ذاتی ذوق و شوق کے ساتھ ساتھ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی مالی امداد اور تکفل کو بھی دخل رہا ہے۔

(الف) امام ابو یوسفؒ کے پہلے استاذ محمد بن ابی لیلیٰؒ بڑے جیّد فاضل اور ممتاز تبع تابعین سے تھے۔ اموی اور عباسی دونوں دوروں میں برسوں قاضی رہ چکے تھے، ان کا علم اور تجربہ وسیع تھا، امام ابو یوسفؒ نے ان سے علمی اور عملی دونوں طرح فیض اٹھایا تھا، مگر اس زمانے میں کوئی بھی طالب علم اور وہ بھی فقہ کا! امام اعظم ابو حنیفہؒ کی مجلسِ درس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا تھا۔ خود ابن ابی لیلیٰؒ بہت سی خوبیوں، ذاتی کمالات اور علم و فضل اور علمی منزلت کے باوجود جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تو سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہؒ کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کرتے۔ اس سے خود امام ابو یوسفؒ کو بھی خیال پیدا ہوا کہ امام صاحبؒ کے درس میں بھی ضرور شریک ہونا چاہیئے، مگر استاذ کا احترام اور لحاظ اس میں مانع تھا، لہٰذا ابتداء میں وہ اس کی جراءت نہ کر سکے، بعد میں جب بعض وجوہات کی وجہ سے امام ابن ابی لیلیٰ کی مجلس چھوڑ دی تو امام اعظمؒ کی مجلس میں زانوئے تلمذ تہہ کرنے لگے۔

(ب) بعض حضرات نے نفسِ اختلاف کو ابن ابی لیلیٰ کی مجلس چھوڑ دینے کا سبب قرار دیا، مگر یہ بات اس لیے درست نہیں کہ خود امام ابو یوسفؒ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے متعدد امور اور مسائل میں اختلاف کیا۔ بہر حال یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کی وجہ سے

Marfat.com

وہ ان کی مجلس چھوڑ دیتے۔

(ج) جب قاضی ابو یوسفؒ امام ابو حنیفہؒ کی درسگاہ سے فارغ ہو کر مسندِ علم پر بیٹھے تو اپنے تلامذہ کے سامنے امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ کے اختلافی مسائل مساویانہ طور پر بیان کرتے، اگر اختلاف کسی کبیدہ خاطری کی وجہ سے آیا تھا جیسا کہ بعد میں بعض تذکرہ نویسوں نے اسے گھڑ لیا، تو اس کا تقاضا تھا کہ امام ابو یوسفؒ ہر مسئلہ پر ابن ابی لیلیٰؒ پر نکیر کرتے اور اگر ایسا موقع نہ تھا تو نام تک نہ لیتے۔

(د) امام محمدؒ نے استاد اور شاگرد کے درمیان تمام مختلف فیہ مسائل کو ایک کتاب "اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ" میں جمع کر دیا ہے جو حیدر آباد میں چھپ گئی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں دونوں کا کس قدر احترام تھا اور اسے آخر وقت تک کیسے باقی رکھا۔

(و) امام سرخسیؒ نے مبسوط کے آخر میں امام ابو یوسفؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ کے درمیان اسباب اختلاف کا ذکر کیا ہے اور اس کا ذکر کرتے ہوئے قیل کے لفظ سے اس کے ضعف کا اشارہ کر دیا ہے[1]

اور ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ امام زفرؒ سے بحث و مناظرہ کیا کرتے تھے، ان مناظرات سے انہوں نے محسوس کیا کہ امام ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ کی فقہ میں وجہ امتیاز کیا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کی مجلسِ درس میں شامل ہو گئے۔

ان واقعات اور تفصیلات میں پڑے بغیر جن لوگوں کے سامنے اس زمانے کے نظامِ تعلیم و تربیت کا نقشہ ہے وہ کبھی بھی اس قسم کی توجیہات اور افسانوں پر توجہ نہیں دیں گے۔ دراصل بات یہ ہے کہ یہ علومِ دینیہ کی جمع و تدوین کا ابتدائی زمانہ تھا جو ہزاروں اہلِ علم کے سینوں اور سفینوں میں منتشر تھے، اس لیے اس وقت کا یہ دستور تھا کہ طلبہ زیادہ سے زیادہ اہلِ علم اور اصحابِ درس کے پاس جا کر استفادہ کرتے تھے تاکہ ان

---

[1] مبسوط ج ۳ ص ۱۲۸

Marfat.com

منتشر اجزاء کو وہ بھی اپنے اپنے سینہ و سفینہ میں جمع کر سکیں۔ چنانچہ اُس دور کا کوئی بھی ممتاز اہلِ علم ایسا نہ ملے گا جس کے سینکڑوں کی تعداد میں شیوخ نہ رہے ہوں۔ علامہ زاہد الکوثریؒ نے خود امام ابو یوسفؒ کے ممتاز مشائخ و اساتذہ کی تعداد ۴۰ بتائی ہے۔ پھر یہ حالت تھی تو امام ابو یوسفؒ جیسے طباع اور ذہین طالب علم کب ایک استاذ پر قناعت کر سکتے تھے؟ انہوں نے بھی دستورِ زمانہ کے مطابق اکابر اہلِ علم کے پاس جا جا کر زانوئے تلمذ تہہ کیا ہوگا اور ازدیادِ علم کا ہی شوق انہیں ابن ابی لیلیٰؒ کی مجلس سے اٹھا کر درسگاہِ ابو حنیفہؒ میں لایا ہوگا۔

ذوقِ حدیث، قوتِ حافظہ اور استحضار

محمد بن جریر طبریؒ کا قول ہے کہ قاضی ابو یوسف بہت بڑے عالم، بہت بڑے حافظِ حدیث تھے، حفظِ حدیث میں تو ان کی شہرت کا ڈنکا بجا کرتا تھا، وہ بہت زیادہ حاضر دماغ اور جید الحافظہ محدثین سے تھے، ساٹھ ستر حدیثیں سنتے ہی یاد کر لیا کرتے تھے پھر کھڑے ہو کر لوگوں کو املا کرا دیتے تھے۔

حسن بن زیاد فرماتے ہیں کہ ہم امام ابو یوسفؒ کے ساتھ بارادہ حج روانہ ہوئے، راستہ میں ان کی طبیعت ناساز ہوگئی، چنانچہ ہم نے بئر میمون پر ڈیرا ڈال دیا جہاں ابو محمد سفیان بن عیینہؒ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو ابو یوسفؒ نے ہم سے کہا: "ابو محمد سفیانؒ سے حدیث سننا چاہیئے"، چنانچہ حضرت سفیانؒ نے چالیس احادیث اُسی وقت بیان کریں پھر جب سفیان اٹھ گئے تو قاضی ابو یوسفؒ نے ہم سے کہا: "اب وہ حدیثیں مجھ سے سُن لو جو سفیانؒ نے روایت کی تھیں"، چنانچہ انہوں نے چالیس کی چالیس احادیث اُسی وقت سُنا دیں۔ گو بیماری سے ابو یوسفؒ نڈھال ہو رہے تھے، عمر بھی کافی ہو چکی تھی، بڑھاپا تھا، عدالت کا بار بھی تھا، سیاسی مشاغل اور سفر کی پریشانیاں اس پر مستزاد لیکن بے پناہ حافظہ کا اس وقت بھی یہ عالم تھا[1]

بیماری اور شدید علالت کی حالت میں طلبِ علم اور ذوقِ حدیث اور حفظ و توجہ کا یہ

---

[1] الانتقاء لابن عبد البرؒ و اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ

Marfat.com

عالم تھا اور واقعہ بھی یہ ہے کہ ان کے حرصِ علم اور شوقِ علم کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کوئی دَر ایسا نہ تھا جہاں انہوں نے دستک نہ دی ہو، کوئی شیخِ وقت ایسا نہ تھا جس کے سامنے انہوں نے زانوئے تلمذ تہہ نہ کیا ہو، یہی چیز تھی جس نے انہیں امامِ وقت بنا دیا، یہی چیز تھی جس نے اُن کو علم کا بحرِ بیکراں بنا دیا۔

امام ابو یوسفؒ آثار کے گنجینہ تھے

اسد بن فراتؒ، امام مالکؒ کی خدمت میں رہ کر تحصیلِ علم حدیث کرتے رہے۔ امام مالکؒ کی درسگاہ میں دُور دراز سے طلبہ کثرت سے آتے تھے اور کسبِ فیض کر کے اپنی اپنی جھولیاں بھرتے تھے مگر اُن کی عظمت، ہیبت و دبدبہ اور جلال کی وجہ سے کسی بھی طالبِ علم کو سوال کرنے کی جراءت نہیں ہوتی تھی[۱] اسد بن فراتؒ دوسرے رُفقاء کی انگیخت پر جراءت کر لیا کرتے تھے اور امام مالکؒ بھی خلافِ معمول ان پر شفقت فرماتے تھے کہ وہ دُور دراز کا سفر کر کے آئے تھے، مگر یہ سلسلہ دیر تک نہ چل سکا۔ اسد بن فراتؒ اپنی حساس طبیعت کے پیشِ نظر کسی بھی ابہام یا اشکال پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے، بالآخر امام مالکؒ نے تنگ آکر انہیں عراق جانے اور اہلِ عراق سے استفادہ کا مشورہ دیا۔ اسد بن فراتؒ اس کے بعد عراق آئے، باقاعدہ استفادہ اور کسبِ فیض تو انہوں نے امام محمدؒ سے کیا جس کی جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں ان کے تذکرہ میں آرہی ہے۔ مگر عراق پہنچنے پر ان کی سب سے پہلی ملاقات امام ابو یوسفؒ سے ہوئی تو اُن کی خدمت میں اسدؒ نے موطا کا وہ نسخہ بھی پیش کر دیا جو خود انہوں نے اپنی مرویات کی بناء پر مرتب کیا تھا چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے بڑے اشتیاق اور ذوق سے مؤطا کا مطالعہ کیا جو اسد بن فراتؒ کی روایت پر مبنی تھا، یہ خبر جب امام محمدؒ کو پہنچی تو انہوں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

ابو یوسفؒ یکتفی بشم العلم یریدُ انہ لم یرحل مثلہ	امام ابو یوسفؒ کو کہیں ذرہ بھی علم کی خوشبو یا بھنک مل جائے تو اس پر اکتفاء کر لیتے ہیں

---

[۱] امام سفیان ثوریؒ نے امام مالکؒ کی عظمتِ جلال کا نقشہ اشعار میں بیان کیا ہے صلحہ پر ملاحظہ فرمالیجئے۔

Marfat.com

سماع الموطا بل اکتفیٰ بالتناول من یدین یطلب العلم عندہ لہ

مقصد یہ تھا کہ انہوں نے مؤطا کے سماع کیلئے باقاعدہ سفر نہیں کیا اور جب ایسا شخص سامنے آیا جو خود مدینہ میں امام مالکؒ سے سماع کر چکا ہے اور اس کے پاس وہیں کا اور اسی کا لکھا ہوا نسخہ بھی ہے) تو اس کے ہاتھ سے لیکر اپنا یہ اشتیاقِ حدیث اور جذبہ بھی پورا کر لیا۔

مگر اصل حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کو مدت سے فنِ حدیث سے شغف چلا آرہا تھا اور روایت آثار کے سلسلہ میں تو خزانہ اور گنجینہ کی حیثیت رکھتے تھے اور چونکہ مؤطا میں بھی اخبار کی بہ نسبت آثار زیادہ ہیں تو ان کے لیے یہ بات کافی تھی کہ جب مؤطا کے ایک نسخۂ صحیحہ کی انہیں اطلاع ملی تو وہ اسے نظر انداز نہ کر سکے اور محض اس کے مطالعاتی استفادہ پر اکتفاء کر لیا، جبکہ اس کے برعکس امام محمدؒ بذاتِ خود امام مالکؒ سے مؤطا کی سماعت کر چکے تھے اور یہ اُن کی نوعمری اور طالب علمی کا زمانہ تھا اور معرفتِ آثار بھی پورے طور پر ابھی انہیں حاصل نہیں ہوئی تھی لہٰذا۔

فشتان ما بین الحالتین۔

بے مثال حافظہ

امام ذہبیؒ نے امام ابو یوسفؒ کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔ ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ اُمت کے اُن تنو قوی الحفظ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا حافظہ ضرب المثل تھا۔

امام ابو یوسفؒ اپنے اساتذہ سے جب حدیث سُنتے تھے تو ایک ایک مجلس میں انہیں پچاس ساٹھ حدیثیں مع سند زبانی یاد ہو جاتی تھیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے حسن بن زیاد کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ ایک بار بیمار تھے، اسی حالت میں سفیان بن عیینہؒ نے انہیں چالیس حدیثیں سُنائیں، وہ سب

لہ بلوغ الامانی ص۱۴۰

Marfat.com

اُن کو اُسی وقت یاد ہوگئیں اور اُن کے جانے کے بعد اپنے رفقاء کو وہ تمام حدیثیں مع سند سنادیں، رفقاء کو اُن کی قوتِ حفظ پر سخت تعجب ہُوا۔

ابو معاویہؒ کی روایت ہے کہ میں اور امام ابو یوسفؒ دونوں اکٹھے سماعِ حدیث کے لیے جایا کرتے تھے، میں تو شیخ سے سُنی ہوئی تمام حدیثیں لکھ لیا کرتا تھا اور ابو یوسفؒ کو لکھے بغیر زبانی یاد ہو جایا کرتی تھیں۔

خلیفہ ہارون رشید بھی امام ابو یوسفؒ کا ہم سبق رہ چکا تھا۔ اُن سے ایک مرتبہ لوگوں نے امام ابو یوسفؒ کی شکایت کی تو اُس نے کہا میں ابو یوسفؒ کے علم و فضل کو بچپن سے جانتا ہوں، یہ درس میں حدیث نہیں لکھتے تھے مگر حافظہ ایسا قوی تھا کہ ان کو سب حدیثیں زبانی یاد ہو جایا کرتی تھیں اور درس کے بعد لکھنے والے ان کے حفظ سے اپنی مکتوبہ احادیث کی تصحیح کرتے تھے۔[1]

امام مالکؒ اور محمد بن اسحاقؒ سے ملاقات

امام ابو یوسفؒ امام مالکؒ کے ہمعصر تھے، دونوں درجۂ اجتہاد پر فائز تھے، دونوں میں بعض اجتہادی مسائل میں اختلاف بھی تھا۔ امام ابو یوسفؒ نے باوجود معاصرت کے بعض مسائل میں امام مالکؒ کی رائے کو ترجیح بھی دی، اور اس سلسلہ کی تفصیلات فقہ کی کتب میں مل جاتی ہیں ـــــ امام ابو یوسفؒ نے مؤطا کا سماع براہِ راست امام مالکؒ سے نہیں کیا تھا البتہ اُن کے جلیل القدر اور مشہور شاگرد اسد بن فراتؒ سے مؤطا پڑھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ امام محمدؒ گاہے گاہے کہا کرتے تھے کہ:۔

"امام ابو یوسفؒ نے علمِ حدیث کی صرف مہک پائی ہے۔"[2]

یعنی انہوں نے امام مالکؒ کی خدمت میں رہ کر باقاعدہ ان سے مؤطا کا سماع نہیں

---

[1] حسن التقاضی ص۱۵ اس کے علاوہ یہ تمام روایات موفق کردری، جواہر مضیئہ اور تاریخ بغداد وغیرہ میں موجود ہیں۔

[2] حسن التقاضی ص۲۰

Marfat.com

کیا تھا اور امام ابویوسفؒ کو یہ شرف حاصل نہیں تھا لہ

امام ابویوسفؒ کے زمانۂ طالب علمی میں ایک مرتبہ محمد بن اسحٰق صاحب المغازی کوفہ تشریف لائے تو ان کی علمی شہرت اور کشش امام ابویوسفؒ کو بھی ان کے حلقۂ درس میں کھینچ لائی اور کئی مہینہ تک ان سے کتاب المغازی کا سماع کیا، جب پوری کتاب ختم ہو گئی تب امام اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، امام صاحبؒ نے غیر حاضری کی وجہ دریافت کی تو کہا میں ابن اسحاقؒ سے ان کی کتاب المغازی کا سماع کر رہا تھا اس لیے حاضر خدمت نہ ہو سکا۔ امام اعظمؒ نے اس موقع پر محمد بن اسحٰق کے علم روایت پر عدم اطمینان کا اظہار کیا مگر امام ابویوسفؒ نے کمال ادب کے ساتھ اپنے شفیق اور مہربان استاذ کے سامنے صاحب مغازیؒ کے علم و فضل کا اعتراف کیا ٢ہ

لہ اس سے امام ابویوسفؒ کی شان میں نقص لازم نہیں آتا۔ ان کا علم حدیث و آثار اس قدر وسیع تھا کہ ان کو براہ راست سماع کی ضرورت ہی نہ تھی بلکہ اس کے لیے ان کا مطالعہ ہی کافی تھا اور امام محمدؒ کا مطالعہ علم حدیث چونکہ امام ابویوسفؒ کی خدمت میں رہ کر وسیع ہوا تھا اس لیے انہوں نے اس کی ضرورت محسوس کی ہو گی تاہم امام ابویوسفؒ نے جو عظیم علمی یادگاریں چھوڑی ہیں اُن کے دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ ان کو علم حدیث میں درک نہیں تھا۔

٢ہ ابن خلکانؒ وغیرہ نے اس موقع پر یہ اضافہ کیا ہے کہ امام ابویوسفؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے جواب میں بے دھڑک کہا کہ "آپ بھی تو علم کے مدعی ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ غزوۂ بدر پہلے ہوا تھا یا غزوۂ احد"، مگر یہ روایت کسی طرح بھی صحیح نہیں قرار دی جا سکتی۔ امام اعظمؒ ابوحنیفہ کی مجلسِ درس امام ابویوسفؒ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پُرکشش تھی جہاں انہوں نے زندگی کا سب سے زیادہ قیمتی اور طویل حصہ گذارا جس کی عظمت کے سامنے امام ابویوسفؒ کی نگاہیں جھک جاتی تھیں، جس نے تا زیست ان سے عہدِ وفا کا پیمان باندھ رکھا تھا، آخر ان کے سامنے امام ابویوسفؒ یہ جسارت کیسے کر سکتے تھے۔ امام اعظمؒ نے سیر اور مغازی کی تحصیل اور تکمیل امام شعبیؒ سے کی تھی جو اپنے زمانے میں سیر اور مغازی کے امام سمجھے جاتے تھے، جن کی وسعتِ علم اور تبحر میں کسی کو کلام نہیں ہے، پھر امام محمدؒ کی کتابُ السیر الصغیر" کا

(باقی حاشیہ ص۵۰ پر)

Marfat.com

امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی ملاقات

بعض تذکرہ نگاروں نے زیبِ داستان کے لیے امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی دو ملاقاتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ پہلی ملاقات مدینہ منورہ میں ہوئی اور دوسری بغداد میں۔ بعض نے یہاں تک لکھ دیا کہ ملاقات کے وقت ہارون رشید بھی موجود تھے، بعض مسائل میں مناظرہ بھی ہوا تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ان سے مناظرہ میں پیش نہ پا سکے تو خلیفہ ہارون رشید کو امام شافعیؒ کے قتل پر آمادہ کر دیا۔

اس قسم کی روایات کے خلاف اگر تاریخی ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی یہ قابلِ اعتناد نہ تھیں کہ نفس واقعہ کے پیشِ نظر یہ روایت عقل و بصیرت کے سراسر خلاف ہے۔ یہ درحقیقت اُن رواۃ کا اختراع ہے جو شافعیت اور حنفیت کے اختلاف کو ہوا دے کر اپنا کوئی ذاتی فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔[1]

اس کی تردید میں اجمالاً عقلی اور نقلی دلائل پیشِ خدمت ہیں تاکہ افسانہ نگار اسے بھی حیرت انگیز واقعہ قرار دے کر قصّہ پر قصّہ نہ گھڑتے رہیں۔

(الف) یہ ملاقات کا افسانہ اس لیے درست نہیں کہ امام شافعیؒ عراق میں پہلی بار ۱۸۴ھ میں گئے جبکہ امام ابو یوسفؒ دو سال قبل ۱۸۲ھ میں وفات پا چکے تھے۔

(ب) پھر امام شافعیؒ کا عراق جانا امامِ فن کی حیثیت سے نہ تھا بلکہ طالب علمانہ تھا اور امام محمدؒ کی خدمت میں ایک معمولی طالب علم کی حیثیت سے حاضرِ خدمت ہوتے تھے۔ اب اگر بالفرض امام ابو یوسفؒ زندہ بھی ہوتے تو مناظرہ کرنا اور ان کو ساکت کر دینا کس طرح

(بقیہ حاشیہ ص۴۹ سے) جس نے مطالعہ کیا ہو جسے امام ابو حنیفہؒ نے املاء کرایا تھا، وہ کبھی بھی اس وہم میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ خدانخواستہ سیر اور مغازی سے ناواقف تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ امام صاحبؒ نے قرآن و حدیث اور فقہ کو اپنا خاص فن بنا لیا تھا اور اسی میں انہیں کمال حاصل ہوا۔

[1] اور تعجب تو اس پر ہے کہ اس روایت کو امام الحرمین امام رازیؒ اور امام نوویؒ جیسے محتاط بزرگوں نے اپنی کتابوں میں کیسے نقل کر دیا۔

Marfat.com

سمجھ میں آسکتا ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ کے بھی استاد تھے۔ حافظ ابن حجر الشافعیؒ نے امام شافعیؒ کی سوانح عمری توالی التاسیس میں اس واقعہ کی زبردست تردید کی ہے۔[1] حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اسے کذب و افتراء قرار دیا ہے۔[2]

باقی رہی مدینہ منورہ میں ملاقات، تو اس میں یہ آیا ہے کہ دونوں کی امام مالکؒ کی موجودگی میں ملاقات ہوئی تھی۔ صاع، وقف اور اقامت کے بارے میں مباحثہ بھی ہوا تھا اور امام ابو یوسفؒ نے امام شافعیؒ کے مسلک کی طرف رجوع بھی کیا تھا۔[3]

امام مالکؒ ۱۷۹ھ میں وفات پا چکے تھے، امام شافعیؒ ۱۸۴ھ تک طالب علم تھے اور تذکرہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام شافعیؒ جب امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بہت کمسن تھے، تو آخر یہ کس طرح قرینِ قیاس سمجھا جا سکتا ہے کہ انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے مناظرہ کیا اور وہ امام شافعیؒ کے مسلک کو رجوع ہوئے، جب کہ کئی برس بعد بھی جب وہ امام محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو طالب علم ہی تھے۔

درایتاً قدرے تامل سے حقیقت بے غبار ہو کر سامنے آجاتی ہے مثلاً:۔
امام شافعیؒ کے دورِ ابتلاء کے ختم کرنے میں امام ابو یوسفؒ کا حصہ، اسی واقعہ کے بعد امام شافعیؒ کا ان کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیلِ علم کرنا، امام شافعیؒ نے ان سے جو روایات حاصل کیں وہ ایک بارِ شتر کے برابر تھیں۔ امام شافعیؒ کا یہ دور دراصل عہدِ اخذ و تلقی تھا، وہ ابھی مرتبہ امامت و قدوت پر نہیں پہنچے تھے۔ لہٰذا اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان سے کوئی حسد کرتا اور ان کی عظمت سے جل سکتا۔ ہر موقع پر امام شافعیؒ کا امام ابو یوسفؒ کے علم و فضل کا اعتراف کرنا،

البتہ محض ملاقات کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا اگرچہ امام بخاریؒ نے امکانِ ملاقات کو بھی رد کر دیا ہے ——— اور یہ جو بات سے بتنگڑ بن گئی پھر افسانہ پھیلا دیا گیا اور خدا جانے اور کتنا پھیلایا جاتا رہے گا، اس کی بھی شاید وجہ ہو اور وہ یہ کہ امام شافعیؒ کے

---

[1] توالی التاسیس ص۷[2] البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۰ ص۱۸۴ [3] مغیث الحق ص۱۸

Marfat.com

ایک استاذ یوسف بن خالدؒ بھی ہیں، ممکن ہے کہ بعض رواۃ نے غلط فہمی سے یوسفؒ کے بجائے ابو یوسفؒ کا نام روایت کر دیا ہو، پھر وہی زبان زد ہو گیا ہو اور پھر اسی بنیاد پر قصوں کے ردّے چڑھتے گئے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب

اپنے استاد سے تعلق اور صحبت و خدمت

امام ابو یوسفؒ کو اپنے استاذ امام ابو حنیفہؒ سے تلمذ اور شرفِ شاگردی حاصل کرنے پر فخر و ناز تھا، وہ ہمیشہ اپنے استاذ کا ذکر شاندار الفاظ کے ساتھ کرتے تھے، بلکہ اُن کے علوم کی نشر و تشریح ان کی زندگی کا مقصد تھا اور ان کے علم و کمال کی طرف لوگوں کو دعوت دیا کرتے تھے۔ بلکہ ایک روایت میں ہے کہ ہر نماز کے بعد پہلے امام ابو حنیفہؒ کے لیے دُعائے مغفرت کرتے تھے پھر اپنے والدین کے لیے۔

علامہ صیمریؒ نے نقل کیا ہے کہ میرے سامنے ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے نماز پڑھی ہو اور اپنے اُستاذ امام ابو حنیفہؒ کے لیے دُعا نہ کی ہو ـــــ شاید اسی سعادتمندی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُن کے علم و تفقہ میں اس قدر برکت عطا فرمائی تھی۔

ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: "میں ابو حنیفہؒ کی خدمت میں ۲۹ سال[۱] تک حاضر باش رہا اس طرح کہ ہمیشہ فجر کی نماز اُنہی کے ساتھ پڑھی۔"

اور ایک روایت میں ان سے منقول ہے کہ "نہ میں صبح کے وقت ان کا دامن چھوڑتا تھا نہ دوپہر کو بجز اس صورت کے کہ بیماری مجھ پر غالب آجائے۔"[۲]

ابو یوسفؒ جو اپنی ذکاوت، ذہانت، بصیرت، فراست اور قوتِ حافظہ کے اعتبار

۱؎ بعض روایات میں ۱۷ سال منقول ہے، دراصل ۲۹ سال کے تسلسل میں انقطاع کے چند مختصر وقفے بھی شامل ہیں اُن کو نکال دیا جائے تو بغیر کسی انقطاع کے تواتر اور تسلسل کے ملازمت و معیتِ شیخ کی مدت ۱۷ سال بنتی ہے جن میں قاضی ابو یوسفؒ اپنے استاذِ جلیل کے دامنِ علم سے وابستہ رہے۔

۲؎ حدائق الحنفیہ تذکرہ امام ابو یوسفؒ۔

Marfat.com

سے اپنی مثال آپ تھے۔ اتنی طویل مدت میں اپنے استاذ کے مواہب و کمالات کا عکسِ جمیل بن گئے، انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کا سارا علم اپنے ذہن اور دماغ میں جذب کر لیا اور مرتبۂ اجتہاد پر فائز ہو گئے۔

علمِ دین سے شغف

امام ابو یوسفؒ نہایت ہی غریب اور عسیر الحال باپ کے فرزند تھے مگر طبعاً ان کو علمِ دین سے اتنا شغف اور ذوق ہو گیا تھا کہ معاش کی تنگی اور عسرت کی زندگی ان کی تحصیلِ علم کی راہ میں مانع نہ ہو سکی۔

یوسف بن سعیدؒ کا بیان ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے ایک مدت تک امام اعظم ابو حنیفہؒ کی خدمت میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا مگر اس طویل مدت میں ایک دن بھی ایسا نہیں گذرا جس میں وہ فجر کی نماز میں ان کے ساتھ شریک نہ رہے ہوں۔

خود امام ابو یوسفؒ راوی ہیں کہ میں برسوں امام صاحبؒ کی رفاقت میں رہا مگر بجز بیماری کے عید الفطر اور عید الاضحٰی کے دن بھی ان سے جدا نہیں ہوا۔[1]

غور کیجیے کہ ان دو دنوں کی خوشی و مسرت میں ہر شخص اپنے گھر والوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن انہوں نے مجلسِ علم کی شرکت اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کی معیت و رفاقت کو عیدین کی خوشی اور مسرت پر بھی ترجیح دی۔

اپنے اساتذہ علم سے عقیدت اور وارفتگی

ابن ابی لیلیٰؒ کے تلمذ اور امام اعظمؒ جیسے فقیہ و مجتہد کی خدمت نسبت تلمذ، استفادہ اور ان کی خدمت و رفاقت میں رہنے کے بعد کسی دوسرے صاحبِ کمال کے سامنے ان کو زانوئے تلمذ تہہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی مگر اس کے باوجود مشائخ تو ایسے ہیں جن سے اس زمانہ کے دستور کے مطابق امام ابو یوسفؒ نے استفادہ کیا ہے مگر اس سب کچھ کے باوجود اُن کے دلی کیفیات اور قلبی بندھنیں امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بندھی رہیں، کہا کرتے کہ،

---

[1] حسن التقاضی

Marfat.com

ما كان فى الدنيا مجلس احب الى من مجلس ابى حنيفه فانى ما رايت فقيها افقه من ابى حنيفه ولا قاضيا خيرا من ابن ابى ليلى [1]

مجھے دنیا میں کوئی مجلسِ درس امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ کی مجلسِ درس سے زیادہ محبوب نہیں ہے، اس لیے کہ نہ تو میں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ جیسا بہتر فقیہ دیکھا اور نہ ابن ابی لیلیٰؒ جیسا قاضی۔

امام ابوحنیفہؒ کی ایک صحبت کے بدلے دس لاکھ روپیہ ہیچ ہے

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے انتقال کے بعد امام ابویوسفؒ بعض اوقات بڑی حسرت سے فرمایا کرتے تھے کہ :

"کاش ! امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ایک علمی صحبت مجھے پھر مل جاتی اور میں اُن سے اپنا علمی اشکال حل کر لیتا خواہ مجھے اس ایک علمی مجلس پر اپنی آدھی دولت قربان کرنی پڑتی" لکھا ہے کہ اس وقت امام ابویوسفؒ بیس لاکھ روپے کے مالک تھے، گویا دس لاکھ روپے صرف کر کے ایک مجلس کی تمنا کرتے تھے۔ درحقیقت علمِ دین اور ذوقِ طلب ہو اور صحیح علم، پھر تو اس کی قدر و قیمت ایسی ہی ہوتی ہے :

من لم يذق لم يدر [2]

جس نے اس کی لذت نہ چکھی ہو وہ اس حقیقت کو کیا جانے۔

امام ابوحنیفہؒ نے جو چاہا امام ابویوسفؒ نے وہی کر دکھایا

امام ابوحنیفہؒ کو اپنے ہر شاگرد سے گہرا اور قلبی تعلق تھا خاص طور پر امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام ابویوسفؒ کو وہ بہت ہی عزیز رکھتے تھے۔ اور ان تینوں میں سب سے زیادہ امام ابویوسفؒ انہیں عزیز تھے۔ اس دُنیا سے رختِ سفر باندھنے سے پہلے انہوں نے امام ابویوسفؒ کے نام ایک وصیت نامہ لکھا، شاید اس لیے کہ ان کی "فراستِ مومنانہ" نے بھانپ لیا تھا کہ ابویوسفؒ صرف مسندِ [illegible] سکتے

---

[1] مناقب کردری [illegible] امام ابویوسفؒ [2] [illegible]

ان کی بے پناہ علمی اور عملی صلاحیتیں ایک روز انہیں مرتبۂ قضا پر فائز کریں گی اور اس میں کوئی شبہ نہیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہ خیال بالآخر صحیح ثابت ہوا۔ انہوں نے امام ابویوسفؒ کے نام جو وصیت نامہ لکھا ہے وہ ایسی دستاویز ہے جو تا قیام قیامت اپنی افادیت کے اعتبار سے یادگار اور لازوال رہے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کے اس وصیت نامہ سے یہ بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان کے دل میں امام ابویوسفؒ کی محبت کس قدر جاگزیں تھی، وہ انہیں کسی مرتبہ پر فائز دیکھنا چاہتے تھے، ان کے علم و فضل اور اخلاق و کردار میں کیسی پختگی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے معیار کو امام ابویوسفؒ نے عمل میں لاکر نہیں دکھایا ــــ ابوحنیفہؒ نے جو چاہا ــــ ابویوسفؒ وہی بنے۔

مناسب تو یہی تھا کہ اس وصیت نامہ کو حرفاً حرفاً اس کتاب میں درج کردیا جاتا مگر اس سے قبل "دفاع امام ابوحنیفہؒ صـ ۱۸۱" میں ہم نے اسے مکمل نقل کردیا ہے، یہاں دوبارہ اس کا اندراج شاید قارئین کے لیے شاق ہو اور کتاب کی ضخامت بھی بڑھ جائے لہٰذا شائقین حضرات اسے تفصیل سے "دفاع امام ابوحنیفہؒ" میں ملاحظ فرمالیں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مجلس شوریٰ اور امام ابویوسفؒ کی ذمہ داری تدوین مسائل

امام موفق مکیؒ لکھتے ہیں کہ: امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنی مجلس فقہی کو ایک طرح کی مجلس شوریٰ بنا لیا تھا جہاں ہر شخص آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کرتا تھا، وہ اپنی رائے کو تھوپنے اور منوانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتے تھے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ وہ ایک ایک مسئلہ لے کر اس پر بحث و گفتگو کرتے اور اپنے اصحاب کو بحث اور گفتگو کا موقع دیتے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ صرف ایک مسئلہ پر پورا مہینہ (بلکہ کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ) بحث و مناظرہ میں گذر جاتا۔ یہاں تک کہ کامل بحث و مناظرہ، مباحثہ اور تنقیح و تمحیص کے بعد کوئی ایک قول قبول کرلیا جاتا، پھر امام ابویوسفؒ اسے مرتب اور مدوّن کرلیتے اور وہ داخل اصول ہوجاتا۔ اور سچ پوچھئے تو یہی اَولیٰ و اصوب طریق کار تھا حق سے قریب اور تسکین قلب کا سبب۔ آپس میں بحث و مباحثہ کے بعد کسی شخص کو بھی اپنی رائے کے واپس لے لینے میں اور متفقہ قول کو

Marfat.com

قبول کر لینے میں تامل یا تردد نہ ہوتا۔

اپنے اصحاب اور تلامذہ کی تفقیہ و تدریس کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہ رحؒ کا طریق کار یہ تھا کہ کوئی مسئلہ جب زیرِ غور آتا تو اس کے تمام احتمالی پہلوؤں پر غور بھی کیا جاتا اور تائید میں جو کچھ کہا جا سکتا وہ کہتے، اس کے بعد اپنے اصحاب سے دریافت کرتے۔ کیا آپ میں کوئی اس کے برخلاف کچھ کہنا چاہتا ہے؟ اس سوال کے بعد ہر شخص اُن کی مجلسِ فقہی میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتا۔ امام اعظمؓ اس نئی رائے کے مختلف پہلوؤں پر نکتہ چینی کرتے اور ایک دوسری رائے قائم کر کے پوچھتے اب آپ کی کیا رائے ہے؟ لوگ پھر آپس میں بحث و اختلاف کرتے اور جب کسی ایک رائے پر قریب قریب متفق ہو جاتے تو امام صاحبؒ پھر ان دلائل کا توڑ کرتے اور ایک تیسری رائے پیش کرتے اور سوال کرتے اب کیا رائے ہے آپ کی؟ لوگ پھر اس پر نقد و تبصرہ کا سلسلہ شروع کر دیتے پھر امام صاحبؒ معائنہ کر کے کسی ایک رائے کو ترجیح دے دیتے۔ اس طرح بار بار کے ردوکد کے بعد مسئلہ منقح ہو جاتا اور اس پر اتفاق کر لیا جاتا جسے امام ابو یوسفؒ مرتب اور مدون کر کے اصل میں لکھ لیتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہ طرزِ تفقیہ دوسرے تمام ائمہ مجتہدین کے طرز و اسلوب کے مقابلہ میں ایک امتیاز خاص کا حامل ہے۔[1]

امام ابو حنیفہؒ کے وصایا اور امام ابو یوسفؒ کا صحیفۂ زندگی

امام ابو حنیفہؒ کی وہ مشہور وصایا اور نصائح جس میں انہوں نے اہل سنت والجماعت کے تمام عقائد تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں اس سے اہلِ علم تو عام طور پر واقف ہیں مگر اس کے علاوہ ایک اور وصیت بھی ہے جو انہوں نے خاص طور پر امام ابو یوسفؒ کو لکھ کر دی تھی جس میں اخلاق و معاملات اور سیاست سے متعلق بہت سی قیمتی ہدایتیں اور زریں اقوال ہیں، جن کا خلاصہ ذیلی عنوانات کے ساتھ احقر نے اس سے قبل اپنی تالیف "امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات" میں اجمالاً اور

---

[1] حسن التقاضی ص ۱۳

Marfat.com

"دفاع امام ابوحنیفہ ص۱۸۱" پر تفصیل سے درج کر دیا ہے، دونوں کا مضمون ایک دوسرے سے جدا جدا ہے۔

بہر حال اس تمہید کے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی وصایا اور نصائح کو سامنے رکھ کر امام ابویوسفؒ کے صحیفۂ زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنے مربی، شیخ اور اپنے مہربان استاد کی اس نصیحت کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ گویا یہ وصایا اور نصائح امام ابوحنیفہؒ نے اپنے مخصوص تلامذہ کے نام لکھے تھے، مگر اس میں ہر شخص کی زندگی کے لیے بہترین مشورے اور نہایت قیمتی ہدایتیں موجود ہیں۔ عام افراد سے قطع نظر جب استفادہ کرنے والے ابویوسفؒ ہوں تو وہ کیوں نہ اس کا عملی پیکر بن کر دنیا کے سامنے اپنے استاذ کے نصائح اور وصایا کا حقیقی اور عملی نمونہ پیش کریں۔

تم انگور ہونے سے پہلے منقیٰ بن گئے

امام ابویوسفؒ نے ائمہ روزگار، شیوخِ زمانہ اور خود امام اعظم ابوحنیفہؒ سے استفادہ اور حصولِ تعلیم کے بعد اپنی علیحدہ درسگاہ قائم کر لی مگر اس سلسلہ میں نہ تو اپنے محسن و مربی امام اعظم ابوحنیفہؒ سے مشورہ کیا اور نہ انہیں اطلاع دی۔ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے کسی شاگرد کے ذریعہ اُن سے چند مسائل دریافت کرائے لے مگر انہیں جواب سے اطمینان نہ ہوا

لے جس کا کچھ حصہ ہم نے "امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات" میں درج کر دیا ہے اور ذیل میں علامہ زاہد الکوثریؒ کی حسن التقاضی سے پورے استیعاب کے ساتھ واقعہ نقل کر دیا جاتا ہے:۔

علامہ کوثریؒ نے اپنے رسالہ حسن التقاضی ص۵ میں لکھا ہے کہ زین بن نجیم اپنی کتاب (الاشباہ والنظائر) میں لکھتے ہیں:۔۔۔۔ ابھی ابویوسفؒ امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں شریک نہیں ہوئے تھے کہ ایک مرتبہ امام ابوحنیفہؒ نے ان کے پاس ایک آدمی بھیجا، اس نے ان سے پانچ سوالات کیے (۱) دھوبی نے کپڑے پھاڑ ڈالے اور جو پارچہ جات لایا وہ پھٹے ہوئے تھے، آیا اُسے اُجرت دی جائے گی یا نہیں؟۔۔۔۔ ابویوسفؒ نے جواب دیا نہیں دی جائے گی۔۔۔۔ ابوحنیفہؒ کے بھیجے ہوئے شخص نے کہا تم نے غلط کہا۔۔۔۔

(باقی حاشیہ ص۵۸ پر)

Marfat.com

اور فوراً تردید کردی۔ اس صورت واقعہ کے پیشِ نظر خود امام ابو یوسفؒ کو احساس ہوا کہ انہوں نے قبل از وقت حلقۂ درس قائم کر دیا ہے، چنانچہ وہ خود امام اعظم ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تقصیر کا اعتراف کیا ـــــ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے انہیں نصیحت

(بقیہ حاشیہ ص۵۷ سے) ابو یوسفؒ نے جواب دیا: اچھا اسے اجرت دے دی جائے گی ـــــ وہ آدمی جسے ابو حنیفہؒ نے بھیجا تھا گویا ہوا: یہ بھی غلط ـــــ پھر اس نے بتایا: اگر کپڑے پھٹنے سے پہلے باقاعدہ اس پیشہ کو وہ کرتا تھا تو اجرت دی جائے گی ورنہ نہیں! (۲) دوسرا سوال اس نے یہ کیا کہ: آیا نماز میں دخول فرض ہے یا سنت؟ ـــــ ابو یوسفؒ نے کہا: فرض ہے ـــــ وہ کہنے لگا: یہ غلط ہے ـــــ ابو یوسفؒ نے کہا: تو پھر سنت ہے ـــــ وہ بولا: یہ بھی غلط ـــــ ابو یوسفؒ حیرت سے اسے دیکھنے لگے ـــــ اُس نے کہا: دونوں چیزیں (فرض و سنت) بیک وقت ہیں، کیونکہ تکبیر فرض ہے اور رفع یدین سنت ہے۔ (۳) ابو حنیفہؒ کے بھیجے ہوئے آدمی نے سوال کیا: ہانڈی چولہے پر چڑھی ہوئی ہے، ایک چڑیا اڑتی ہوئی گذری اور کھولتی ہوئی ہانڈی میں گر گئی، اب اُس ہانڈی کا گوشت اور شوربہ قابلِ استعمال ہے یا نہیں؟ ـــــ ابو یوسفؒ نے کہا: کیوں نہیں! استعمال کیا جائے گا ـــــ وہ شخص گویا ہوا: تم غلط کہتے ہو ـــــ ابو یوسفؒ نے کہا: اچھا نہیں استعمال کیا جائے گا ـــــ وہ شخص بولا: یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے ـــــ پھر اُس نے بتایا: اگر سقوطِ طیر (پرندہ) سے پہلے ہانڈی کا گوشت پک چکا تھا تو اسے تین مرتبہ دھو ڈالا جائے گا اور کھالیا جائے گا اور شوربہ پھینک دیا جائے گا ـــــ

(۴) چوتھا سوال اس شخص نے ابو یوسفؒ سے یہ کیا کہ، ایک مسلمان کی بیوی ذمّی ہے، وہ اس حالت میں مر گئی کہ حاملہ تھی، اب اسے کس کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا؟ ـــــ ابو یوسفؒ نے کہا: مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کی جائے گی وہ عورت ـــــ اُس شخص نے کہا: غلط کہتے ہو ـــــ ابو یوسفؒ نے کہا: اچھا اہلِ ذمّہ کے قبرستان میں اسے دفن کیا جائے گا ـــــ وہ بولا: یہ جواب بھی غلط ہے ـــــ ابو یوسفؒ حیرت سے اسے دیکھنے لگے ـــــ پھر اس شخص نے کہا: وہ عورت مقابرِ اہلِ یہود میں دفن کی جائے گی لیکن اُس کا رُخ قبلہ کی طرف سے پھیر دیا جائے گا یہاں تک کہ پیٹ میں جو بچہ ہے اُس کا رُخ قبلہ کی طرف ہو جائے، کیونکہ پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے اس کا منہ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے (۵) پھر اُسی شخص

(باقی ص ۵۹)

Marfat.com

کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

تزبیت قبل ان تحصرم۔ [1] | تم انگور ہونے سے پہلے منقیٰ بن گئے۔

مقصد یہ تھا کہ پختہ کار ہونے سے پہلے درس و تدریس کا کام شروع کر دیا جو ہرگز زیبا نہیں۔
علی العموم تاریخ میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ لوگ جلد ہی اپنے کو استفادہ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸ سے) نے ابو یوسفؒ سے پوچھا: ایک شخص کی ام ولد (باندی) نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر ایک شخص سے شادی کر لی، اسی اثناء میں اس کے آقا کا انتقال ہو گیا۔ تو کیا اُس پر آقا کی عدت واجب ہے؟ ــــ ابو یوسفؒ نے کہا: واجب کیسے نہیں ہے ــــ وہ شخص کہنے لگا: تم غلط کہتے ہو ــــ ابو یوسفؒ نے کہا: اچھا واجب نہیں ہے ــــ وہ گویا ہوا: یہ بھی غلط ــــ پھر اس نے بتایا: اگر ام ولد کا شوہر اس سے جماع کر چکا ہے تو عدت واجب نہیں ہوگی، اور اگر نہیں کیا ہے تو واجب ہو جائے گی ــــ

اس سوال جواب کے بعد ابو یوسفؒ نے اندازہ کیا کہ وہ اب تک کتنے غلط راستوں پر بھٹکتے رہے ہیں چنانچہ وہ پھر امام ابو حنیفہؒ کی بارگاہ فیض میں پہنچ گئے ــــ اس واقعہ سے ایک اور حقیقت بھی نظر کے سامنے آجاتی ہے، وہ یہ کہ اُسی زمانہ میں (جو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا زمانہ تھا) شاگرد اور اُستاذ کے درمیان کس طرح کے روابط ہوا کرتے تھے، اُستاذ کس طرح شاگرد کو راہِ صواب پر گامزن کرتا تھا، اور شاگرد کس طرح اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد اُستاذ کے آستانے پر آموجود ہوا کرتا تھا؟ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی چیز تھی جس نے علم کی نشر و اشاعت میں غیر معمولی مدد دی تھی۔ اگر یہ جذبہ کار فرما نہ ہوتا تو شاید اس وسیع پیمانہ پر علم نہ پھیل سکتا، نہ شاید اس کثرت کے ساتھ ایک ایک اُستاذ کے حلقہ سے ایسے شاگرد فارغ التحصیل ہو کر نہ نکلتے جو آگے چل کر بلکہ خود اُستاذ کی زندگی میں مرتبۂ اجتہاد و امامت پر فائز ہو جاتے۔

کل اور آج کا یہ فرق ہے اور اس فرق کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ نگاہِ غور سے دیکھا جائے تو یہ بہت بڑا غیر معمولی اور بے حد اہم فرق ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ اپنی شخصیت کے عجیب و غریب خصائص کے حامل تھے، اُنکی ساری زندگی علمِ نافع کا نہایت مکمل نمونہ ہے۔

[1] حسن التقاضی صفحہ ۵۸

Marfat.com

تحصیل سے مستغنی سمجھنے لگتے ہیں اور درس و افادہ کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ اس قسم کا واقعہ خود امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا کہ انہوں نے فطری ذہانت اور جودتِ طبع کی بناء پر اپنے استاذ حماد بن سلیمان سے اپنے کو بے نیاز سمجھ لیا تھا، مگر فوراً ہی ان کو اس پر تنبہ ہو گیا اور پھر آخر عمر تک ان کا دامنِ فیض نہیں چھوڑا [1]

افادہ اور استفادہ کا سلسلہ ابھی اور کچھ دن بھی قائم رہے

اس سلسلہ کی ایک روایت یوں بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ بیمار ہوئے امام اعظم ابو حنیفہؒ اپنے لائق اور ہونہار شاگرد کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، بیمار پرسی کے بعد امام اعظمؒ نے ارشاد فرمایا:۔

"مجھ کو تم سے بڑی توقعات ہیں اور تم مسلمانوں کے لیے بڑے مفید ثابت ہو سکتے ہو، اور اپنے بعد میں تم ہی کو چھوڑ کر جاؤں گا"[2]

جب امام ابو یوسفؒ کو بیماری سے افاقہ ہوا تو انہیں اپنا علیحدہ حلقۂ درس قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا اور پھر عملاً ایسا کر بھی دیا تاہم اپنے شیخ سے سلسلۂ آمد و رفت بدستور جاری رہا۔ ایک مرتبہ جب آئے تو امام اعظم ابو حنیفہؒ نے کوئی دقیق مسئلہ ان سے دریافت کیا، امام ابو یوسفؒ تسلی بخش جواب نہ دے سکے تو امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا:۔

"سبحان اللہ! ایک شخص جو اپنا الگ حلقہ قائم کرتا ہے، خدا کے دین پر گفتگو کرتا ہے، تلامذہ

---

[1] اس واقعہ کو تفصیلاً "امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات" [۵۲] میں درج کر دیا گیا ہے، مقصد یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حالات و سوانح کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ عہدِ شباب میں وہ بھی اس دور سے گذرے ہیں۔ ان کے استاذِ جلیل حماد بن ابی سلیمان کے درمیان ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ گویا بالکل انقطاع ہو گیا، لیکن یہ کیفیت ہمیشہ نہیں رہی ایک دن ایسا آیا کہ امام ابو حنیفہؒ اپنے شیخ اور استاذ کی بارگاہ میں پھر پہنچے اور اس وقت تک انکے دامنِ علم سے وابستہ رہے جب تک کہ ان کی وفات نہیں ہوئی، اور پھر عمر اور علم کی پختگی کے ساتھ ساتھ فہم و خرد اور دانش و بینش کا مادہ بڑھتا گیا بعد میں پھر کوئی ایسی صورت پیدا نہیں ہوئی جو بدمزگی یا تلخی کا سبب بن سکتی، ایسا ہی معاملہ ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے مابین بھی گذرا۔ [2] مناقب کردریؒ۔

Marfat.com

کی ایک بڑی تعداد کو خطاب کرتا اور درس دیتا ہے اور وہ اجارہ کا ایک مسئلہ اچھی طرح نہیں جانتا۔"
پھر امام اعظم ابو حنیفہؒ نے بطور نصیحت ارشاد فرمایا:۔

من ظن انہ یستغنی عن التعلیم لیبک علی نفسہ [1]	جو شخص یہ گمان کر لیتا ہے کہ وہ حصول تعلیم سے مستغنی ہو گیا ہے تو اس کو اپنے اوپر جی بھر کر رونا چاہیئے۔

چونکہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کو امام ابو یوسفؒ سے خاص تعلق تھا اور جس بڑے کام کے لیے وہ انہیں تیار کر رہے تھے اُس کے لائق وہ ابھی نہیں ہوئے تھے، اس لیے امام اعظمؒ چاہتے تھے کہ افادہ اور استفادہ کا سلسلہ باہم ابھی کچھ دنوں اور بھی قائم رہے تاکہ وہ پوری طرح اس کام کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل ہو جائیں، مسائل کی پیچیدہ صورتوں اور دقتِ فقہ ان کے سامنے آجاتے پر انہیں اپنے قصور علم اور نارسائی ذہن کا احساس نہ ہو اور اس طرح مستقبل میں ان کی برابر ہمت افزائی ہو اور وہ خود میں اعتماد اور ثقاہت پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہیں۔

علمی ریاست اور عملی سیادت امام ابو یوسفؒ کا حصہ ہے

حضرت حماد بن ابی حنیفہؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام زفرؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان کسی مسئلہ میں مباحثہ ہو گیا۔ اس مجلس میں خود امام اعظم ابو حنیفہؒ بھی تشریف فرما تھے۔ جب کئی گھنٹے گذر گئے اور بحث جاری رہی اور کسی قطعی نتیجہ پر نہ پہنچا جا سکا تو امام اعظمؒ نے امام زفرؒ سے فرمایا:۔

"علمی ریاست اور عملی سیادت ابو یوسفؒ کا حصہ ہے تم اس کو لینے کی کوشش نہ کرو۔"[2]

حلقۂ درس وافادہ

امام ابو یوسفؒ کے باقاعدہ حلقۂ درس وافادہ کا ذکر تذکرہ نویسوں نے نہیں کیا ہے، تاہم امام ابو یوسفؒ کے تلامذہ اور مستفیدین کی

---

[1] حسن التقاضی ص۵۸ ومناقب کردری تذکرہ امام ابو یوسفؒ [2] مناقب کردری تذکرہ امام ابی یوسف ص۳۹۶

Marfat.com

عظمت، رفعتِ شان اور کثرتِ تعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ تشنگانِ علم ان کے چشمۂ فیض وعلم سے سیراب ضرور ہوتے رہتے تھے، گو کہ اس کے لیے انہوں نے اس دور کے مروجہ طریقوں کے مطابق کوئی درس گاہ قائم نہیں کی تھی، ان کے افادہ اور تدریسی خدمات کا سلسلہ ۱۶ سال (۱۵۰ھ تا ۱۶۶ھ) تک باقاعدہ جاری رہا، ۱۶۶ھ میں انہیں عہدۂ قضا پر فائز کر دیا گیا اور ۱۷ سال تک انہوں نے یہ خدمت انجام دی، مگر قضا کے زمانہ میں بھی درس وافادہ کا سلسلہ باقاعدہ جاری رہا اور مستفیدین باقاعدہ فائدہ اٹھاتے رہے دن کو عہدۂ قضا کی اہمیت اور اہم مشاغل کی وجہ سے درس کے لیے پہلی جیسی یکسوئی باقی نہیں رہی تھی تاہم رات کو اس کے لیے اہتمام سے وقت نکال لیتے تھے، ہارون رشید سے کچھ لوگوں نے اس کی شکایت بھی کی تو اس وقت ہارون رشید نے جواب میں کہا:۔

یقعد للناس ولیس معہ کتب ولا شیٔ درسہ باللیل مع شغلہ فی اعمالنا [1]	عہدۂ قضا کی مشغولیت کی وجہ سے رات کو لوگوں کو درس دینے کے لیے بیٹھتے ہیں اور ان کے علم کے استحضار کا یہ حال ہے کہ ان کے ہاتھ میں نہ کوئی کتاب ہوتی ہے اور نہ کوئی چیز لکھی ہوئی ہوتی ہے۔

امام ابو یوسفؒ تدریس میں پڑھاتے وقت اپنے شاگردوں کے ساتھ نہایت خیر خواہی اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے تھے، ان کی تعلیم میں نہ بخل سے کام لیتے تھے اور نہ تضیع اوقات کرتے تھے بلکہ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ان کے تلامذہ اپنے فن میں بڑی سے بڑی شان اور امتیاز حاصل کر لیں۔ امام ابو یوسفؒ نے خصوصیت کے ساتھ اپنے تلامذہ سے کہہ دیا تھا کہ استاد اور مربی ہونے کے باوجود میری کسی بات کو بغیر کسی دلیل اور حجت کے نہ ماننا۔ طلبہ کے سوالات اور اشکالات کا نہایت خندہ پیشانی اور کمال حلم وصبر کے ساتھ جواب دیتے تھے اور ان کو بھرپور طریقہ سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس سلسلہ کے

---

[1] مناقب موفق تذکرہ امام ابو یوسفؒ

Marfat.com

ایک دو واقعات بھی مستقل عنوان کے تحت آئندہ صفحات میں درج کیے جا رہے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کے درس کی خصوصیات اور امتیاز

امام ابو یوسفؒ کے زمانہ میں عام طور پر درس کا طریقہ یہ تھا کہ شیوخ حدیث اپنے تلامذہ کو حدیث کی املا کرا دیتے تھے اور ائمہ فقہ صرف فقہ کا درس دیتے تھے لیکن امام ابو یوسفؒ کے درس کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ دونوں کا مجمع البحرین ہوتا تھا۔ وہ درس میں نہ تو صرف اخبرنا وحدثنا پر اکتفا کرتے تھے اور نہ قال اقول ہی پر، بلکہ اگر ایک حدیث سُناتے تھے تو اسی کے ساتھ اس سے اخذ کیے ہوئے نتائج و مجتہدات کو بھی طلبہ کے سامنے رکھتے جاتے تھے۔

علی مدائنیؒ فرماتے ہیں کہ جب امام ابو یوسفؒ ۱۸۰ھ میں بصرہ تشریف لائے تو ہم لوگ ان کی خدمت میں استفادہ کے لیے پہنچے، ان کا طریقۂ درس یہ تھا کہ وہ دس حدیثیں بیان کرتے اور فقہی آراء بھی ان کے ساتھ پیش کرتے تھے[۱]

حدیث دانی صرف حفظ اور روایت حدیث کا نام نہیں بلکہ اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ حدیث سے مسائل اخذ کیے جائیں، اس سے اجتہاد اور استنباط کیا جائے تاکہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زندگی کے ہمہ گیر نظام کے لیے زیادہ سے زیادہ روشنی حاصل کی جا سکے۔ روایت حدیث کے علاوہ امام ابو یوسفؒ کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل کا استخراج کیا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کا حلقۂ درس اور طلبہ کی والہانہ حاضری

بشر بن غیاث مریسیؒ قاضی ابو یوسفؒ کے شاگرد تھے مگر خلق قرآن کے مسئلہ میں انہوں نے معتزلہ کی ہمنوائی کی تھی۔ ابن تیمیہؒ نے انہیں مرجیہ اور معتزلہ میں شمار کیا ہے[۲]

تاہم بشر مریسیؒ صاحب تصانیف و روایات کثیرہ ہیں جو انہوں نے امام ابو یوسفؒ

---

[۱] تذکرۃ الذہبیؒ ص ۱۷۳ [۲] منہاج السنۃ جلد ۱ ص ۲۵۶

Marfat.com

سے نکلیں، وہ اہلِ زہد اور ورع میں سے تھے مگر علم کلام سے دلچسپی اور معتزلہ کی ہمنوائی کی وجہ سے لوگ ان سے بدگمان ہو گئے۔ ان ہی کے متعلق ابن احمد بن حنبلؒ کی روایت ہے کہ:۔

— میں قاضی ابو یوسفؒ کی مجلسِ درس میں موجود تھا کہ میرے سامنے ابو یوسفؒ نے بشر مریسی کو اپنی درس گاہ سے نکلوا دیا کہ معتزلہ کی ہمنوائی کی وجہ سے وہ انہیں ڈانٹنا چاہتے تھے — بہر حال درس گاہ سے نکال دیئے گئے، اس کے بعد جب دوبارہ مجھے قاضی ابو یوسفؒ کی مجلسِ درس میں حاضری کا موقعہ ملا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بشر مریسی وہاں موجود ہیں، مَیں نے ان سے کہا "جو کچھ تمہارے ساتھ قاضی ابو یوسفؒ کی درس گاہ میں بدسلوکی ہوئی ہے اس کے بعد بھی تم یہاں پھر موجود ہو" بشر نے میرے اس طعن کا جواب دیتے ہوئے کہا:۔ "میرے ساتھ جو بدسلوکی ہوئی ہے اس کی بنیاد پر مَیں اپنا وہ حصہ نہیں ضائع کر سکتا جو اس بارگاہِ علم میں حاضر ہونے کے بعد مجھے ملتا رہتا ہے"[1] —

وجہ یہ تھی کہ امام ابو یوسفؒ گوناگوں فضائل و کمالات کے جامع تھے یہی وجہ تھی کہ جو بھی ان کے آستانے پر ایک مرتبہ آجاتا تھا وہ پھر کسی دوسرے در کا رُخ نہیں کرتا تھا، ایک مرتبہ جو اُن کی بارگاہِ علم میں پہنچ جاتا پھر وہ کسی اور حلقہ درس سے بے نیاز ہو جاتا تھا، جو ان کے علم و بصیرت کی ایک جھلک دیکھ لیتا تھا وہ پھر کبھی اور کہیں نہیں جاتا تھا۔

طلبہ پر شفقت اور اخلاق کی بلندی

امام ابو یوسفؒ بہت زیادہ وسیع القلب اور متحمل المزاج تھے ان کی پیشانی پر کبھی بھی بل نہ آتا۔ حسن بن زیادؒ نے امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ دونوں بزرگوں سے علم حاصل کیا تھا وہی راوی ہیں کہ:۔

کان ابو یوسف اوسع صدرًا بالتعلیم من زفر[2]	امام ابو یوسفؒ تعلیم کے بارے میں امام زفرؒ سے زیادہ کشادہ دل اور وسیع الظرف تھے۔

---

[1] حاشیہ حسن التقاضی ص۱۷ [2] حسن التقاضی ص۱۹

Marfat.com

جب بھی امام زفرؒ سے سوال کرتا یا اپنی کوئی علمی مشکل ان کی خدمت میں پیش کرتا وہ سمجھاتے میں نہ سمجھ پاتا تو پھر سوال کرتا امام زفرؒ پھر جواب دیتے، پھر بھی میری سمجھ میں نہ آتا اور میں پھر کچھ کہتا تو وہ ناراض ہو جاتے اور ارشاد فرماتے "نہایت نالائق ہو، عقل سے عاری، فہم سے خالی، تم کبھی بھی علم حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔" میں یہ سنکر دل برداشتہ ہو کر، بُجھا ہُوا، غمگین امام ابو یوسفؒ کے حلقۂ درس میں پہنچتا یہاں بھی میں سوال کرتا وہ پھر جواب دیتے، غرض بار بار یہی ہوتا لیکن ہر مرتبہ زیادہ سے زیادہ نرمی اور شفقت کے ساتھ مجھے سمجھاتے، اپنا علم میرے دل میں اتار دینے کی کوشش کرتے، اور ارشاد فرماتے "کوئی بات نہیں، صبر کرو، غور کرو، بات کی تہہ تک پہنچ جاؤ گے تو مقصد حاصل کرلو گے، مراد کو پہنچ جاؤ گے" پھر ارشاد فرماتے :۔

لو استطعت ان اشاطر کم ما فی قلبی لفعلت [1]	اگر میری استطاعت میں یہ بات ہوتی تو جو کچھ علم و فضل میرے پاس ہے وہ سب تمہارے دلوں میں اُنڈیل دیتا۔

حالتِ نزع میں تعلیمِ مسائل

تعلیم علم اور تعلیمِ مسائل سے امام ابو یوسفؒ کو بے انتہا دلچسپی تھی، اس مشغلہ سے وہ کبھی اور کسی وقت بھی غافل نہیں رہتے تھے، حصولِ علم میں ہر دشواری ان کے لیے آسان تھی، تحصیل اور اشاعتِ علم کی راہ میں کسی بھی کٹھن مرحلہ کو انہوں نے حائل نہیں ہونے دیا، اب اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ عالم احتضار (حالتِ نزع) میں بھی وہ اس فریضۂ تبلیغ اور اشاعتِ علم سے غافل نہیں رہے۔

ابراہیم بن الجراح کی روایت ہے کہ: "امام ابو یوسفؒ بیمار ہوئے، مرض بڑھ گیا تو میں ان کی عیادت کے لیے حاضر ہُوا، میں نے دیکھا کہ بیہوشی طاری ہے، جب ذرا افاقہ ہُوا آنکھ کھولی تو مجھ سے فرمانے لگے اے ابراہیم! رمی جمار میں افضل صورت

---

[1] رسائل ابن جوزی۔ تذکرہ امام ابو یوسفؒ ص۴۲ و حسن التقاضی ص ۱۹

Marfat.com

کیا ہے، آیا رمی جمار پیدل کرنا چاہیئے یا سوار ہوکر ؟ میں نے جواب دیا "پیدل" امام ابو یوسفؒ نے فرمایا "غلط" میں نے عرض کیا "سوار ہوکر" ارشاد ہوا "یہ بھی غلط ہے" اس کے بعد از خود ارشاد فرمایا: جو شخص دعا کے بعد وہاں رُکنا چاہتا ہو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ پا پیادہ رمی جمار کرے اور جو نہ رُکنا چاہے اُس کے لیے افضل یہ ہے کہ سواری پر بیٹھے بیٹھے رمی جمار کرلے اور آگے بڑھ جائے۔

ذرا دیر ٹھہر کر میں قاضی ابو یوسفؒ سے رخصت ہوا مشکل سے دروازے تک پہنچا ہوں گا کہ کان میں رونے دھونے کی آواز آئی میں فوراً پلٹا معلوم ہوا کہ امام ابو یوسفؒ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے ہیں۔ خدا ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے[1]

کتب خانہ بھی مغفرت اور نجات کا ذریعہ بن جائے گا

علی بن عیسیٰؒ کی روایت ہے کہتے ہیں کہ میں ایک بار ایسے وقت میں امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھے گمان تھا کہ وہ آرام گاہ میں ہوں گے اور ملاقات نہ ہو سکے گی، میں نے اطلاع کرائی تو فوراً اندر بلالیا میں نے دیکھا کہ امام ابو یوسفؒ ایک علیحدہ کمرے میں لنگی باندھے ہوئے بیٹھے ہیں اور ان کے گرد کتابوں کا انبار ہے، میں نے کہا کہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ ملاقات نہ ہو سکے گی، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس کمرے کے چاروں طرف یہ جو الماریاں ہیں ان میں کتابوں اور کاغذات کے بہت سے پوٹ رکھے ہوئے ہیں، یہ تمام فیصلوں کی نظیریں ہیں، قیامت کے دن جب مجھ سے باز پرس ہو گی کہ تم نے فیصلے کس طرح کیے تو خدا کے حضور اس کے جواب میں یہی پیش کردوں گا[2]

سفر میں بھی درس کا سلسلہ جاری رہتا تھا

یہ تو پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ امام ابو یوسفؒ عہدۂ قضا پر مامور ہونے

---

[1] وقائع امام ابو حنیفہؒ ص۱۶۳ وحسن التقاضی ص۱۹

[2] مناقب موفق۔ تذکرہ امام ابو یوسفؒ وسیر الصحابہ جلد ۸ ص۹۵

Marfat.com

کے بعد درس و افادہ کا کام یکسوئی اور انہماک سے انجام نہیں دے سکتے تھے لیکن پھر بھی اس سے جو وقت بچتا تھا وہ درسی افادہ اور تعلیم ہی میں صرف ہوتا تھا۔ تلامذہ اور طالبانِ علم کے ساتھ ان کی غیر معمولی دل سوزی، ہمدردی اور تعلق خاطر کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے حضر میں افادہ اور تدریس کے مواقع بچا بچا کر پڑھانا تو ان کی ذوقی بات تھی سفر کی حالت میں بھی یہ فیض برابر جاری رہتا تھا — لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بصرہ تشریف لے گئے تو طلبہ کا بڑا اژدہام ہوا، اصحاب حدیث چاہتے تھے کہ وہ پہلے استفادہ کریں اور اصحاب فقہ چاہتے تھے کہ پہلے ان کو خطاب کیا جائے۔ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا میں دونوں گروہوں سے تعلق رکھتا ہوں، ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد امام صاحبؒ نے ایک سوال کیا تو جن لوگوں نے جواب دیا اُن کو اندر لے گئے اور پھر دیر تک یہ مجلس درس و افادہ قائم رہی۔[1]

---

[1] مناقب کردری وحسن التقاضی ص۴۹ — اس واقعہ کا ابتدائی حصہ اسی کتاب کے ص پر درج کیا جا چکا ہے پورا پس منظر سامنے ہو تو عبرت پذیری میں تقویت کا باعث ہوگا۔ ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ نے فریقین سے کون سا سوال دریافت کیا تھا جب امام ابو یوسفؒ نے اعلان کر دیا تھا کہ میں فریقین سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں جو فریق صحیح جواب دے گا اُسی کو سب سے پہلے میرے گھر میں داخلے کا موقع ملے گا۔ یہ کہہ کر امام ابو یوسفؒ نے اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی نکالی اور ارشاد فرمایا کہ "ایک آدمی نے میری یہ انگشتری منہ میں چبا ڈالی اور اسے ریزہ ریزہ کر دیا، اب اب بتائیے میں کیا کروں؟ اہل حدیث میں سے کچھ لوگوں نے جواب دیا لیکن امام ابو یوسفؒ نے اس جواب کو درست نہیں مانا۔ پھر اہل الرائے میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اُس نے کہا: اُس آدمی سے سونے کی قیمت لے لی جائے گی اور وہ صاحبِ خاتم کو دے دی جائے گی تاکہ اس کے نقصان کی تلافی ہو سکے اور وہ ٹوٹی پھوٹی انگوٹھی اس کے حوالے کر دی جائے گی بشرطیکہ صاحب خاتم اسے اپنے پاس نہ رکھنا چاہتا ہو البتہ ٹوٹ پھوٹ کی کوئی قیمت نہیں دلائی جائے گی۔ یہ سُنکر امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: اس آدمی کے گروہ کے لوگ اندر داخل ہو جائیں، چنانچہ اصحاب رائے داخل ہو گئے۔ (حسن التقاضی ص۴۹)

Marfat.com

وسعتِ افادہ آپ کے درس و افادہ کا سلسلہ مختلف صورتوں میں تقریباً ۳۲ برس تک جاری رہا جس سے پوری مملکتِ اسلامیہ کے تشنگانِ علم اپنی پیاس رفع کرتے جن میں بڑے بڑے اکابر محدثین، فقہاء اور ائمہ وقت اور جبالِ علم کا تذکرہ بھی تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، یہاں خوفِ طوالت کی وجہ سے انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ آپ کے فیض اور افادہ کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ آپ کے تلامذہ میں خراسان، جوزجان، بلخ، مرو، ہرات، رے، بغداد، کوفہ، بصرہ، مدینہ منورہ اور مغرب اقصیٰ تک کے شائقینِ علم امام ابویوسفؒ کے خرمنِ علم و کمال سے خوشہ چینی کرتے نظر آئیں گے۔ ان میں کئی ایسے بھی ہیں جن کی ریاستِ علم و فضل اور جلالتِ قدر کا ایک عالم معترف ہے[1]

سب کے ساتھ مساوی برتاؤ امام ابویوسفؒ کی ذاتِ گرامی گوناں گوں اوصاف و کمالات کا مجموعہ تھی، وہ بہت بڑے مفسر، حافظِ حدیث، فقیہ اور مجتہد وقت تھے۔ ایام عرب، انساب اور ادب و شعر پر ان کی

---

[1] ظاہر ہے کہ امام ابویوسفؒ کا چشمۂ علم تقریباً ۳۲ برس تک مسلسل جاری رہا، اس سے پوری مملکتِ اسلامیہ کے نہ معلوم کتنے تشنگانِ علم نے اپنی پیاس بجھائی ہوگی، ان سب کے ناموں کا معلوم اور جمع کرنا بڑا مشکل اور دشوار کام ہے، اور جو نام تذکروں میں ملتے ہیں ان کی تفصیل بھی طوالت سے خالی نہیں۔ چند ممتاز اور مشہور تلامذہ و طالبانِ علم کے نام درج ذیل ہیں: قاضی ابراہیم بن جراح مازنی، ابراہیم بن سلمۃ الطیالسی، ابراہیم بن یوسف، میمون البلخی، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے تین الماریوں کے بقدر کتابوں کا علم ان سے حاصل کیا ہے۔ اسد بن فرات امام مالکؒ کے مشہور شاگرد اسماعیل بن حماد امام اعظم کے پوتے، اشرف بن سعد نیشاپوری، بشار بن موسیٰ بصری، جعفر بن یحییٰ برمکی (ہارون کا مشہور وزیر) ابوالخطاب (امام ابویوسفؒ کے کاتب یعنی پرائیویٹ سیکرٹری) خلف بن ایوب بلخی، علی بن صالح جرجانی، علی بن المدینی (مشہور حافظ الحدیث) فضیل بن عیاض، امام احمد بن حسن الشیبانی، وکیع بن الجراح، ہلال بن یحییٰ بصری (صاحب احکام الوقف) یحییٰ بن آدم (صاحب کتاب الخراج) یحییٰ بن معین (امام جرح و تعدیل) یوسف (امام ابویوسفؒ کے صاحبزادے جو کتاب الآثار کے راوی ہیں)۔ ان ناموں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام ابویوسفؒ کے فیض کا دائرہ کتنا وسیع تھا۔

Marfat.com

نظر بہت گہری، وسیع اور غیر معمولی دسترس رکھتے تھے۔ غرض وہ ہمہ جہت جامع علوم و فنون تھے امام ابو یوسفؒ بہت بڑے انسان بھی تھے، لطف و اخلاق ان کا خمیر تھا۔ وہ اپنے دوست شناسا، عزیز و رشتہ دار، دشمن اور مخالف، نکتہ چیں اور قادح سب کے ساتھ یکساں لطف و کرم کے عادی تھے، وہ دنیا کی سب سے بڑی (اسلامی) حکومت کے رکن رکین، وزیر قانون، قاضی القضاۃ تھے، اعیان اور اشراف دربار ان کے سامنے سر جھکا نے تھے، خلیفہ ہارون ان کے سامنے سراپا ادب بن کر بیٹھتا تھا، مگر اس قدر عظمت و رفعت کے باوصف امام ابو یوسفؒ میں نہ تو نخوت تھی نہ پندار و غرور اور نہ احساس برتری، وہ سب سے جھک کر ملتے تھے، سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے تھے، کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے، کسی کے کام اگر آسکتے تھے تو ذرا تامل نہ کرتے، موصوف کی بلند حوصلگی اور عالی ظرفی کا اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے:۔

ابو الولید الطیالسیؒ کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ فریضۂ حج سے فراغت کے بعد جب ہارون رشید کے ساتھ بصرہ تشریف لائے تو اصحاب رائے اور اصحاب حدیث کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ ان کے دروازے پر شوقِ دیدار سے بے قابو ہو کر لگ گیا، ان میں سے ہر گروہ اور ہر شخص سب سے پہلے گھر میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر امام ابو یوسفؒ خود گھر سے باہر نکل آئے، سب سے ملاقات کی اور اپنے اس عاجزانہ اور بر موقع عمل سے کسی کو بھی شکایت کا موقع نہیں دیا اور نہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے دیا کہ وہ مؤخر ہو گیا اور دوسرا اس سے بازی لے گیا۔[1]

امام ابو یوسفؒ کا مسلکِ اعتدال اور طلبہ کو نصیحت

امام ابو یوسفؒ کے زمانہ میں مسئلہ خلق قرآن، جہمیت اور اعتزال کا بڑا چرچا تھا اور اس میں بحث و مباحثہ ایک عام معمول بن گیا تھا۔

---

[1] حسن التقاضی ص ۴۹ ــ اس کے بعد کا واقعہ ہم نے اسی کتاب میں حسب بر درج کر دیا ہے، دونوں کو ملا کر پڑھ لیا جائے تو اخلاق و تواضع اور انصاف و حقیقت پسندی کی ایک جامع تصویر سامنے آجائے گی۔

Marfat.com

اس بحث سے نہ تو خلفاء اور امراء کے دربار خالی تھے نہ فقہاء اور محدثین کی مجالس درس اور نہ عوام اور بازاری لوگوں کے حلقے۔ خصوصیت سے ایمان کی کمی وزیادتی، قرآن کے مخلوق وغیر مخلوق ہونے، گناہ کبیرہ کے مرتکب کے کافر ہونے اور خدا تعالیٰ کی تجسیم وعدم تجسیم وغیرہ کے مباحث کا ذکر تقریباً ہر مجلس اور ہر گھر میں تھا۔ یہی مسائل اُس وقت کی ثقاہت و عدم ثقاہت، اس سے بھی بڑھ کر فسق وفجور، صلاح وتقویٰ بلکہ ایمان اور کفر کا معیار بنے ہوئے تھے۔ قدرے خیالات کے اختلاف سے ایک فریق دوسرے کو جھٹ سے کافر بنا دیتا تھا۔

فقہاء اور محدثین میں جو حضرات محتاط تھے انہوں نے ہمیشہ ان مسائل پر گفتگو کرنے اور ان پر رائے دینے سے احتراز کیا اور اپنی حد تک دوسروں کو بھی وہ اس سے روکتے رہے تاہم بسا اوقات اصلاحِ حال اور ضرورتِ دین کی وجہ سے لامحالہ انہیں اپنی رائے بھی ظاہر کرنی پڑتی تھی، اس سلسلہ میں ائمہ احناف بالخصوص امام ابو حنیفہؒ، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کی آراء کیا تھیں! اس کے نقل کرنے اور بحث کو طول دینے کے بجائے ہم ذیل میں امام ابو یوسفؒ کے وہ نصائح ذکر کر دیتے ہیں جو اس قسم کے مسائل میں انہوں نے اپنے تلامذہ اور عامۃ المسلمین کو اعتدال پر رہنے کی تلقین کے دوران کیے تھے، البتہ اس سلسلہ کے علمی مباحث، آراء اور مناظرے ہم نے اس سے قبل "دفاعِ امام ابو حنیفہؒ" اور "امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات" میں لکھ دیئے ہیں، شائقین وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ امام ابو یوسفؒ خلق قرآن کے قائل ہیں، ان کے تلامذہ نے سُنا تو اُن کو بڑی تشویش ہوئی، وہ ان کے پاس آئے اور بڑے ادب اور احترام سے دریافت کیا حضرت! آپ کے بارے میں یہ بات معلوم ہوئی ہے حالانکہ اس سے قبل تو آپ برابر ہم لوگوں کو اس مسئلہ میں پڑنے سے روکا کرتے تھے۔ امام ابو یوسفؒ نے سُنا تو بڑے غصہ میں فرمایا۔

"ارے کم عقلو! یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ سکتے ہیں ان کو میرے اوپر کوئی بہتان تراش لینے میں کیا باک ہو سکتا ہے؟"

پھر فرمایا:۔

Marfat.com

اهل بدع يحكون كلامهم ويكذبون على الناس [1]

اہلِ بدعت اپنی طرف سے بات کہتے ہیں اور لوگوں پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

اس نوع کے بے سود مسائل میں پڑنے اور اپنی صلاحیتیں کھپا دینے سے احتراز کرنے اور مسلکِ اعتدال اور ضرورتِ دین کو ترجیح دینے کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ نے اپنے تلامذہ کو ایک جامع نصیحت کی تھی، ذیل میں اس کا خلاصہ درج کر دیا جاتا ہے۔

ذروا الخصومة في الدين والمراء فيه والجدال فان الدين واضح بين قد فرض الله عز وجل فرائضه وشرع سنته وحدوده واحل حلاله وحرم حرامه فقال: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. فاحلوا حلال القرآن وحرموا حرمه واعملوا بمحكم وامنوا بالمتشابه منه واعتبروا بالامثال فيه۔

دین کے بارے میں شک، لڑائی، کج بحثی اور جدال چھوڑ دو، اس لیے کہ دین بالکل واضح ہے خدا نے اس کے فرائض بھی مقرر کر دیے ہیں اور اس کی سنتیں بھی اور اس کی تمام حدود مقرر کر دی ہیں اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام کر دیا ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمہارے اوپر تمام کر دیا اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کر لیا۔ تو اس کے حلال کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام سمجھو، قرآن کی محکم یعنی واضح آیات پر عمل کرو اور جو متشابہ آیات ہیں ان پر ایمان و یقین رکھو اور اس کے اندر جو امثال ہیں یعنی مثالیں، ان سے عبرت حاصل کرو۔

فلو كانت الخصومة في الدين تقوى عند الله لسبق اليها رسول الله صلى الله عليه وسلم و

اگر دین کے مسائل میں کج بحثی کوئی تقویٰ کی بات ہوتی تو اس کی طرف سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے بعد آپ

---

[1] حسن التقاضی ص ۳۶

Marfat.com

اصحابه بعده فهل اختصموا في الدين تنازعوا فيه وقد اختصموا في الفقه وتكلموا فيه واختصموا في الفرائض والصلوٰة والحج والطلاق والحلال والحرام ولم يختصموا في الدين ولم يتنازعوا فيه فاقتصروا علىٰ تقوى الله وطاعته والزموا ما جرت السنة ونزعوا ما احدث المحدثون من التنازع في الدين.

وقد انزل الله عزوجل في كتابه اذا رايت الذين يخوضون في آيتنا فاعرض عنهم۔ ولو شاء انزل في ذٰلك جدالاً وحجاجاً ولكنه ابى ذٰلك وقال" ولا تقعدوا معهم" وقال "فان حاجوك فقل اسلمت وجهي لله ومن اتبعنِ" ولم يقل وحاجهم۔

(سیر الصحابہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶)

کے اصحاب سبقت کرتے، تو کیا انہوں نے کبھی عقائد کے مسائل میں کج بحثی کی، انہوں نے اگر اختلاف اور بحث و مباحثہ کیا تو فقہی مسائل میں جن کا تعلق عمل سے ہے، انہوں نے اگر گفتگو کی تو فرائض، نماز، حج، طلاق جیسے مسائل میں اور حلال اور حرام میں، انہوں نے ایمانیات میں کبھی قیل و قال نہیں کیا، انہوں نے خدا کے تقویٰ اور اس کی اطاعت پر بس کیا اور انہوں نے سنتِ متواترہ کو مضبوط پکڑ لیا تھا، اور جو ان بتدعین نے نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں ان کو انہوں نے کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ جب دیکھو کہ ہماری آیات میں کرید کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنی کتاب میں جدال اور قیل و قال کا طریقہ بھی نازل فرما سکتا تھا مگر اس سے اس نے گریز کیا اور یہ حکم دیا کہ ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر وہ تم سے حجت کریں تو کہدو کہ میں نے اور جن لوگوں نے میری اتباع کی ہے اپنی پوری توجہ خدا کی طرف مبذول کر لی ہے آپ سے یہ نہیں کہا کہ آپ بھی ان سے بحث مباحثہ اور قیل و قال کیجئے۔

Marfat.com

متنازعہ فیہ مسائل اور معاملات دین میں جنگ و پیکار سے گریز کی وصیت

اسد[1] بن فراتؒ امام ابو یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ نے ارشاد فرمایا:۔

"معاملاتِ دین میں خصومت، جنگ و جدل، پیکار و آویزش کا سلسلہ ترک کر دو کیونکہ دین واضح ہے، اللہ عزوجل نے فرائض مقرر کر دیئے ہیں، سُنن مشروع کر دیئے ہیں، حدود کی حد بندی کر دی ہے، جو حلال تھا اسے حلال کر دیا ہے جو حرام تھا اُسے حرام کر دیا ہے،"

---

[1] اسد بن فراتؒ درحقیقت مغرب اقصیٰ کے رہنے والے تھے، شوقِ علم کشاں کشاں انہیں مدینہ منورہ لے گیا اور یہ امام مالکؒ کے حلقۂ درس میں بیٹھ گئے، فقہ مالکی کی مشہور کتاب "مدونہ" درحقیقت انہی کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ ـــــ لیکن علم کا یہ مسافر صرف امام مالکؒ کے حلقۂ فیض سے استفادہ پر قناعت نہ کر سکا، بعض ایسے مسائل تھے جن کا تشفی بخش جواب امام مالکؒ سے نہ مل سکا۔ اور جواب میں انہوں نے جو کچھ کہا وہ اگرچہ طنز کے انداز میں تھا لیکن اس سے یہ جُستجو پیدا ہوئی کہ فقہاء کوفہ کو بھی ٹٹولا جائے اور ان کے علم سے اگر استفادہ اور استفاضہ کی کوئی صورت نکل سکے تو اُسے بروئے کار لایا جائے۔

چنانچہ مدینہ سے اٹھ کر یہ اسد بن فراتؒ کوفہ پہنچے، یہاں امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا بازار گرم تھا، دُنیا جہان کے لوگ جوق در جوق، فوج در فوج کشاں کشاں سفر کی سختیاں برداشت کر کے آتے تھے اور ان حضرات کی بارگاہِ علم میں سر کے بل پہنچتے تھے۔

اسد بن فراتؒ نے زیادہ تر امام محمدؒ سے استفادہ کیا۔ وہ امام صاحبؒ کی سیرت، شخصیت، کردار، علم، وسعتِ نظر، قوتِ اجتہاد، رسوخ فی العلم اور دُوسرے نکات سے بہت زیادہ متاثر ہوئے، اتنے متاثر ہوئے کہ رفتہ رفتہ جس سانچہ میں انہوں نے اپنے ذہن و فکر کو ڈھالا تھا وہ بدل گیا، بالکل بدل گیا، یہاں آکر انہوں نے وہ تنگی نہیں دیکھی جس سے وہ بیزار ہو رہے تھے، جہاں علم تھا، اجتہاد تھا، وسعت تھی، (قانون و فقہ) میں لچک بھی تھی اور عسر کے ساتھ یسر بھی جو اسلام کی اصل روح ہے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعد میں اپنے وطن جا کر جب وہ مسندِ قضا پر بیٹھے اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بنا دیئے گئے تو گو مالکی مذہب سے ان کی وابستگی ختم نہیں ہوئی تھی لیکن اکثر و بیشتر ان کے فیصلے ... حنفی فقہ

باقی حاشیہ ص ۷۴ پر

Marfat.com

خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ ( )	آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے مذہب اسلام پر راضی ہو گیا۔

پس جو کچھ قرآن نے حلال کر دیا ہے اسے حلال رکھو جو کچھ قرآن نے حرام کر دیا ہے اسے حرام سمجھو، جو اس نے حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرو، متشابہات پر ایمان رکھو اور مثال کا اعتبار ملحوظ رکھو، اگر معاملاتِ دین میں خصومت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبنی بر تقویٰ ہوتی تو بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب کا بھی یہی نظریہ ہوتا، لیکن کیا انہوں نے ایسا کیا؟ کیا انہوں نے معاملاتِ دین میں خصومت روا رکھی؟ کیا دینی معاملات میں انہوں نے تنازعہ کیا؟ بیشک انہوں نے فقہی معاملات و مسائل

(بقیہ حاشیہ ص۷۳ سے) فقہ حنفی کے مطابق ہوا کرتے تھے۔

جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ امام محمدؒ سے اسد بن فراتؒ نے بہت زیادہ فیض اٹھایا لیکن یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ امام ابو یوسفؒ جیسی عظیم و جلیل ہستی کو نظر انداز کر دیتے، چنانچہ شوقِ علم انہیں اس بارگاہ میں بھی لے پہنچا اور جتنا فائدہ وہ امام ابو یوسفؒ کے بلوغ نظر، ملکۂ اجتہاد اور وسعتِ علم سے کر سکتے تھے، کیا، اور زندگی بھر اس کے سپاس گذار بھی رہے، امام ابو یوسفؒ کی شاگردی پر انہیں ناز تھا اور بجا ناز تھا۔

کوفہ میں امام محمدؒ سے زیادہ اور امام ابو یوسفؒ سے کسی حد تک کسبِ فیض کرنے کے بعد وہ مصر بھی پہنچے اور امام شافعیؒ سے بھی ملاقی ہوئے، یہاں کچھ نزاعیں بھی پیدا ہوئیں، لیکن اہلِ علم کا یہ اصول ہے بلکہ یہ بات ان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ جو موقف اختیار کر لیتے ہیں اس سے اسی وقت رجوع کرتے ہیں جب پورے طور پر انشراحِ قلب حاصل ہو جائے۔ چنانچہ وہ مصر پہنچے ضرور، لیکن ان کے موقف میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی، فقہ حنفی سے ان کا جو تاثر تھا وہ قائم رہا اور زندگی بھر وہ اسی کے مطابق (اکثر و بیشتر) فتوے دیتے اور فیصلے کرتے رہے۔

ان مراحل سے فارغ ہو کر جب وہ اپنے وطن پہنچے تو وہاں کی حکومت، اعیان و امراء اور عوام نے ان کی

(باقی حاشیہ ص۷۵ پر)

Marfat.com

اختلاف کیا اور اس باب میں بحث وجدل کی، انہوں نے فرائض نماز، حج، زکوٰۃ، طلاق، ل اور حرام کے مسائل میں بھی اختلاف فکر ونظر کا اظہار کیا، لیکن جہاں تک نفس دین کا تعلق وہ بالکل متفق رہے، انہوں نے ذرا بھی خصومت یا بیکار آویزش کا اظہار نہیں کیا، پس اللہ سے ڈرو، اس کی اطاعت کرو اور اسے اپنے اوپر لازم کرلو جس کی تائید سنت سے) ہے، بس اتنی شفقت ہمارے لیے کافی ہے۔ یادرکھو سنت کا لزوم اللہ کے حکم سے ہے انسان کو محفوظ رکھ سکتا ہے شرط صرف یہ ہے کہ آدمی اسے اپنے اوپر لازم کرلے، وہ ہر خطا اور لغزش سے محفوظ ہو جائے گا۔[1]

بہ حاشیہ صفحہ ۴۷ سے) قدر دانی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، انہیں منصب قضا سونپا اور ضی القضاۃ (چیف جسٹس) بنا دیئے گئے۔

لیکن قدرت کو ان سے ابھی ایک بہت بڑا کام لینا تھا۔ اسی زمانہ میں مغرب کی اسلامی حکومت قلیہ (سسلی) کے قزاقوں اور غارت گرانِ امن وامان کی تاخت وتاراج سے متاثر ہو کر فیصلہ کرلیا ے مملکتِ اسلامی میں شریک کرلیا جائے۔ چنانچہ صقلیہ فتح کرنے کے لیے جو فوج بھیجی گئی اُس کے سالار بھی اسد بن فراتؒ تھے۔

اسلام کی تاریخ میں ایسے لوگ ملتے ہیں جو بیک وقت صاحب سیف وقلم تھے مثلاً امام منہ، جنہوں نے قرامطہ سے، تاتاریوں سے اور دوسرے عناصر سے جنگ میں باقاعدہ حصہ لیا۔

لیکن یہ سعادت قاضی اسد بن فراتؒ ہی کے مقسوم میں قسام ازل نے لکھ دی تھی کہ وہ ایک وج کے امیر اور سالار بنیں، ایک غیر ملک کو فتح کریں، تاریخ میں فاتح صقلیہ کے نام سے رہوں اور ان کارناموں کے انجام دینے کے بعد جامِ شہادت پئیں اور حیاتِ دوام کریں۔

اسد بن فراتؒ بہت بڑے عالم تھے، بہت بڑے مجاہد، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ راہِ حق کے شہید تھے۔

[1] سن التقاضی صفحہ ۳۶

Marfat.com

جودتِ طبع اور ذوقِ صحیح

امام ابویوسفؒ فرمایا کرتے تھے کہ بسا اوقات مجھ سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا گیا اور اس کی علت بھی میری سمجھ میں آگئی مگر زبان سے اس کے اظہار پر قادر نہ تھا، اُس وقت میری مثال اُس شخص کی سی ہوتی تھی جس کے سامنے ایک درہم رکھا جائے اور اُس سے پوچھا جائے یہ کھرا ہے یا کھوٹا، مگر اس سے جب اس کی علت اور وجہ دریافت کی جائے تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے حالانکہ وہ اُس کا کھرا کھوٹا ہونا جانتا ہے اور اس کا قلب اس پر مطمئن ہے مگر زبان سے اس کا اظہار نہیں کرسکتا ـــــ فرماتے ہیں بعض اوقات میں نے دو مسئلوں میں بال برابر فرق کیا ہے اور بعض اوقات پہاڑ کے برابر اور بعض اوقات فرق دل میں محسوس کرلیا مگر زبان سے یارائے اظہار نہیں تھا[۱]

امام ابو یوسفؒ علم اصولِ فقہ کے مدوّن اوّل ہیں

امام ابو یوسفؒ اور ان کے علم وفضل کا سب سے وسیع میدان فقہ کی تدوین واشاعت اور اس کی خدمت و ترویج ہے جس میں انہوں نے باقی تمام علوم سے زیادہ اپنی جودتِ طبع اور جولانی فکر کا ثبوت دیا ہے، چنانچہ دنیا ان کو فقیہ ہی کی حیثیت سے جانتی ہے۔ علمِ فقہ کے بعد ان کا دوسرا بڑا کارنامہ اصولِ فقہ کی تدوین ہے، جبکہ اس سے قبل باقاعدہ اصولِ فقہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی، اگرچہ قرآن وسنت کے کلیات کو سامنے رکھ کر حضرات صحابہؓ اور تابعین نے بہت سے مسائل مستنبط کیے تھے۔ انہی اصول و کلیات اور حضرات صحابہؓ کے مستنبط مسائل کی روشنی میں امام ابو یوسفؒ نے علم اصولِ فقہ مرتب کیا۔ اگرچہ اس موضوع پر ایک کتاب خود امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بھی لکھی تھی جو "کتاب الرائے" کے نام سے مشہور ہے۔ تاہم امام ابویوسفؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم اصولِ فقہ کو باقاعدہ ایک فن کی حیثیت سے مدوّن کیا۔

محمد بن جعفرؒ کہتے ہیں:۔

---

[۱] سیر الصحابہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۳

Marfat.com

...اوّل من وضع الکتاب فی ...صول الفقہ علیٰ مذھب ...حنیفہ ؎	امام ابو یوسفؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق اصولِ فقہ کی تدوین کی۔

بعض حضرات سے منقول ہے کہ امام شافعیؒ اصولِ فقہ کے سب سے پہلے مؤلف ...، مگر واقعاتی اور تجزیاتی طور پر یہ بات سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ علم اصولِ فقہ کی ...وین میں سبقت و تقدم کا شرف امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور ائمہ احناف ...کو حاصل ہے۔

...ن سو جلدوں پر مشتمل مبسوط تصنیف ...لی ابو یوسفؒ اور کتاب الخراج

علامہ زاہد الکوثریؒ "حسن التقاضی" میں لکھتے ہیں کہ "کتاب الخراج" امام ابو یوسفؒ نے خلیفہ ہارون رشید ...لیے تحریر فرمائی تھی، اس میں احکام اموال درج ہیں جو ہارون رشید کی استدعا پر ...صاحبؒ نے قلمبند اور تالیف فرمائے تھے۔ اس کتاب کے مقدمہ سے ثابت ہوتا ...ہے کہ امام صاحبؒ کے سینہ میں کس قدر جری اور نڈر دل تھا، حق کے معاملہ میں وہ ...ی سے خائف ہونا جانتے ہی نہیں تھے، ان کے طبقہ میں سے کسی شخص نے کوئی ایسی ...اب نہیں لکھی جو اس کے ہم پلہ اور ہم رتبہ ہو یا اس سے ٹکر لے سکے، بلکہ اگر ہم یہ کہیں ...اس کتاب کا آج تک جواب نہ ہو سکا تو ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں ہو گا ـــــــ کتاب ...ے مقدمہ میں امام ابو یوسفؒ نے جس دلیری اور جرأت کے ساتھ خلیفۂ وقت کو نصیحت ...و عظت کی ہے، اسے خدا سے ڈرایا ہے، ظلم سے روکا ہے، خلق خدا کے ساتھ نرمی اور ...لطفت کا برتاؤ کرنے کی تلقین کی ہے، عدل پر زور دیا ہے، احسان کی تاکید کی ہے، ...ن سلوک کی ترغیب دی ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ صرف خدا ہی سے ...تے تھے اس لیے دوسروں کو بھی (خواہ وہ خلیفہ وقت ہی کیوں نہ ہو) خدا سے ڈراتے رہتے تھے۔

؎ مفتاح السعادۃ و مناقب کردری و مناقب موفق تذکرہ ابو یوسفؒ

Marfat.com

جس شخص نے اس کتاب کا اور اس موضوع پر دوسری کتابوں کا مطالعہ کیا ہے
اس اعتراف پر مجبور ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع، مغز اور مواد کے اعتبار سے ہمہ جہت
لاثانی اور بے مثل ہے۔ اس کتاب کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئی ہیں جس کے ذریعہ
کتاب کے نکاتِ مکنون کو اجاگر کیا گیا ہے۔ علم و معرفت کے جو خزینے اس کتاب
موجود ہیں ان کی نشاندہی کی گئی ہے اور جو حقائق اس میں زیرِ نقاب ہیں انہیں نمایاں
گیا ہے۔

بہر حال "کتاب الخراج" امام ابو یوسفؒ کا لازوال علمی کارنامہ ہے، یہ کتاب
جامعیت، افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے یگانہ اور منفرد ہے۔ اتنی صدیاں گزر
لیکن آج بھی "کتاب الخراج" کی عظمت قائم ہے اور شاید مدتوں تک بلکہ ہمیشہ قائم ر
گی۔ اس کتاب میں روحِ اسلام بھی ہے، روحِ عصر بھی، یہی وجہ ہے کہ یہ زندہ رہے
علامہ زاہد الکوثریؒ نے اپنے رسالہ میں امام ابو یوسفؒ کی گرانقدر مصنفات و مؤ
کی تفصیل دی ہے جو علوم و معارف کے بحرِ بیکراں تھے۔ تاریخ میں آپ کی بسوط تصان
کا ذکر ملتا ہے۔ علامہ کوثریؒ نے لکھا ہے کہ شیخ یحییٰ الغزی جو مسجد حرام میں منصب
پر فائز تھے اور حجرِ اسود کے مواجہہ میں کعبۂ مشرفہ کے میزاب کے سامنے وعظ کیا کرتے
۹۰۸ھ کا واقعہ ہے کہ وہ شہر زبید میں تشریف لائے تھے، انہوں نے ارشاد فرمایا کہ،

"میں نے بچشم خود تین سو مجلدات میں "امالی ابو یوسف" شہر غزہ (جو
ارضِ شام میں واقع ہے) کے ایک کتب خانے میں دیکھے ہیں، اور
جس کتب خانے میں یہ بے نظیر علمی سرمایہ دیکھنے میں آیا وہ صرف امام ابو یوسفؒ
کی کتابوں کے لیے مخصوص تھا"۔ [1]

---

[1] کتب خانے سے مراد شاید راوی نے الماریاں لی ہیں کیونکہ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ خاص خاص اصحاب
کی کتب و مؤلفات کے لیے الماریاں مخصوص کر دیتے تھے، انہی میں ان کی کتابیں رکھی جاتی تھیں۔ امام ابو یوسف
کی تین سو مجلدات پر مشتمل یہ ضخیم کتاب اور اس نوع کی دوسری دسیوں علمی مؤلفات کے بارے میں اب کچھ

(باقی حاشیہ صـــ پر)

Marfat.com

مؤلفاتِ ابو یوسفؒ کا اجمالی تعارف

امام ابو یوسفؒ کی مؤلفات اور وقیع تصنیفات حقائق اور معارف کا بحرِ بے پایاں تھیں۔ آپ کی مؤلفاتِ کثیرہ کا ذکر اہلِ علم کی کتابوں میں موجود ہے لیکن ان میں سے اکثر ناپید ہو چکی ہیں، اور اب ان کے اجمالی تعارف سے بڑھ کر ان تک حقیقی رسائی ناممکن ہو گئی ہے۔ امالی، کتاب الآثار، کتاب الخراج اور اختلاف ابن ابی لیلیٰ و ابی حنیفہؒ کا کسی حد تک اجمالی تذکرہ ہم نے کر دیا ہے، امالی کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ ان کے علاوہ: الرد علیٰ سیر الاوزاعی، المخارج والحیل، کتب فی الاصول والامالی محض امالی، کتاب اختلاف (علماء) الامصار، کتاب الرد علیٰ مالکؒ بن انس، الخراج، کتاب الجوامع، (جو آپ نے یحییٰ بن خالد کے لیے تصنیف کی، یہ ۴۰ جلدوں پر مشتمل ہے اس میں انہوں نے لوگوں کے اختلافات اور قابلِ عمل رائے کا اظہار کیا ہے) اصولِ فقہ، مسائل امالی امام ابو یوسفؒ، ادب القاضی، یہ وہ کتابیں تھیں جو اپنے موضوع، مغز، مواد، معلومات، نکات اور حقائق و معارف کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھیں، عالم اسلام میں ان کا کوئی جواب نہ تھا، مدرسہ و خانقاہ میں ان کی یکساں عظمت تھی، علم کی ہر محفل اور ذکر کی ہر مجلس میں ان کتابوں کا چرچا تھا [۱]

مگر باہمی خانہ جنگیوں، بدامنیوں اور طوائف الملوکیوں نے جہاں اور بہت سے نقصانات ملتِ اسلامیہ کو پہنچائے وہاں ایک عظیم اور ناقابلِ تلافی نقصان یہ بھی پہنچایا، تاتاریوں نے قبولِ اسلام سے قبل اسلامی ممالک پر تاخت و تاراج کا جو نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کیا تھا، اس میں سر کٹے، دھڑ گرے، عمارتیں مسمار ہوئیں، شہر ویران ہوئے، کھیت جھلس گئے، دولت و ثروت پر ڈاکہ پڑا بلکہ اس سے بڑھ کر نقصان یہ ہوا کہ مسلمانوں کے علمی

(بقیہ حاشیہ صـــ سے) معلوم نہیں۔ غالباً یہ کتابیں بھی ۳۵۶ھ کی اس طوائف الملوکی اور خانہ جنگی میں ضائع ہو گئیں جو مصر میں چرکس حکومت کے زمانہ میں ہوئی جس سے بہت سی گراں بہا اور نادر و نایاب کتابیں ضائع ہو گئیں۔

[۱] حسن التقاضی ص ۳۲ تا ۳۴ وسیر الصحابہ جلد ۸ ومناقب موفق تذکرہ امام ابو یوسفؒ و الفہرست لابن الندیم ص ۲۸۶

Marfat.com

خزانے اور ان کے لازوال تصنیفی دفینے برباد ہو گئے اور یہ نقصان ایسا ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

جو کچھ آپ کما کر لاتے ہیں وہی حاضر ہے

امام ابو یوسفؒ جب تحصیلِ علم سے فارغ ہوئے تو نکاح کر لیا اور بعض روایات کے مطابق زمانۂ طالب علمی میں آپ کا نکاح ہو چکا تھا مگر غربت و افلاس اور عسرت و ناداری ہنوز جاری تھی۔ آپ کے افلاس اور ناداری کے واقعات میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں عسرت اور تنگدستی کی وجہ سے کاغذ خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے، مذبح خانے سے جانوروں کی ہڈیاں اور پسلیاں اٹھا لاتے اور ان پر مسائل قلمبند فرماتے ایک روز تھکے ماندے گھر آئے، بیوی سے کھانا مانگا تو اس اللہ کی بندی نے وہی ہڈیاں لا کر سامنے رکھ دیں اور کہا:۔

"جو کچھ آپ کما کر لاتے ہیں وہی حاضر ہے"

بیوی کا یہ طعنہ سنکر آپ کو کسبِ معاش کی فکر ہوئی [1]

خوشدامن کا طعنہ

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے خود قاضی ابو یوسفؒ کے حوالے سے ایک اور دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے، لکھتے ہیں کہ خود امام ابو یوسفؒ فرمایا کرتے تھے کہ تحصیلِ علم اور علمی و مطالعاتی مشاغل کی وجہ سے میرا حال جب اس نوبت کو پہنچ گیا کہ قوتِ لایموت اور بقاءِ حیات کے لیے کوئی چیز بھی باقی نہ رہی تو اپنے سسرالی مکان کا ایک شہتیر نکلوا کر بازار میں بیچنے کے لیے میں نے اسے بھیجدیا، یہ بات میری خوشدامن صاحبہ کو معلوم ہوئی تو اسے بے حد ناگوار گذری اور دیکھا کہ اس کے چہرے پر کافی گرانی کے آثار ہیں بلکہ بڑی بی نے اس سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ سے کچھ تلخ ترش باتیں بھی کیں اور شاید یہی کہا ہوگا کہ "ابھی میری لڑکی کی قسمت پھوٹی ایسے آدمی سے بیاہی گئی جو خود تو کیا کھائے گا اور دوسروں کو کیا کھلائے پلائے گا اب

---

[1] ماہنامہ "الخیر" جامعہ خیر المدارس ملتان، بابت رجب المرجب ۱۴۰۷ھ

Marfat.com

میرے گھر کے شہتیر تک بیچ بیچ کر کھانے لگا ہے"۔ کہتے ہیں کہ ساس کے اس طرزِ عمل سے دل پر سخت چوٹ پڑی اور اب بات برداشت سے باہر ہوگئی ایسے حالات جب پیش آئے اور ادھر (خلیفہ وقت) مہدی کا اصرار بڑھنے لگا اور ساتھ ساتھ دینی سیاست اور حنفیت کی ترقی و عروج اور ترویج و نفاذ کے امکانات بھی ظاہر ہونے لگے تو امام ابو یوسفؒ نے مہدی کی حکومت میں قضا کا عہدہ قبول کر لیا۔ گو ابتداء میں آپ اس عہدہ کے قبول کرنے سے کتراتے رہے اور جس طرح ممکن ہو سکا زندگی گذارتے رہے لیکن جب بات یہاں تک پہنچی تب مجبوراً ملازمت اختیار کر لی۔[1]

امام ابو یوسفؒ نے قاضی القضاۃ یا وزارتِ عدل کا منصبِ جلیل کیوں قبول کیا تھا ــــ؟

امام اعظم ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ جیسے ائمہ کبار نے کسی بھی قیمت پر حکومتِ وقت کے ساتھ اشتراکِ عمل، عہدۂ قضا کی ذمہ داری قبول کرنے اور بعض حالات میں اضطراراً جواز اور بظاہر موافقِ فتویٰ ہونے کے بھی تقویٰ پر عمل کیا۔ ان کے اس قسم کے عزائم سے ان کی پوری زندگی بڑی بے چینی سے گذری، مگر انہوں نے سب کچھ ہو جانے کے امکانات کے باوجود نظامِ حکومت کے بدلنے اور اس میں انقلاب اور اصلاح پیدا کرنے کی غرض سے اس وقت کی اٹھنے والی مختلف قسم کی

---

[1] امام ابو حنیفہؒ کے دوسرے شاگرد قاضی حفص بن غیاثؒ کے حالات میں بھی لکھا ہے فرماتے تھے کہ جب مردار کا کھانا مجھ پر حلال ہو گیا تب میں نے قضا کا عہدہ قبول کر لیا۔ (امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی ص۳۴)

قاضی شریک کو بھی مجبوراً عہدۂ قضا قبول کرنا پڑا تو انہوں نے اس کو دین کے فروخت کرنے سے تعبیر کیا، ان کے الفاظ یہ ہیں بعتُ دینی (یعنی میں نے اپنے دین کو بیچ دیا) وہ لوگ مردار اور دین فروشی سے اس لیے اس کو تعبیر کرتے تھے کہ وہ مسندِ قضا پر بیٹھنے کے بعد اس جراءت اور آزادی کے ساتھ دینی احکام کی روشنی میں معاملات کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے جس آزادی سے وہ عہدۂ افتاء پر رہ کر کر سکتے تھے۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود امام ابو یوسفؒ نے قضا کا عہدہ کیوں قبول کیا؟ اس کی تفصیلات ہم نے اگلے صفحات میں لکھ دی ہیں۔

Marfat.com

دینی اور اصلاحی تحریکوں کا بھرپور اور اعلانیہ ساتھ دیا[1] ـــــــ مگر امام ابو یوسفؒ نے اپنے استاد اور اپنے رفقاء کی عام روش کے خلاف عہدۂ قضا کیوں قبول کیا؟ ہم ذیل میں اجمالاً اس کی کچھ توضیح کر دیتے ہیں۔

(۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اسلامی احکام کی ترویج اور غلبہ و تنفیذ کے لیے فقہاء اور مجتہدین کی ایک جماعت تیار کی تھی، اس کی غرض بھی یہ تھی کہ ذاتی طور پر وہ حکومت کے ساتھ ہر قسم کے اشتراکِ عمل، تعاون اور قضاء وغیرہ کے قبول کرنے سے بے نیاز رہیں مگر اپنے حلقۂ احباب اور تلامذہ میں اس قدر اسپرٹ اور اہلیت بھر دیں کہ مستقبل کی کوئی حکومت بھی ان کے تلامذہ کے دیئے ہوئے خاکہ پر عمل کیے بغیر ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے۔

(۲) یہ بجا ہے کہ تاریخ میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ عملاً امام ابو یوسفؒ کو ملا مگر اس کے لیے فضا اور ماحول کی سازگاری اور عہدہ کی تجویز و ایجاد اس سے قبل امام اعظم ابو حنیفہؒ کر چکے تھے۔

(۳) پھر امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ تو ایسے قاضیوں میں سے تھے کہ بقول امام اعظمؒ قاضیوں اور مفتیوں کو تیار کر سکتے تھے۔

(۴) شرعی احکام کی ترویج و اشاعت میں علمی قوت کے ساتھ سیاسی قوت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جب اپنا ایمان اور اسلام محفوظ رہے اور سیاسی قوت کے بل بوتے پر نفاذِ شریعت اور ترویج احکام کا مقدس کام انجام پذیر ہو سکے تو پھر عہدۂ قضا یا وزارتِ عدل قبول کر لینا یا حکومت کے ساتھ کسی بھی صورت میں اشتراکِ عمل کر لینا شرعاً مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔ امام ابو یوسفؒ دین کی مصلحت اسی میں سمجھتے تھے کہ عہدۂ قضا کو قبول کر لیا جائے اور اس کے ذریعہ اسلامی نظام کے ان قوانین کو نافذ کیا جائے جو امام اعظم ابو حنیفہؒ کی وفات کے بعد خود انہوں نے اور ان کے احباب نے کتاب و سنت سے مستنبط کیے تھے۔ امام محمدؒ سے

---

[1] اس مسئلہ کی توضیح احقر نے اپنے رسالہ "امام اعظم ابو حنیفہؒ کا نظریۂ انقلاب و سیاست" میں کر دی ہے، جو "دفاع امام ابو حنیفہؒ" میں گیارہویں باب اور علیحدہ مستقل کتابچہ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

Marfat.com

امام ابو یوسفؒ نے عہدۂ قضا کے قبول کر لینے کی سفارش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر آپ اس عہدہ کو قبول کرلیں گے تو یہ ہمارے مسلک کی ترویج کا ایک ذریعہ ہاتھ آجائے گا۔ اس واقعہ کا تفصیلی تذکرہ **امام محمدؒ** کے حالات میں کر دیا گیا ہے۔

⑤ امام ابو یوسفؒ کی سترہ سالہ قضا و افتاء اور وزارتِ عدل و انصاف کے منصبِ جلیل کی پوری تاریخ امت کے سامنے ہے کہ وہ اپنے استاذ کی ہدایت، تعلیم اور ان کے طریقِ کار کے مطابق اپنے مجددانہ عزم اور ارادہ کے ساتھ حکومت میں ہوتے ہوئے اس کی غلط پالیسیوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گئے تو اس سے بڑی حد تک زمانہ کی رفتار اور حکومت کی پالیسیوں کا رُخ مڑ گیا ـــــ امام ابو یوسفؒ نے اپنی جرأت، دینی حمیت اور اظہارِ حق سے قضا اور وزارتِ عدل کے عہدہ کو اس قدر اونچا اور بلند کر دیا کہ مطلق العنان خلفاء تک کو ان کے فیصلوں کے آگے سر جھکا دینا پڑتا تھا ـــ اس سلسلہ کے کئی ایک واقعات ہم نے اس کتاب میں درج کر دیئے ہیں۔

⑥ بعض تذکرہ نگاروں نے اس کی وجوہات میں خوشدامن کے طعنہ اور بیوی کی تعریضات کا بھی ذکر کیا ہے (جیسا کہ اپنی جگہ تفصیل سے ہم نے اس سلسلہ کے بعض واقعات نقل کر دیئے ہیں) ممکن ہے عہدۂ قضا کے قبول کرنے میں ایسے محرکات کا بھی دخل ہو، مگر اصلاً ایسے واقعات زیبِ داستان کے لیے عوامی مجالس میں تو چھیڑے جا سکتے ہیں علمی اور تحقیقی مجالس اور خود امام ابو یوسفؒ کی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کے پیشِ نظر ایسی توجیہات بجائے خود کمزور اور توجیہ بمنزلہ توجیہ کے زمرہ میں آجاتی ہیں ترجیحی اعتبارات میں انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی۔

بہر حال ہمارے خیال میں یہی وہ اسباب اور وجوہ تھے جن کی بنا پر اربابِ علم، اہلِ تقویٰ اور خود امام ابو یوسفؒ عہدۂ قضا کے قبول کر لینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ ممکن ہے کہ اس کے ساتھ معاشی تنگی اور پریشانی بھی امام ابو یوسفؒ کے عہدۂ قضا کے قبول کر لینے کا ایک سبب ہو لیکن اس کو مستقل سبب ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا، ورنہ اگر امام ابو یوسفؒ کو یہ توقع نہ ہوتی کہ ان کے کیے ہوئے فیصلوں میں کوئی قوت حارج ہو گی یا اسلامی انقلاب

Marfat.com

اور غلبۂ شریعت کا کام نہیں ہو سکے گا یا اپنے اندر اس قسم کی کمزوری پاتے کہ وہ ارباب حکومت کی خاطر اور پاسداری میں اظہارِ حق سے باز رہ جائیں گے تو یقیناً اپنے استاذ امام ابو حنیفہؒ کی طرح وہ موت کو پسند کرتے لیکن اس عہدہ کے قریب نہ جاتے ۔۔۔ اور مجھے علیٰ وجہ البصیرت یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ امام ابو یوسفؒ کا عہدۂ قضا قبول کرنا بھی امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تعلیم و اور مستقبل کی سیاسی پالیسی کا ایک حصہ تھا۔

یہودی کا طنز اور اللہ تعالیٰ کا جلال

امام ابو یوسفؒ کے زمانۂ فقر و عسرت اور تنگدستی کا قصہ ہے کہ آپ کے مکان کی گلی میں ایک یہودی نے اپنی دیوار کچھ اس طرح سے بڑھا کر بنائی کہ اس سے عام گلی تنگ ہو گئی، امام ابو یوسفؒ نے یہودی کے اس ناجائز فعل پر اعتراض کیا تو یہودی نے بطور طعنہ اور طنزاً کہا کہ:-

"جناب! جب آپ کی سواری نکلے گی اور راستہ تنگ ہو گا تو میں دیوار گرا دوں گا۔"

خدا تعالیٰ کو اس یہودی کا یہ طعنہ اور طنز پسند نہ آیا اور امام ابو یوسفؒ کو منصبِ قضا اور عدل و انصاف کی با اختیار وزارت کا جاہ و جلال عطا فرما دیا اور جب آپ کی سواری شان و شوکت، تزک و احتشام اور اجلال کے ساتھ اسی گلی سے گزری تو قاضی ابو یوسفؒ نے یہودی کو اس کا وعدہ یاد دلایا جس پر اسے دیوار گرانا پڑی۔[1]

اظہارِ حق اور امر بالمعروف

امام ابو یوسفؒ اظہارِ حق میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے خواہ وہ سلطان ہی کیوں نہ ہوتا، وہ کسی بھی صاحبِ وجاہت اور صاحبِ حکومت کو دین کے معاملہ میں خاطر میں نہ لاتے۔ یہی وجہ تھی کہ خدا تعالیٰ کی مدد ان کے شاملِ حال ہوتی تھی، خود بادشاہ سے بھی اگر کوئی نامناسب اور دین کے خلاف بات صادر ہوتی تو صاف کہہ دیتے کہ عہدۂ قضا کے لحاظ سے میں تمہارا مطیع ہوں لیکن کسی غلطی پر آپ کو متنبہ کر دینا میرا فرض ہے۔ جب بھی ان کی عدالت میں کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو راعی اور رعیت، غنی اور فقیر، ملوک اور راہزن سب کو ایک

---

[1] ماہنامہ الخیر ملتان بابت رجب ۱۴۰۷ھ

Marfat.com

صف میں رکھتے تھے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے ان کے رتبہ کو بلند کر دیا تھا اور اسلام میں قضا کا معیار بھی ان ہی امثال و روایات کی بناء پر رفیع ہو گیا۔ اسلام کی پیدا کردہ حریت، آزادی فکر اور آزادی نطق و کلام کی اصل روح کو ائمہ احناف بالخصوص امام ابو یوسفؒ نے قائم رکھا۔ ہر طرح کے فاسد، لرزہ خیز اور مہیب حالات میں بھی نہ ان کے قدموں میں لغزش پیدا ہوئی نہ ان کی زبان لڑکھڑائی، انہوں نے وہی کیا جسے حق سمجھا اور وہی کیا جو ان کے نزدیک مبنی بر صواب تھا خواہ نتائج کتنے ہی مہلک اور خطرناک کیوں نہ ہوں۔

خلیفہ ہارون رشید کے نام امام ابو یوسفؒ کی ہدایات

امیر المؤمنین! خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک بڑی ذمہ داری (حکومت) آپ کے سپرد کی ہے اس کی ادائیگی کا ثواب بھی تمام ثوابوں سے بڑا اور اعلیٰ ہے اور اس میں کوتاہی کی سزا بھی تمام سزاؤں سے بدتر اور سخت تر ہے، آپ کے سپرد اس امت مسلمہ کے تمام معاملات کیے گئے ہیں، آپ دن رات کوشش کریں کہ ان کے حقوق کی بنیادیں مستحکم ہوں اور آپ ان کے جان و مال کے امین ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ ذمہ داری ڈال کر آپ کی آزمائش کی ہے —— میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے خوف اور ڈر پر جس تعمیر کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی اُس کے لیے ہر وقت خطرہ ہے کہ کسی وقت خدائے قدوس اوندھے منہ بنانے والے کے اوپر اسے گرا دے۔ تو آپ امت اور عام رعیت کے افراد کی اور ان کے حقوق کی حفاظت کی اور ان کے معاملات کی دیکھ بھال میں کوتاہی نہ کریں عمل میں خدا قوت بخشتا ہے —— آج کے کام کو کل پر نہ اٹھا رکھیئے اگر آپ نے ایسا کیا تو نقصان ہوگا۔ وقت کو توقع اور امید کے ساتھ نہ رکھیئے بلکہ وقت کو عمل کے ساتھ رکھیئے (یعنی امید پر کوئی کام اٹھا نہ رکھیے بلکہ ہر کام وقت پر کیجئے) ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے وقت کے بعد کام بیکار ہے —— پھر بہت سی نصیحتیں کرنے کے بعد فرماتے ہیں:—— قیامت کے دن وہی حکمران سب سے زیادہ خوش بخت ثابت ہوگا جس نے اپنی رعیت کو خوشحال رکھنے کی کوشش کی —— دیکھیئے آپ کسی معاملہ میں جادۂ مستقیم سے نہ ہٹیئے گا ورنہ آپ کی رعیت بھی ہٹ جائے گی۔ خبردار! کسی معاملہ میں خواہش نفسانی اور اپنے

Marfat.com

غیظ و غضب کو دخل نہ دیجئے گا، جب دین و دنیا میں کش مکش کی صورت پیدا ہو جائے تو چاہیئے کہ آپ دین کے پہلو کو اختیار کریں اور دنیا کو چھوڑ دیں، دین باقی رہنے والی چیز ہے اور دنیا فانی ہے۔ آپ تمام کو خدا کے قانون کے لحاظ سے برابر سمجھیں خواہ وہ آپ کے قریب کے ہوں یا بعید کے ہوں، اللہ کے قانون کے نفاذ میں آپ ملامت کرنے والوں کی بالکل پرواہ نہ کیجئے۔[1]

شجاعت و حق پرستی اور انصاف کے تقاضے

اسلام نے حریت و آزادیٔ فکر اور آزادیٔ نطق و کلام کی جو روح اپنی امت میں پیدا کی تھی وہ بہت جلد اضمحلال کا شکار ہو گئی، لیکن اگر کسی نے اسے قائم اور باقی رکھا وہ علماء اسلام اور بالخصوص ائمہ احناف تھے۔ ہر طرح کے فاسد، لرزہ خیز اور مہیب حالات میں بھی نہ ان کے قدموں میں لغزش ہوئی نہ ان کی زبان لڑکھڑائی، انہوں نے وہی کیا جسے حق سمجھا اور وہی کیا جو اُن کے نزدیک مبنی بر صواب تھا خواہ نتائج کتنے ہی مہلک اور خطرناک کیوں نہ ہوں۔

امام ابو یوسفؒ بھی اسی قافلہ کے ایک فرد تھے جب تک زندہ رہے پوری صداقت، خلوص، جرأت، بے خوفی، دلیری اور عدل و انصاف کے ساتھ اس راستے پر گامزن رہے۔ ذیل میں اس سلسلہ کا ایک واقعہ درج کیے دیتا ہوں جسے امام صاحبؒ کے تمام سوانح نگار نقل کرتے چلے آئے ہیں، لکھا ہے کہ:۔

امام ابو یوسفؒ کے منصب قضا پر تقرر کے بعد ایک مرتبہ امیر المؤمنین ہادی کے ایک باغ پر کسی شخص نے دعویٰ دائر کر دیا۔ مقدمہ بظاہر امیر المؤمنین کے حق میں تھا کہ قانونی طور پر اس کا پہلو زبردست تھا مگر درحقیقت واقعہ اس کے خلاف تھا۔ امام ابو یوسفؒ اپنی فقہی فراست سے اصل صورتحال پر آگاہ ہو گئے تھے، وہ چاہتے تھے کہ ظاہری اور قانونی تقاضوں سے قطع نظر "حق بہ حقدار رسید" کر دیا جائے۔ چنانچہ کسی موقع پر امیر المؤمنین ہادی سے

---

[1] مقدمہ کتاب الخراج

Marfat.com

نشست کے موقع پر باغ کا تذکرہ چھیڑ دیا گیا، امیر المؤمنین نے امام ابو یوسفؒ سے دریافت کیا کہ فلاں باغ کا معاملہ جو آپ کی عدالت میں دائر ہے اس کی کیا صورتحال ہے اور آپ اس میں کیا کرنا چاہتے ہیں؟

قاضی ابو یوسفؒ اپنے فیصلے اور عدالتی طریقۂ کار اور ظاہری صورت حال سے قطع نظر ذہنی طور پر ہادی کو آمادہ کر کے عدل و انصاف کے تقاضوں پر عمل کرانا چاہتے تھے، فرمانے لگے:۔

امیر المؤمنین! مدعی کی درخواست اور اصرار یہ ہے کہ امیر المؤمنین سے اس بات کا حلف لیا جائے کہ ان کے گواہ سچے ہیں۔

ہادی نے پوچھا کیا مدعی کی درخواست واجبی ہے اور کیا آپ مجھے حلف اٹھانے کا حکم دیں گے؟

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کا فتویٰ تو یہی ہے۔ (اور باغ کے کیس میں تو میں اس پر عمل کروں گا) ــــــ خلیفہ جھوٹی قسم کے تصور سے لرز گیا اور قاضی ابو یوسفؒ سے عرض کیا: ''میں مدعی کو باغ واپس کیے دیتا ہوں۔''

یہ امام ابو یوسفؒ کی ایک تدبیر تھی جو کارگر اور تیر بہدف ثابت ہوئی[1]

عدل و انصاف کی عدالت میں شاہ و گدا سب برابر ہیں

امام ابو یوسفؒ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید اور ایک یہودی کا مقدمہ امام ابو یوسفؒ کی عدالت میں پیش ہوا اور اس سلسلہ میں دونوں آپ کے پاس عدالت میں حاضر ہوئے۔ تاہم یہودی کو ایک عام رعیت کی حیثیت ہونے کے پیشِ نظر احساس کمتری بھی تھا، اس لیے وہ خلیفہ سے ذرا پیچھے ہٹ کر قاضی ابو یوسفؒ کے سامنے بیٹھ گیا۔ مگر قاضی صاحبؒ سے یہ تفاوت بھی نہ برداشت کیا گیا اور کھلی عدالت میں یہودی کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

---

[1] مناقب موفق تذکرہ ابو یوسف وتاریخ بغداد واخبار القضاۃ

Marfat.com

"ذرا آگے اور قریب آکر خلیفہ کے برابر بیٹھ جاؤ، یہ اسلامی عدالت ہے اس میں ایک کو دوسرے پر کوئی تقدم اور تفوق نہیں، عدل وانصاف کی عدالت میں شاہ و گدا سب برابر ہیں"[1]

ہارون رشید کے دربار میں زندیق کے قتل کا فیصلہ

قاضی ابو یوسفؒ کے سوانح نگاروں نے عثمان ابن حکیم کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک زندیق خلیفہ ہارون رشید کی خدمت میں پیش کیا گیا، ہارون رشید نے امام صاحبؒ کو طلب کیا، جب وہ تشریف لے آئے تو کہا آپ اس زندیق سے بحث اور مناظرہ کیجئے۔ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا:۔

"اے امیر المؤمنین! جلاد کو طلب کیجئے، چمڑے کا نطع بچھوائیے، پھر اس شخص پر اسلام پیش کیجئے، اگر قبول کرلے تو بہت اچھا ورنہ گردن اڑا دیجئے، یہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے مناظرہ کیا جائے یہ تو اسلام قبول کر کے اس سے منحرف ہو چکا ہے"[2]

امام کسائیؒ کا نحوی اعتراض اور امام ابو یوسفؒ کا فقہی جواب

ایک دفعہ ہارون رشید کے زیر نگرانی امام ابو یوسفؒ اور امام کسائیؒ کے درمیان خوب مناظرہ ہوا جو نحوی انداز کا تھا، سب سے پہلے خود خلیفہ نے امام ابو یوسفؒ پر چند سوالات کیے پھر امام ابو یوسفؒ کے جواب پر امام کسائیؒ نے نحوی اصول کے تحت جرح کی۔

سوال نمبر۱: ہارون رشید! انت طالق تین بار کہنے سے کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟ شریعت کے مطابق اس کا واضح جواب دیجئے۔

جواب: امام ابو یوسفؒ! اس کلام سے ایک طلاق واقع ہوگی۔

سوال نمبر۲: انت طالق، او طالق، او طالق سے کتنی طلاقیں ہوں گی؟

---

[1] حدائق الحنفیہ تذکرہ امام ابو یوسفؒ [2] مناقب موفق ص۲۹۷ و تاریخ بغداد

Marfat.com

اس کا واضح جواب مرحمت فرمائیں۔

جواب :۔ اس صورت میں بھی ایک طلاق ہوگی۔

سوال ۳ :۔ انت طالق ثم طالق سے کتنی طلاقیں ہوں گی؟

جواب :۔ اس صورت میں بھی ایک طلاق واقع ہوگی

سوال ۴ :۔ انت طالق وطالق وطالق سے کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

جواب :۔ ان الفاظ سے بھی ایک طلاق واقع ہوگی۔

تنقید کسائیؒ :۔ جب امام ابو یوسفؒ نے ان چاروں سوالوں کا جواب دے دیا تو امام کسائیؒ نے فرمایا کہ یا امیر المؤمنین! امام ابو یوسفؒ کے دو جواب ٹھیک ہیں اور دو غلط ہیں۔ یعنی صورت اول ٹھیک ہے، اس لیے کہ انت طالق سے ایک طلاق ہوئی، طالق طالق بطور تاکید کہا، اس کی صحت میں شک نہیں۔

صورت دوم کا جواب بھی درست ہے، اس لیے کہ انتِ طالق سے بصیغہ تیقن ایک طلاق واقع ہوگی، اس کے بعد او طالق او طالق میں شک کی وجہ سے کوئی طلاق نہ پڑے گی۔

صورت سوم کا جواب یہ ہے کہ غلط ہے کہ انت طالق ثم طالق میں بجائے ایک کے تین طلاقیں واقع ہوں گی اس عبارت میں لفظ ثم سے بالترتیب طلاق دی گئی ہے۔

صورت چہارم کا جواب بھی ٹھیک نہیں، اس لیے کہ انت طالق وطالق وطالق میں بھی بجائے ایک کے تین طلاقیں ہوں گی، اس صورت میں واؤ عاطفہ ترتیب پر دلالت کرتی ہے، یہ اصولِ نحو سے غلط ہے۔

جواب اور اس کا حل امام ابو یوسفؒ سے ایسی غلطی کا صادر ہونا نہایت تعجب خیز امر ہے۔

در اصل حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ عباسی نے طلاق غیر مدخولہ کے متعلق سوال کیا تھا اس قسم کے سوال کے مطابق چار صورتوں میں صرف ایک طلاق بائن پڑے گی، کیوں کہ فقہاء نے مدخولہ اور غیر مدخولہ کی خوب وضاحت کی ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ صورت اول وثانی میں تو بحث نہیں، صوت ثالث وصوت الرابع

Marfat.com

میں جب غیر مدخولہ کو ایک طلاق پڑ گئی تو محل طلاق نہ رہا، لہٰذا تمام صورتوں میں ایک طلاق واقع ہو گی ـــــ یہ تاویل بے جا نہیں، ظاہر ہے کہ علامہ کسائیؒ اصولِ نحو کے عالم تو تھے مگر فقہ سے ناآشنا، پھر غلطیوں کا علاقہ ہے ہر فریق کر سکتا ہے، جیسا کہ علامہ کسائیؒ اپنی غلطی کا اعتراف خود کرتے ہیں کیونکہ اپنی غلطی ماننا عیب نہیں [1]

باجماعت نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے خلیفہ کا چہیتا وزیر مردود الشہادت قرار پایا

قاضی ابویوسفؒ نے خلیفہ کے ایک چہیتے وزیر کو مردود الشہادت قرار دیا، یعنی کسی مقدمہ میں وزیر نے قاضی ابویوسفؒ کی عدالت میں گواہی دی تھی خلیفہ کے بعد جو سب سے بڑا وزیر تھا، قاضی ابویوسفؒ کی عدالت میں اسے سنایا جا رہا ہے کہ تمہاری شہادت قابلِ قبول نہیں قرار دی جا سکتی۔

وزیر نے اسے اپنی سُبکی اور توہین خیال کرتے ہوئے قاضی ابویوسفؒ کی عدالت سے سیدھا خلیفہ کے دربار میں پہنچا اور قاضی ابویوسفؒ کے اس برتاؤ کی خلیفہ سے شکایت کر دی۔ وزیر کی اس شکایت پر ہارون رشید نے قاضی ابویوسفؒ کو بلا کر دریافت کیا کہ اس بے چارے کو آپ نے کیوں مردود الشہادت قرار دیا؟

روایتیں مختلف ہیں، مثلاً:۔

(الف) بعض کہتے ہیں کہ قاضی صاحبؒ نے کہا کہ میں نے اپنے کانوں سے اس شخص کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میں تو خلیفہ کا عبد، بندہ یا غلام ہوں۔

اُس زمانہ کے خوشامدی امیروں میں کچھ یہ دستور چل پڑا تھا کہ اپنے آپ کو خلیفۂ وقت کا عبد اور غلام کہتے تھے۔ درحقیقت یہ لوگ خلیفہ کے نہیں درہم اور دینار کے بندے تھے۔ ایسا کہنے والے تمام اُمراء کو قاضی ابویوسفؒ نے مردود الشہادۃ قرار دے دیا تھا۔

(ب) اور بعض روایتوں میں ہے کہ قاضی صاحبؒ نے وزیر مذکور پر جرح کی کہ یہ جماعت

---

[1] تاریخ علم النحو ص۳۲

Marfat.com

ے ساتھ نماز نہیں پڑھتا اور میں ایسے آدمی کی شہادت قبول نہیں کر سکتا۔

خلیفہ ہارون رشید خاموش رہا اور حنفی قاضی کی عظمت اور عوامی دباؤ کے پیشِ نظر ے حکومت کے وقار کا مسئلہ نہ بنا سکا۔ بعض دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بالآخر ں وزیر نے اپنی ڈیوڑھی میں مسجد بنائی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا پابند ہو گیا۔[1]

ام ابو یوسفؒ کا ایک جواب مف سلطنت کے برابر ہے

امام ابو یوسفؒ نہایت ذکی ذہین اور حاضر جواب تھے، جب بھی کوئی مسئلہ یا اہم بات سامنے آتی تو اس کو فوراً حل فرماتے اور سلجھا ہُوا جواب ۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ حج کے لیے تشریف لے گئے، ظہر یا عصر کے ت انہوں نے نماز کی امامت کی، چونکہ یہ مسافر تھے اسلیئے نماز کا قصر کیا، یعنی دو رکعت ے بعد سلام پھیر کر نمازیوں سے کہا کہ اپنی نمازیں پوری کر لو میں مسافر ہوں[2]

تو اہلِ مکہ میں سے ایک شخص نے نماز ہی میں کہا: "ہم لوگ یہ مسئلہ تم سے اور ں نے تم کو سکھلایا ہے اس سے بہتر جانتے ہیں"۔ ــــــ امام ابو یوسفؒ نے کہا و ٹھیک ہے لیکن اگر تم کو یہ مسئلہ معلوم ہوتا تو نماز میں بات چیت نہ شروع کر دیتے"۔ ں جواب پر ہارون رشید بہت خوش ہُوا اور اُس نے کہا کہ اگر نصف سلطنت کے لے مجھے یہ جواب مل جاتا تو بھی میں پسند کرتا۔

ون رشید کا اشتیاق اور م ابو یوسفؒ کی استغناء

ایک مرتبہ ہارون رشید نے امام ابو یوسفؒ سے کہا: "جناب! آپ ہمارے پاس بہت کم آیا کرتے ہیں مَیں ہر وقت آپ کی صحبت اور زیارت کا تاق رہتا ہوں"۔ ــــ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ: "یہ اشتیاق اُس وقت تک ہے ب تک کہ میں کم آتا ہوں، جب زیادہ آنے لگوں گا تو اشتیاق و اعزاز باقی نہیں رہے گا"۔

ے دفاع امام ابو حنیفہؒ صفحہ ۱۶۵ بحوالہ مناقب موفق تذکرہ امام ابو یوسفؒ

ے حسن التقاضی صفحہ ۱۷ و مناقب کردری تذکرہ امام ابو یوسفؒ

Marfat.com

ہارون رشید نے اس جواب کی زبردست تحسین فرمائی [1]

امام ابویوسفؒ کی تدبیر اصلاح اور حق گوئی و بے باکی

سعید بن عثمانؒ الزیات اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ـــــ ایک مرتبہ جمعہ کے روز مدینۃ ابی جعفر میں ایک شخص خلیفہ ہارون رشید کے سامنے کھڑا ہوا جبکہ وہ منبر پر خطبہ دے رہا تھا، اس شخص نے علی الاعلان برسرِ منبر بادشاہ کو ٹوک دیا اور کہا "خدا کی قسم! تم تقسیمِ دولت میں مساوات کو ملحوظ نہیں رکھتے اور نہ رعایا کے ساتھ عدل کرتے ہو، تم نے یہ کیا، تم نے وہ کیا وغیرہ"

خلیفہ ہارون رشید کے حکم سے وہ شخص فوراً گرفتار کر لیا گیا اور نماز جمعہ کے بعد اس کے حضور پیش کیا گیا۔ ہارون رشید نے امام ابویوسفؒ کو بلوایا، جب وہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ شخص ہتھکڑی اور بیڑی میں جکڑا ہوا کھڑا ہے اور دو جلاد اس کے سر پر کوڑے لیے کھڑے ہیں، خلیفہ ہارون رشید امام ابویوسفؒ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا:

اے یعقوب! اس شخص نے جو تمہیں ہتھکڑیوں میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے مجھ سے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں جو آج تک کسی کو کہنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔

امام ابویوسفؒ نے عدل وانصاف، صلح وآشتی، عفو و درگذر اور حق و راستی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ہارون رشید سے کہا:۔

اے امیرالمؤمنین! اس میں کون سی بات ہو گئی، اس طرح کی باتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی کی گئی ہیں اور آپؐ نے معاف کر دیا ہے اور درگذر سے کام لیا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم دی اور کہا: "میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ عدل کیجئے" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا "اگر میں عدل نہ کروں گا تو کون کرے گا؟" اور یہ فرما کر اسے معاف کر دیا ـــــ اور ایک مرتبہ اس سے بھی زیادہ سنگین واقعہ ہوا، حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری مدعی اور مدعا علیہ بن

---

[1] مصباح السعادۃ جلد۲ صفحہ ۱۰۴

Marfat.com

ور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے رت زبیرؓ کے حق میں فیصلہ دیا، اس پر انصاری نے کہا "یا رسول اللہ! کیا یہ فیصلہ آپ نے لیے کیا ہے کہ زبیرؓ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں"، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو معاف کر دیا۔

قاضی امام ابو یوسفؒ کی نرم، نصیحت آموز اور مبنی بر اخلاص گفتگو ہارون رشید سے جابر، مطلق العنان اور خود پرست خلیفہ نے سنی تو اس کا دل بھی پسیج گیا، غصہ ٹھنڈا لیا اور اُس گرفتار شخص کی رہائی کا حکم دے دیا[1]

یاساتِ حضرت عمرؓ سے مخالفت کا اعتراض اور امام ابو یوسفؒ کا جواب

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں یہ عرض کیا گیا ہے کہ "کتاب الخراج" امام ابو یوسفؒ کا ایک تفصیلی مکتوب ہے جو انہوں نے لیفہ ہارون رشید کے نام لکھا تھا۔ اس میں انہوں نے حکومت کے مالی وسائل اور رائع اور آمدنی کی تفصیلات کا ذکر کیا ہے۔ ان کا زیادہ اعتماد قرآنی دلائل، احادیثِ نبویہؐ ر صحابۂ کرامؓ کے فتاویٰ پر ہے۔ احادیث روایت کرکے ان سے علل کا استنباط اور ضرات صحابہؓ کا ان پر عمل کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے اقوال سے ان کے افعال کا بنٰی سے نکالتے ہیں اور جب قیاس و رائے میں صحابۂ کرامؓ کی مخالفت کرتے ہیں تو سے علل پر مبنی قرار دیتے ہیں۔

آپ کے بعض قیاسات جب حضرت عمرؓ کی رائے کے خلاف معلوم ہوتے تو آپ پنے قیاس پر فرضی اعتراض وارد کر کے اس کا جواب دیتے مثلاً وہ ایک فرضی اعتراض وارد کرکے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"ابو یوسفؒ سے دریافت کیا گیا کہ اہلِ خراج کی اراضی سے حاصل شدہ غلے اور ان کے پھل دار درختوں مثلاً کھجور، انگور اور دیگر اشجار کے پھلوں میں آپ جو ایک مخصوص تقسیم کے قائل

---

[1] سیر الصحابہ جلد ۸ صفحہ ۹۰، ۹۱ و حسن التقاضی صفحہ ۶۳

Marfat.com

ہیں، اس کی کیا دلیل ہے؟ آپ نے حضرت عمرؓ کی پیروی کرتے ہوئے وہی خراج کیوں نہیں لیا جو حضرت عمرؓ نے اہلِ خراج کی اراضی، کھجوروں اور درختوں پر مقرر کیا تھا جبکہ اہلِ خراج اس پر راضی تھے اور بخوشی اسے برداشت کرتے تھے۔"

ابویوسفؒ نے جواب دیا۔ "حضرت عمرؓ کو بخوبی علم تھا کہ جو خراج اس زمین پر کیا گیا ہے وہ اس کی حیثیت سے زیادہ نہیں اور زمین اسے برداشت کرنے کے قابل ہے۔ آپ نے خراج مقرر کرتے وقت یہ نہیں فرمایا تھا کہ اہلِ خراج کے لیے ہمیشہ یہ ادائیگی ضروری ہے اور مجھے اور میرے جانشینوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس میں کمی بیشی کر سکیں، بلکہ سرزمین عراق میں آپ کے عامل حذیفہؓ اور عثمانؓ جب وہاں کی بہترین پیداوار لے کر آئے تو آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: 'شاید تم نے اس زمین پر اتنا خراج مقرر کیا ہے جسے وہ برداشت کرنے کے قابل نہیں'، حضرت عمرؓ کے الفاظ اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ اگر آپ کے عامل اعتراف کر لیتے کہ زمین خراج کی اتنی بھاری رقم کو برداشت نہیں کر سکتی تو آپ ضرور اسے کم کر دیتے اور اگر آپ کا مقرر کردہ خراج قطعی اور حتمی ہوتا اور اس میں کمی بیشی کا امکان نہ ہوتا تو آپ ان سے ہرگز نہ پوچھتے کہ زمین قابلِ برداشت ہے یا نہیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اس میں کمی یا اضافہ کا احتمال نہ ہو جبکہ عثمان بن حنیفؓ حضرت عمرؓ کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: "زمین کے لیے یہ خراج قابلِ برداشت ہے اور اگر میں چاہوں تو اسے دُگنا کر دوں"۔ کیا عثمانؓ یہ ذکر نہیں کر رہے ہے کہ ان کا مقرر کردہ خراج حدِّ اعتدال سے زائد نہیں؟ اور اس میں ابھی اضافہ کا امکان ہے، حذیفہؓ حضرت عمرؓ کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں "میں نے زمین پر جو خراج مقرر کیا ہے وہ اسے برداشت کر سکتی ہے اور اس میں کوئی زیادتی نہیں"۔[1]

امام ابویوسفؒ کی دانائی کام آئی۔

خلیفہ ہارون رشید اور ملکہ زبیدہ کے درمیان کسی بات پر نزاع ہو گیا، بات بڑھ گئی اور ملکہ نے شاہی مزاج کے خلاف کوئی بات کہہ دی جس پر خلیفہ بگڑ گیا اور جذباتی طور پر بیوی سے

---

[1] کتاب الخراج

Marfat.com

یہ کہہ دیا کہ :-

"اگر آج ہی تو میری مملکت سے نہ نکل جائے تو تجھ پر طلاق ہے۔"

جب غصہ کافور ہوا، حواس ٹھکانے لگے تو دونوں نادم ہوئے، مگر اس کا اب کیا تدارک ہو، بڑے سٹپٹائے، بالآخر قاضی ابویوسفؒ کی دانائی کام آئی، انہوں نے فرمایا کہ :-

"خلیفہ کی حکومت شرقاً غرباً پھیلی ہوئی ہے اس سے باہر جانا تو ممکن نہیں، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ملکہ زبیدہ خانۂ خدا (مسجد) میں چلی جائے کہ وہ (خلیفہ کی) سلطنت میں نہیں آتا۔"

قاضی صاحبؒ کی اس تدبیر پر عمل کیا گیا اُلجھا ہوا مسئلہ سُلجھ گیا، اس جواب سے خلیفہ اور ملکہ دونوں نہال ہو گئے اور قاضی ابویوسفؒ کو بیش بہا تحائف سے مالا مال کیا گیا۔[1]

امام ابویوسفؒ کی سوانح اور حالاتِ زندگی اور طرزِ سیاست وانقلاب کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکھر کر سامنے آتا ہے کہ اُن کا رویّہ اور اصول عام علماء سے مختلف مگر معتدل تھا۔

عام طور پر سلاطین وخلفاء کے دربار میں علماء کا رویّہ یہ ہوتا ہے کہ بس اُن کی ہاں میں ہاں ملائے چلے جاتے ہیں یا اعلاء کلمۃ الحق اس زور شور سے کرتے ہیں کہ اصلاح کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔

امام ابویوسفؒ نے بین بین کا راستہ اختیار کیا، انہوں نے خلفاء کی مجالست کی اور انہیں راہِ ثواب پر بڑی حد تک گامزن رکھا۔

امام ابویوسفؒ کی وسعتِ قلبی کا ایک دلچسپ قصہ

اسی سلسلہ کا ایک دوسرا دلچسپ قصہ علامہ زاہد الکوثریؒ نے اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے لکھتے ہیں ابراہیم بن الجراح کہا کرتے تھے کہ

---

[1] ماہنامہ الخیر ملتان بابت رجب ۱۴۰۷ھ

Marfat.com

جب میں نے تحصیلِ علم کی غرض سے بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں مشورہ کے لیے حاضر ہوا کہ بصرہ جا کر میں کس کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر استفادہ کروں تو امام ابو یوسفؒ بڑی شفقت سے پیش آئے اور ارشاد فرمایا "حماد بن زیدؒ بہت بڑے عالم ہیں ان کا تلمذ اختیار کر لو"۔

ابراہیم بن الجراحؒ کہتے ہیں چنانچہ میں بصرہ آیا اور حماد بن زیدؒ کی مجلسِ درس میں باقاعدگی سے حاضری دینے لگا مگر خدا کی قسم! مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی تھی کہ جب بھی حمادؒ کی مجلس میں امام ابو یوسفؒ کا ذکر ہوتا تھا تو نہایت ہی ناشائستہ اور اہانت آمیز الفاظ کے ساتھ، میں دل ہی دل میں کڑھا کرتا تھا آخر میں کر بھی کیا سکتا تھا ــــــ؟

ایک روز حسبِ معمول میں حمادؒ کے درس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت حاضر ہوئی اور اُس نے حمادؒ سے استدعا کی کہ "مجھے ایک دستاویز لکھ دیں" حماد بن زیدؒ جو ہمہ تن تدریس اور افادۂ علم میں مشغول تھے عورت کی یہ استدعا سُنکر کشمکش میں پڑ گئے، نہ تو اس عورت کو انکار کر کے اس کا دل توڑنا چاہتے تھے اور نہ طلبۂ حدیث سے جو شریکِ مجلس تھے بے توجہ ہونا چاہتے تھے ــــ ابراہیم بن الجراحؒ کہتے ہیں کہ میں نے حمادؒ کی اس ذہنی کشمکش کا اندازہ کر لیا اور ان کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! "عورت سے کہیئے کاغذ مجھے دے دے میں اسے لکھے دیتا ہوں اور آپ اپنے درس میں مشغول رہیئے"۔ عورت نے کاغذ مجھے دے دیا اور میں دستاویز لکھنے لگا، مجھے مصروف دیکھ کر حمادؒ درسِ حدیث سے رُک گئے کہ میں محروم نہ رہ جاؤں۔ میں نے عرض کیا حضرت! درس روکنے کی ضرورت نہیں میں اپنے کام میں مشغول ہوں آپ اپنا کام جاری رکھیئے، چنانچہ انہوں نے پھر درسِ حدیث شروع کر دیا، جب میں نے دستاویز لکھ لی اور ملاحظہ کے لیے حضرت حمادؒ کی خدمت میں پیش کر دی تو انہوں نے اسے پڑھا، بہت پسند کی اور خوش ہوئے اور مجھ سے پوچھا ابراہیم! تم نے یہ علم کس سے سیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت! اس شخص سے سیکھا ہے جس کا ذکر آپ کی مجلس میں ہمیشہ بُرے الفاظ میں ہوتا ہے۔ میں اُن سے رُخصت ہو کر جب بصرہ تحصیلِ علم کی غرض سے آنے لگا تو میں ان کی خدمت میں مشورہ کے لیے حاضر

Marfat.com

ہوا کہ میں بصرہ جا کر کس کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر استفادۂ علم کروں اور بصرہ میں میں کس کو اپنا استاذِ علم بناؤں، تو انہوں نے مجھے تاکید کی کہ "آپ کے سوا کسی اور کے دامنِ علم سے وابستہ نہ ہوں" —— حمادؒ یہ سُنکر ششدر رہ گئے اور مجھ سے پوچھا "لیکن کون ہے وہ شخص"؟ میں نے جواب دیا "وہ ابو یوسفؒ ہے"، نام سُنتے ہی حماد پر ندامت کے آثار طاری ہوئے۔ اور اس کے بعد انہوں نے جب بھی امام ابو یوسفؒ کا ذکر کیا تو ذکرِ خیر کے سوا کچھ نہ تھا۔[۱]

اس واقعہ میں عبرت و موعظت، ادب و احترام، اساتذہ سے تعلق و طلبِ علم اور اجتماعی حقوق کو ملحوظ رکھنے کے کئی ایک پہلو نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اہلِ روایت کیلئے امام ابو یوسفؒ کا دل بے حد وسیع تھا۔ ثانیاً یہ کہ ابراہیم بن الجراحؒ امام ابو یوسفؒ کے بھی شاگرد تھے اور حماد بن زیدؒ کے بھی، تاہم حمادؒ سے اپنے استاذ امام ابو یوسفؒ کی توہین برداشت نہ سکے مگر ان کے ازالۂ توہین کے لیے اپنے استاذ حمادؒ کی توہین بھی نہیں کی بلکہ مناسب موقعہ کے منتظر رہے۔ جب موقع مہیا ہوا تو پھر بغیر کسی تامل اور تاخیر کے تلافی کر کے رہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتماعی اور معاشرتی امور میں اگر حکمت و موعظت سے کام لیا جائے تو مخالف کو بھی کسی طرح موافق بنایا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں بھی ائمہ احنافؒ سے متعلق بڑے بڑوں کو غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی وجہ سے سوءِ ظن ہوا تھا اور ائمہ احنافؒ کی مخالفت کا یہ سلسلہ چہار طرف پھیلا ہوا تھا۔

ہمعصر علماء کی توقیر اور اہلِ علم کی قدر و منزلت

علی العموم اہلِ علم چشمک اور رقابت کی بناء پر ایک دوسرے سے کھٹکتے رہتے ہیں اور ان کی منزلت کا اعتراف نہیں کرتے لیکن امام ابو یوسفؒ ایسے لوگوں میں سے نہیں تھے وہ اگر کسی اہلِ علم کو خستہ اور درماندہ و پریشان حال اور زبوں حال دیکھ لیتے تھے تو تڑپ جاتے تھے اور جب تک اس کے مصائب دُور نہ کر لیتے تھے اُنہیں چین نہیں آتا تھا۔

---

[۱] حسن التقاضی صفحہ ۵۱

Marfat.com

اسی طرح کا واقعہ واقدیؒ کے ساتھ بھی گذرا۔

عزرم بن فروہ کہتے ہیں کہ جب امام ابو یوسفؒ حج کے ارادے سے حجاز تشریف لے گئے تو وہاں ان کی ملاقات واقدیؒ کے ساتھ ہوئی جو بہت مسکنت کی حالت میں تھے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ سے ان کا یہ حال دیکھا نہ گیا، اُنہیں وہ اپنے ساتھ بغداد لے آئے، جب وہ ہارون رشید کی مجلس میں گئے تو وہاں یحییٰ بن خالد برمکی (جو اُس وقت کے با اختیار وزیر تھے) نے امام ابو یوسفؒ سے پوچھا: "کہئیے! آپ مکہ مکرمہ سے ہمارے واسطے بھی کوئی تحفہ لائے؟" امام ابو یوسفؒ نے جواب دیا: "میں آپ کے لیے ایک ایسا گراں بہا اور گراں مایہ تحفہ لایا ہوں کہ مجھ سے پہلے ایسا نادر تحفہ کسی نے بھی آپ کی خدمت میں پیش نہ کیا ہوگا"۔ یحییٰ منتظر ہوئے اور پوچھنے لگے کیا ہے وہ تحفہ؟ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا "میں آپ کے لیے ایسا ہمہ دان شخص لایا ہوں کہ اس سے جو پوچھیے فوراً جواب لے لیجیے"، یحییٰ نے اشتیاق اور بیتابی کے ساتھ کہا کہاں ہے وہ؟

خود واقدیؒ کی روایت ہے کہ اس کے بعد امام ابو یوسفؒ نے مجھے یحییٰ وزیر کے پاس دربارِ خلافت میں بھیج دیا۔ یحییٰ برمکی سارا دن مجھ سے باتیں کرتا رہا، جب رات ہوئی تو حکم دیا کہ میرا بستر بھی ان کے بستر کے قریب بچھا دیا جائے۔ جب صبح ہوئی تو اس نے قلم دوات طلب کی، ایک چٹھی لکھی اور خادم کو دی اور اس سے کہا "جب یہ (یعنی واقدی) نماز پڑھ لیں تو انہیں لے کر فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ"۔ جب میں نماز سے فارغ ہُوا تو خادم نے عرض کیا "چلیے تشریف لے چلیے"۔ وہ خادم مجھے ایک شخص کے پاس لے گیا اور وہ چٹھی اسے دے دی۔ اُس آدمی نے خادم سے کہا بس تم چلے جاؤ، اور مجھ سے کہا "تشریف رکھیے"، پھر ایک غلام کو بلایا اور اس سے کہا کہ تھیلیاں یہاں لا لا کر ڈھیر کر دی جائیں، چنانچہ اس کے حکم کی تعمیل کی گئی یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی ـــ میں نے اُس شخص سے کہا یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ مجھے دیر ہو گئی ہے۔ وہ شخص کہنے لگا جی! تمہارا کام ہی تو کر رہا ہوں، مجھے وزیر یحییٰ برمکی نے کہا ہے کہ میں آپ کو ایک لاکھ درہم دے دوں، اب وہی گنوا رہا ہوں ـــ واقدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اس رقم میں سے دس ہزار تو

Marfat.com

خدام کو انعام دیدیجیے، باقی اپنے پاس رکھیے۔ اس کے بعد پھر ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں سارا ماجرا سنا دیا، امام ابو یوسفؒ سب کچھ سُن کر فرمانے لگے "نہیں یہ رقم کم ہے میں اس میں مزید اضافہ کراؤں گا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقدیؒ کی امام ابو یوسفؒ کے دل میں کتنی قدر و منزلت تھی، اور خلیفہ کے با اختیار اور با اقتدار وزیر سے بھی وہ کس طرح جو کام چاہتے تھے لے لیتے تھے اور اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں علم اور اہلِ علم کی قدر و منزلت کا کیا عالم تھا[1]

قاضی ابو یوسفؒ اور ربیعۃ الرائےؒ کے درمیان ایک دلچسپ مباحثہ

ایک مرتبہ قاضی ابو یوسفؒ اور امام مالکؒ کے استاذ ربیعۃ الرائےؒ کے درمیان مشترکہ غلام کا مسئلہ زیرِ بحث آیا۔ قاضی ابو یوسفؒ نے اُن سے کہا، "آپ اُس غلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو بیک وقت دو آدمیوں کا غلام ہو اور اُن دو میں سے ایک نے اُسے آزاد کر دیا ہو" ربیعہ نے جواب دیا کہ ایسے غلام کا عتق (یعنی آزادی) جائز نہیں ہے ——— ابو یوسفؒ نے پوچھا کیوں جائز نہیں آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ ——— ربیعہ نے کہا اس لیے کہ اس میں ضرر کا پہلو ہے اور حدیث میں آیا ہے لاضرر ولا ضرار۔ ایک آقا کے آزاد کر دینے سے دوسرے کو ضرر کا اندیشہ ہے بلکہ یقین ہے ——— ابو یوسفؒ نے پھر دریافت کیا کہ جی! اگر دوسرا مالک بھی اسے آزاد کر دے تو پھر آپ کیا فرماتے ہیں؟ ——— ربیعہ نے کہا یہ عتق جائز ہے اور غلام آزاد ہو جائے گا ——— تب ابو یوسفؒ نے بڑے احترام سے عرض کیا حضرت! آپ ہی کے اصول کے پیشِ نظر میں آپ کی بات نہیں مان سکتا، وجہ یہ ہے کہ آپ کے ارشاد کے مطابق جب غلام دو آقاؤں کے درمیان مشترک ہے اور پہلے آقا کی آزادی بے اثر ہے اور غلامی بدستور قائم ہے تو دوسرے مالک کے

---

[1] حسن التقاضی صفحہ ۵۰

Marfat.com

آزاد کرنے کے بعد وہ کس طرح آزاد ہو جائے گا جبکہ ابھی تک تو وہ بدستور غلام ہے
ربیعہ یہ سنکر خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ [1]

علوم اور معارف میں امام ابو یوسفؒ کی یکتائی

قاضی ابو یوسفؒ کی ذکاوت ذہانت، فراست اور بصیرت دیکھ کر داؤد بن رشید نے کہا اگر ابو یوسفؒ کے سوا ابو حنیفہؒ کا کوئی شاگرد نہ ہوتا تب بھی تمام لوگوں پر انہیں فخر حاصل ہوتا۔

جب ابواب علم میں سے کسی بات پر میں امام ابو یوسفؒ کو مصروف تکلم دیکھتا تو ایسا محسوس ہوتا کہ ایک بحر زخار سے چلو بھر بھر کر علم اور معرفت کے خزانے لٹا رہے ہیں۔ حدیث ان کے نوکِ زبان، فقہ ان کے نوکِ زبان، کلام ان کے نوکِ زبان، کوئی موضوع بھی ایسا نہ تھا جس میں وہ یکتا نہ ہوں، جس میں وہ عاجز اور ماندہ نظر آئیں۔ [2]

جب تک فریقین حاضر نہ ہوں میں فیصلہ نہیں کیا کرتا

ایک مرتبہ ہارون رشید نے امام ابو یوسفؒ سے پوچھا کہ فالودہ اور لوزینہ کے بارے میں آپ کا کیا فیصلہ ہے، دونوں میں سے کون اعلیٰ ہے؟

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اے امیر المؤمنین! فریقین جب تک حاضر نہ ہوں میں فیصلہ نہیں کیا کرتا۔ ہارون رشید نے حکم دیا اور دونوں چیزیں تیار کر کے حاضر خدمت کر دی گئیں۔

اب امام ابو یوسفؒ نے دونوں سے تھوڑا تھوڑا کر کے کھانا شروع کیا، کبھی فالودہ میں سے کھانے اور کبھی لوزینہ میں سے، جب دونوں سے ایک مقدار کھالی اور پیالے آدھے ہو گئے تو فرمانے لگے اے امیر المؤمنین! میں نے آج کوئی دو حریف ان دونوں سے زیادہ لڑنے والے نہیں دیکھے، جب بھی میں نے ایک کے حق میں فیصلہ دینے کا ارادہ کیا تو فوراً دوسرے نے اپنی برتری کی دلیل پیش کر دی۔ [3]

عیسائی باپ اور مسلمان بیٹا

امام ابو یوسفؒ کے یہ چند ایک واقعات قارئین نے مطالعہ کر لیے ہوں گے اور یہ بات سب پر

---

[1] حسن التقاضی صفحہ ۱۶ [2] ایضاً صفحہ ۱۵ [3] کتاب الاذکیار لابن جوزیؒ

Marfat.com

منکشف ہو گئی ہو گی کہ امام ابو یوسفؒ بہت بڑے عالم، بہت بڑے مجتہد اور بڑے وسیع النظر اہلِ علم تھے۔ ہماری یہ باتیں محض حسنِ ظن نہیں یا ادعائی تعلی نہیں۔ ایک ایک واقعہ اور امام ابو یوسفؒ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ اپنے ساتھ ناقابلِ تردید صداقتوں اور حقائق کا پس منظر بھی رکھتا ہے۔ فقہ ان کا خاص موضوع تھا اور اس فن میں انہیں پایۂ اجتہاد حاصل تھا۔ ذیل کا ایک واقعہ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے:۔

بشیر بن ولید کندیؒ سے روایت ہے کہ ایک روز انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے عرض کیا حضرت! میرا والد عیسائی ہے اور بہت لاغر، بوڑھا اور کمزور، اکثر ایسا ہوتا ہے اسے کہیں آتے جاتے دیکھتا ہوں اور راستے میں آمنا سامنا ہو جائے تو کیا اس کا ہاتھ پکڑ کر سہارا دے دیا کروں؟ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہاں! جب کلیسا سے واپس آرہا ہو لیکن جب جا رہا ہو تب نہیں [1]

اعترافِ سرقہ کے باوجود چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ---

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کی مجلسِ علم میں بڑے بڑے علماء شریک ہوتے تھے حتیٰ کہ امام احمد بن حنبلؒ بھی شریک ہوتے تھے۔

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں آپ کی ذہانت و فقاہت کا یہ قصہ ذکر کیا ہے کہ ایک مجلس میں امام ابو یوسفؒ کے پاس بہت سے علماء بیٹھے تھے کہ ایک چور کو لایا گیا، اس چور نے اخذِ مال کا اعتراف کیا، تو سارے علماء نے کہا کہ اب چوری کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹنا لازمی ہو گیا، ابو یوسفؒ نے فرمایا نہیں ہاتھ کاٹنا لازم نہیں، تمام علماء حیران ہو گئے کہ چور کے اعترافِ سرقہ کے باوجود ہاتھ کاٹنا کیوں کر لازم نہیں ہے ——— لہٰذا چور سے دوبارہ استفسار کرنا چاہیئے۔ چنانچہ علماء نے اس شخص سے دوسری مرتبہ دریافت فرمایا کہ:۔ هَلْ سَرَقْتَ، کیا تو نے چوری کی ہے؟ اس نے جواب میں کہا قال نعم! ہاں میں نے چوری کی ہے علماء نے کہا اب تو ہاتھ کاٹنا واجب ہے ——— قاضی ابو یوسفؒ اب بھی مُصر تھے کہ

---

[1] حسن التقاضی صفحہ ۵۱

Marfat.com

ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

علماء نے حیرت کے ساتھ امام ابو یوسفؒ سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ "اقرار اوّل اخذِ مالِ غیر کا تھا اور وہ موجب ضمان مالی ہے، لہٰذا اس شخص کے ذمہ مال واجب ہو گیا۔ اس کے بعد اعتراف بالسرقۃ انکار ہے اس ضمان مالی سے اور رجوع ہے سابقہ اعتراف سے، کیونکہ قطع ید اور ضمان مالی دونوں جمع نہیں ہوتے اور ایسے موقع پر رجوع عن الاقرار السابق جائز نہیں لہٰذا اس شخص پر ضمان مالی واجب ہے نہ کہ قطع ید"۔ علماء کا مجمع آپ کی فقاہت و ذہانت پر دنگ رہ گیا اور سب نے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔[1]

کشتی خرید لو طلاق نہیں واقع ہوگی

علامہ زاہد الکوثریؒ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ نے ایک مرتبہ فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک شخص ابو یوسفؒ کے پاس آیا اور اس نے کہا "میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں ایک جاریہ (باندی) نہ خریدوں تو میری بیوی مجھ پر طلاق۔ مگر اب میں سوچتا ہوں کہ ایسا کرنا میرے لیے آسان نہیں ہے، کیونکہ میں اپنی بیوی سے بہت محبت اور الفت کرتا ہوں اور میری نظر میں اس کی بڑی وقعت اور عظمت ہے"۔ یہ سنکر قاضی ابو یوسفؒ نے کہا، "تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ایک کشتی خرید لو وہ بھی تو "جاریہ" ہی ہے"۔[2]

فقہی حیلہ کی شرعی حیثیت

بعض حضرات نے فقہ حنفیہ اور قاضی ابو یوسفؒ کو اس سلسلہ میں مطعون کیا ہے اور سنگین الزام یہ لگایا ہے کہ انہوں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی ہے اور ایسے فقہی حیلے ایجاد کیے ہیں جن سے کام لے کر انسان قانون کو دھوکہ دے سکتا ہے، سزا سے بچ سکتا ہے ٹیکس اور زکوٰۃ سے محفوظ رہ سکتا ہے اور دوسری پابندیوں سے بھی خود کو محفوظ اور بری رکھ سکتا ہے مگر اس اعتراض کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، ائمہ احناف کی نظر داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشادات پر تھی، وہ دوسرے فقہاء کی طرح صرف الفاظ کو نہیں دیکھتے بلکہ الفاظ کے

---

[1] انہار التکبیل جزء اول صفحہ ۳۲ [2] حسن التقاضی صفحہ ۵۹

ساتھ معنیٰ پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ لفظ اور معنیٰ کے مابین جو اصل مقصد کا فرق ہوتا ہے اُسے بھی پیشِ نظر رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے فتوؤں میں جو وسعت اور جامعیت ہے وہ دوسری جگہ نہیں ملتی۔ امام ابو یوسفؒ کی طرف جو بعض حیلے منسوب ہیں ان کا مقصد "تخلیص الناس من الحرج" یعنی لوگوں کو حرج اور زحمت سے بچانا تھا۔

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ "ایسا حیلہ جو تشریع احکام میں کسی حکم شرعی کو ختم کر دینے کا موجب ہو اس شخص سے صادر ہو سکتا ہے جس کا دین ضعیف اور جس کا یقین و ایمان کمزور ہو۔ لیکن تنگی، زحمت اور پریشانی سے کسی حیلہ کی مدد سے اس طرح نکلنا کہ ابطالِ حق نہ ہوتا ہو، تدابیر لطیفہ پر مبنی ہو، نصوصِ شرعیہ سے متصادم نہ ہوتا ہو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے، اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسندیدہ قرار دیا ہے، سلف و خلف سب اس پر عامل رہے ہیں"۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ فقہ اسلامی اسلام کے بنیادی اصولوں اور تعلیم کی نگہبانی کرتی ہے، اجتہادات میں انسانی مجبوریوں اور معذوریوں کو پورے طور پر ملحوظ رکھتی ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے اور اصول اور بنیاد سے روگرداں ہوئے بغیر ایسے وسائل مہیا کرتی ہے جس سے سکون اور یکسوئی کے ساتھ مذہب کے احکام و ہدایات پر عمل ہو سکتا ہے۔ یہ طرزِ عمل مذہب سے فرار نہیں اور نہ اسے مذہب کی روح کے منافی قرار دے سکتے ہیں اور نہ یہ مذہب سے بغاوت ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ یہ مذہب کی بہت بڑی خدمت ہے۔

حیلہ جائز اور لطیف تدبیر کا نام ہے

امام محمدؒ کی طرح امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں بھی تذکرہ نگاروں نے بعض حیلے نقل کیے ہیں اور بعض تو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ بات سے بتنگڑ بن کر افسانہ ہو گئے ہیں اور اُن کی فی الواقع کوئی اصلیت نہیں ہے لیکن اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ کوئی ایسی لطیف تدبیر کرنا جس سے نہ تو شریعت کا حکم بدلتا ہو نہ وہ کسی نص صریح سے ٹکراتی ہو اور نہ اس تدبیر سے کسی کا حق مارا جاتا ہو اور نہ اس سے کسی باطل کو ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو

Marfat.com

کوئی ممنوع چیز نہیں ہے بلکہ وہ مباح ہے۔ تاریخ اور تذکرہ تو اپنی جگہ خود سیرت اور صحابہؓ کی زندگی میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً ہجرت کا واقعہ سامنے رکھئے، جب راستہ میں کسی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:۔

هٰذَا رَجُلٌ يَهْدِيْنِي السَّبِيْلَ۔	یہ ایک صاحب ہیں جو مجھے راستہ بتا رہے ہیں۔

دیکھئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کس قدر لطیف تدبیر سے سائل کو جواب دیدیا اور حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ سے بھی بچالیا اور حیلہ ایسا اختیار کیا کہ واقعیت میں بھی کوئی فرق نہیں آنے دیا۔

بہر حال اگر امام ابویوسفؒ یا امام محمدؒ سے حیلوں کے جواز میں کچھ منقول ہوا بھی ہے تو ان کے سامنے یہی مثال تھی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مکر و فریب اور دروغ و تزویر کو وہ حیلہ سمجھتے تھے اور اس کے جواز کے وہ قائل تھے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ حاشا و کلا

امام ابویوسفؒ کا محتاط طرزِ عمل

موفق نے لکھا ہے کہ امام ابویوسفؒ نے ایک بار ایک شخص کو اس کا مال بچانے کی ایک جائز تدبیر اور نہایت ہی لطیف حیلہ تجویز فرمایا۔ جس پر امام ابویوسفؒ کے تلمیذ خاص ابویقظان نے ان سے عرض کیا کہ حضرت! یہ تو وہی بات ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے لیے چربی حرام کر دی تھی تو انہوں نے یہ تدبیر کی کہ اسے پگھلا کر فروخت کر دیا کرتے تھے اور اس کی قیمت اپنے مصرف میں لاتے ۔۔۔ امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ انہوں نے ایک حرام چیز کو حلال کرنے کے لیے ایسا کیا تھا، مگر ہم اگر کوئی تدبیر کرتے ہیں تو اس لیے کہ حلال کو حرام نہ ہونے دیں[1]

اس کی مزید توضیح اور مثال کے لیے اسی کتاب کے صفحہ پر ہم امام ابویوسفؒ

---

[1] مناقب موفق صفحہ ۴۷۹

Marfat.com

کی عدالت میں خلیفہ ہارون رشید کے خلاف باغ کے مقدمہ کا واقعہ تفصیل سے نقل کر چکے ہیں جس میں امام ابو یوسفؒ نے ایک نہایت ہی لطیف اور کارگر تدبیر سے مظلوم کو اس کا حق دلوا دیا تھا۔

بہر حال اس نوع کی تدبیر اور حیلہ شرعی نقطۂ نظر سے کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں ہے اور اس نوع کے واقعات سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور آپ کے رفقاء اور ائمہ مجتہدین کو بہت سے مظلوموں کی جان بچانے اور کتنے لوگوں کے حق واپس کرنے کے لیے بھی اس قسم کی تدبیریں کرنی پڑتی تھیں۔ بہر حال اگر ایسے عملِ خیر و برکت کا نام حیلہ ہے اور اس کو معترضین مطعون کرتے ہیں تو پھر شرعی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

خاموش رہنا ہی اچھا تھا ایک شخص امام ابو یوسفؒ کی مجلسِ درس میں خاموش بیٹھے رہتے تھے، ایک بار امام ابو یوسفؒ نے اُس سے کہا: "تم بولتے کیوں نہیں ہو، کچھ تو بول لیا کرو"، کہنے لگا بہت اچھا، جب حکم ہے تو میں بھی کچھ پوچھ لیا کروں گا۔ کہنے لگا حضرت! "روزہ کب افطار کرنا چاہیئے" امام صاحبؒ نے جواب دیا "جب آفتاب غروب ہو جائے"، وہ شخص کہنے لگا: "اور اگر آفتاب آدھی رات تک غائب نہ ہو تو......" امام ابو یوسفؒ یہ سُنکر ہنس پڑے اور فرمایا: "بھائی تمہارا خاموش رہنا ہی اچھا تھا، تمہاری زبان کھلوا کر میں نے خطا کی"۔ [1]

قرآن مجید کا ادب اور احترام امام ابو یوسفؒ قرآن مجید کے حافظ تھے، آپ کے استاذ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے درس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ حفظِ قرآن کے بغیر اپنے درس میں کسی کو شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ [2]

---

[1] امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ناقدین ص۔ [2] اس سلسلہ میں امام محمدؒ کا امام ابو حنیفہؒ کی مجلسِ درس میں حاضری اور حفظ القرآن کی تاکید کا دلچسپ واقعہ احقر نے اسی کتاب میں "امام محمدؒ کے حیرت انگیز واقعات ص" میں درج کر دیا ہے۔

Marfat.com

قرآن حکیم کا ادب واحترام اور اعزاز واکرام بھی انہوں نے اپنے استاد سے سیکھا تھا موفق نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ کہیں جا رہے تھے، اچانک دیکھا کہ دو آدمی راستہ میں خرید وفروخت کے کسی معاملہ میں باہمی جھگڑا کر رہے ہیں، ان میں ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میری اور تمہاری مثال تو قرآن کی اس آیت کے مطابق ہے، اس کے بعد اس نے سورہ صٓ کی یہ آیت پڑھی۔

اِنَّ هٰذَآ اَخِىْ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِىَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا ۔ (صٓ : ۲۳)	یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے یہ کہتا ہے کہ یہ ایک بھی مجھے دے دو۔

امام ابو یوسفؒ نے یہ سنا تو ان پر غصہ اور افسوس سے ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، قریب تھا کہ بے ہوش ہو جائیں، جب ذرا یہ کیفیت دور ہوئی تو اس شخص سے بڑے درشت لہجہ میں فرمایا کہ :

"تو اللہ سے بھی نہیں ڈرتا، کلام الٰہی کو تو نے معمولی بات چیت بنا لی ہے، قرآن پڑھنے والے کو چاہیئے کہ وہ اس کو نہایت خشوع و خضوع اور خوف وہیبت کے ساتھ پڑھے ایسا نہ ہو کہ وہ ناراضگی کا سبب بن جائے، میں تجھ میں یہ کیفیت بالکل نہیں پاتا، کیا تیری عقل جاتی رہی ہے کہ تو نے کلام الٰہی کو لہو ولعب بنا لیا ہے"[1]

محمد بن فضیلؒ فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابو یوسفؒ سے قلبی کدورت تھی اور مجھے وہ اس لیے ناپسند تھے کہ وہ حکومت کے ارکان سے اختلاط رکھتے تھے لیکن جس روز سے اُن کو یہ تنبیہ کرتے ہوئے دیکھا تو اس روز سے میں اُن سے محبت کرنے لگا[2]

---

[1] مناقب موفق تذکرہ امام ابو یوسفؒ وسیر الصحابہ جلد ۸ ص ۹۵

[2] مناقب موفق تذکرہ امام ابو یوسفؒ

Marfat.com

سخاوت وایثار

امام ابویوسفؒ جب قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر ہوئے تو اللہ نے فراخی بھی دے دی اور مال واسباب کی کافی فراوانی ہوئی مگر سب کچھ کے ہوتے ہوئے بھی وہ نہ کبھی اس پر مغرور ہوئے اور نہ کبھی دروازہ پر کوئی دربان بٹھایا بلکہ وزارتِ عدل وقانون پر براجمان ہونے کے باوجود اپنی زندگی اور بود وباش کو طالب علمانہ رکھا۔ تاہم جب وسائل ہوتے تو حسبِ ضرورت دنیوی ساز وسامان بھی حاصل ہوتا رہا، مگر اس کا بھی اُن کو زندگی بھر افسوس رہا آخر وقت میں فرمایا کرتے تھے :-

"کاش! میں فقر وفاقہ کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا اور یہ عہدۂ قضا قبول نہ کرتا"

اور جب وزارتِ عدل وقانون کی مطلق العنان فرمانروائی ملی تو ان کو دو ہزار سے زائد ماہوار تنخواہ ملتی تھی، صرف یہ نہیں بلکہ ہارون رشید کے دربار سے بعض اوقات شاہانہ داد ودہش اور انعام واکرام اس کے علاوہ تھا، جب وفات کا وقت قریب ہوا تو اپنا رزقِ حلال کافی موجود تھا تو وفات سے قبل سب کو غرباء میں تقسیم کرنے کی وصیت اور تاکید فرمائی۔ تقریباً چار لاکھ روپے اہلِ مکہ، اہلِ مدینہ، اہلِ کوفہ اور اہلِ بغداد میں تقسیم کیے گئے [1]

خلیفہ ہارون رشید نے امام ابویوسفؒ کو اپنی طرف سے کچھ خراجی زمین بھی دی تھی جس پر کوئی سرکاری ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کی سالانہ آمدنی سے جو کچھ حاصل ہوتا تھا امام ابویوسفؒ وہ صدقہ کر دیا کرتے تھے [2]

صرف مٹی کا ایک برتن جس سے والدہ اور بیٹا وضو کیا کرتے تھے

امام ابویوسفؒ کا صحیفۂ حیات ہر قسم کے محاسن و اخلاق اور فضائل سے پُر ہے، عہدۂ قضا پر رہتے ہوئے انہوں نے جس اخلاق وکردار کا ثبوت

---

[1] جواہر مضیئہ جلد ۲ صفحہ ۵۲ [2] ایضاً صفحہ ۱۴۰

Marfat.com

دیا وہ ان ہی کی خصوصیت ہے، اس عہدہ پر پہنچنے کے بعد بڑے بڑے پاکباز لوگوں کا دامن بھی آلودہ ہو جاتا ہے مگر انہوں نے اپنا دامن کبھی بھی داغدار نہ ہونے دیا۔ لوگوں سے ملنا جلنا، تواضع و خاکساری، لوگوں کی امداد اور اعانت، علم کی عزت و توقیر، فیاضی و سیر چشمی یہ سب چیزیں اُس زمانہ میں بھی ان کے ساتھ سایہ کی طرح رہیں۔

ان کے ظاہری محاسن و اخلاق کی جھلکیاں تو آپ جگہ جگہ دیکھتے آئے ہیں باطنی محاسن و اخلاق اور فیاضی و شکر گذاری کا اندازہ بھی ذیل کی تحریر سے لگایا جاسکتا ہے۔

بچپن سے فقر و فاقہ کی زندگی تھی مگر کبھی بھی اس پر ناشکری کے کلمات زبان سے نہیں نکلے، فقر و فاقہ کے ساتھ ان کی شکر گذاری کی حالت یہ تھی:۔۔۔۔۔۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو باہمی گفتگو کے دوران انہوں نے مجھ سے اپنی معاشی تنگی کی شکایت کی، میں نے تسلّی دی، جب ان کے پاس سے چلنے لگا تو دیکھا کہ مٹی کا ایک میلا سا برتن انکے پاس رکھا ہوا ہے اور وہ اتفاق سے میرے دامن سے لگ کر ٹوٹ گیا اور اس کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ کے چہرہ پر شکن آگئی اور ان کا رنگ فق ہو گیا مگر زبان سے کچھ نہ کہا، میں نے کہا کیا بات ہے؟ ارشاد فرمایا:۔

"یہی ایک برتن تھا جس سے میں اور میری والدہ وضو کرتے تھے اور اسی سے پانی پیتے تھے"۔۔۔

عبداللہ بن مبارکؒ ان کا یہ حال سُنکر بہت متاثر ہوئے اور ان کے ساتھ تعاون اور نصرت کے لیے کچھ رقم بھی دی [1]

نرم خوئی و فیاضی اور احساسِ ذمہ داری

امام ابو یوسفؒ اپنے دیگر اوصاف اور کمالات کی طرح نرم خو بھی تھے اور فیاض بھی، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ نرم خوئی سے بعض اوقات لوگ غلط فائدے حاصل کر لیتے ہیں اور فیاضی بھی اسراف کی

---

[1] مناقب کردری تذکرہ امام ابو یوسفؒ و سیر الصحابہ جلد ۸ ص ۹۱

Marfat.com

حدود میں داخل ہو جاتی ہے، یہ تب ہو سکتا ہے جب صاحب اوصاف کو احساسِ ذمہ داری نہ ہو، مگر امام ابو یوسفؒ کی نرم خوئی اور فیاضی اس احساسِ ذمہ داری سے خالی نہیں تھی جس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے، جسے موفقؒ نے نقل کیا ہے کہ:۔

ایک مرتبہ کوئی شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضرت! میں نے آپ کی جانب سے ایک فرضی خط لکھ کر فلاں صاحب سے اتنی رقم حاصل کر لی ہے، اب وہ شخص مجھ سے مانگتا ہے، ازراہِ کرم آپ مجھے اس سے چھٹکارا دلائیے۔

امام ابو یوسفؒ نے بات سُنی تو فوراً اس شخص کے گرفتار کرنے اور جیل میں ڈال دینے کا حکم دے دیا اور حکم دیا کہ جب تک رقم ادا نہیں کرو گے اُس وقت تک جیل سے رہائی نہیں مل سکے گی۔

اس شخص نے عرض کیا حضرت! میں نے ایک بار اسی طرح آپ کے اُستاد امام اعظم ابو حنیفہؒ کی طرف سے بھی ایک فرضی خط لکھ کر ایک شخص سے روپے حاصل کر لیے تھے مگر جب میں نے ان کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے وہ روپیہ میری طرف سے ادا کر دیا اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ جس شخص کے بارے میں آپ کو یہ خیال ہو کہ وہ میرا خط دیکھ کر تمہیں روپیہ دے دے گا تو تم خط لکھ کر روپیہ منگا لیا کرو [1]

امام ابو یوسفؒ سے کہنے لگا جناب! آپ بھی تو انہی کے اصحاب سے ہیں آپ سے بھی مجھے یہی توقع تھی مگر آپ ہیں کہ نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ مجھے سزا بھی دلوا رہے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا بھائی! میں امام ابو حنیفہؒ نہیں ہوں، وہ ایک جلیل القدر عالم اور فقیہ تھے، لوگ اُن کا اُن کے علم و فضل کی وجہ سے احترام اور اعزاز کرتے تھے

---

[1] تفصیلی واقعہ "امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات ص" میں ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

اور اسی وجہ سے ان کے نام پر روپیہ دے دیتے تھے اور میں حکومت کا ایک ذمہ دار عہدیدار ہوں، اس لیے اس بات کا واضح امکان موجود ہے کہ جس کو تم نے میری طرف سے خط لکھا ہو وہ روپیہ نہ دینا چاہتا ہو مگر میرے خوف سے اس نے دیدیا ہو۔

ایک روز تک اس کو جیل میں بند کر کے مایوس رکھا جب اسے واقعی اپنی غلطی پر تنبہ ہو گیا اور امام ابو یوسفؒ اس کی ندامت کو بھانپ گئے تو دوسرے روز اس کو اپنے پاس بلایا اور اسے فرمایا کہ جس سے تم نے روپے لیے تھے میں نے اسے واپس کر دیئے ہیں اور تم کو رہا کر رہا ہوں۔ خبردار! اب اگر وہ شخص دوبارہ وہ رقم بطیب نفس بھی تمہیں واپس کرے تو ہرگز نہ لینا، جاؤ آئندہ ایسا ہرگز نہ کرنا[1]

پورے واقعہ کا خلاصہ آپ کے سامنے ہے، حکومت کے متعلق اور اس کے ذمہ داروں کے نام سے عام طور پر جو فائدے حاصل کیے جاتے ہیں امام ابو یوسفؒ نے اس کے سدِ باب کے لیے اس شخص کو قید کر دیا، مگر ان کی طبعی فیاضی اور نرم خوئی کا اثر تھا کہ روپیہ بھی ادا کر دیا اور رہائی بھی مرحمت فرمائی۔

اہلِ بدعت اور دروغ گوئی کا جواب

ایک دفعہ دشمنوں، حاسدوں اور مخالفین نے مشہور کر دیا کہ امام ابو یوسفؒ خود "القرآن مخلوق (یعنی قرآن مخلوق ہے) کے قائل ہیں، چنانچہ امام صاحبؒ کے خاص تعلق والے تلامذہ یا معتقدین و مخلصین حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا حضرت! آپ ہمیں تو ایسے عقیدہ اور اقوال سے روکتے ہیں مگر خود دوسروں کو اسی کی تعلیم دیتے ہیں! امام ابو یوسفؒ کو حیرت ہوئی تو انہوں نے سارا قصہ ذکر کیا اور بتایا کہ باہر اس کی اسی طرح کی شہرت ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ آپ لوگ بھی بڑے سادہ لوح ہیں کہ حاسد لوگوں اور مخالفین کی باتوں میں آ گئے، وہ پاگل دیوانے تو خدا پر بھی جھوٹ بولتے ہیں

---

[1] مناقب موفق تذکرہ ابو یوسفؒ و سیر الصحابہ جلد ۸ ص ۹۲، ۹۳

Marfat.com

دکہ قرآن کو خدا کی مخلوق بتاتے ہیں) تو مجھ پر جھوٹ لگانا ان کے لیے کیا مشکل ہے؟ پھر ارشاد فرمایا کہ اہلِ بدعت کا طریقہ یہی ہے کہ وہ اپنے دل کی باتیں دوسروں پر رکھ کر چلاتے ہیں حالانکہ وہ لوگ ان کے جھوٹ سے بری ہوتے ہیں [1]

بعض اہلِ زیغ فلسفی ملحدین اور امام ابو یوسفؒ کا حکم

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ بھی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے آکر عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ ایسے شخص کی شہادت بھی قبول کر لیتے ہیں جو یہ کہے کہ خدا تعالیٰ کو واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے قبل تک ان کا علم نہیں ہوتا (اس زمانہ کے بعض اہل زیغ، فلسفی مزاج اور ملحدین کی طرف اشارہ تھا) تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا بالکل غلط ہے، ایسا شخص اگر میرے سامنے آجائے تو اس سے فوراً توبہ کراؤں اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کے قتل کر دینے کا حکم دوں [2]

جگہ جگہ ہم نے اس قسم کے واقعات بھی نقل کر دیئے ہیں جس سے اس زمانہ کے متنازعہ فیہ مسائلِ کلامیہ میں امام ابو یوسفؒ کی آرا معلوم ہو جاتی ہیں جو بہت نپی تلی، متوازن اور معتدل ہیں اور جس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس زمانے کے فرقِ باطلہ کے زیغ و الحاد کا امام موصوف نے بڑی حکمت اور دانائی سے مقابلہ کیا۔

امام ابو یوسفؒ کے علم فقہ سے تعلق کی ایک مثال

حسن بن ابی مالکؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا "میں بیمار پڑا اور اس بیماری نے میرے حافظہ پر چھاپا مارا، بیماری کی شدت کی وجہ سے جو کچھ بھی یاد تھا سب بھول گیا سوائے علم فقہ کے" سوال کیا گیا حضرت یہ کیونکر؟ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا۔ علم فقہ کے سوا جو دوسرے علوم میرے پاس تھے اُن کی بنیاد صرف قوتِ حافظہ پر تھی اور وہ شدتِ مرض کی وجہ سے جواب دے گئی تو وہ علوم بھی جاتے رہے، اور علم فقہ تو میرا جانا پہچانا علم تھا۔ ابتدائے شعور سے آج تک اس کے ساتھ تلبس رہا، علم فقہ میں

---

[1] مقدمہ انوار الباری ص ۱۷۸ [2] ایضاً

Marfat.com

میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کئی سال تک اپنے وطن سے غیر حاضر رہے، پھر اس کے بعد آئے تو کیا وہ اپنے گھر کا راستہ بھول جائے؟ بلکہ قدم خود بخود اس طرف بڑھیں گے[1]

علم وفضل اور زبان وبیان کا بادشاہ

قاضی ابو یوسفؒ امام اجل، فقیہ اکمل، عالم ماہر فاضل متبحر، حافظ سنن، مجتہد فی المذہب اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں سب سے متقدم تھے۔ آپ ہی نے پہلے پہل امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر کتابیں لکھیں اور مسائل کو املاء اور نشر کرایا، ان کے مذہب کو اقطارِ عالم میں پھیلایا، آپ ہی سب سے پہلے قاضی القضاۃ، افقہ العلماء اور سید العلماء کے لقب سے ملقب ہوئے، آپ ہی نے اس ہیئت کا لباس جو آجکل علماءؒ میں مروج ہے ایجاد کیا۔

علامہ ابن عبد البرؒ کا قول ہے کہ میرے علم میں کوئی ایسا قاضی سوائے امام ابو یوسفؒ کے نہیں جس کا حکم مشرق سے مغرب تک سارے آفاق میں رواں ہو[2]

محمد بن جعفرؒ کا قول ہے کہ امام ابو یوسفؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ علم، حلم، ریاست، قدر و جلالت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے[3]

حسین بن الولیدؒ کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ جب کلام کرتے تھے تو انسان چکر کھا جاتا تھا، ان کے نزاکتِ بیان اور حُسنِ کلام سے حیران رہ جاتا تھا۔ میں نے ایک روز دیکھا کہ ایک مسئلہ غامضہ پر وہ گفتگو کر رہے ہیں زبان اس طرح چل رہی تھی جیسے تیرِ بے خطا، اکثر لوگ نزاکتِ بیان ومعنیٰ کی بناء پر ان کا مفہوم پوری طرح نہ سمجھ سکے۔ ہم سب اس بات پر بہت متعجب تھے اور بڑی دیر تک آپس میں چہ میگوئیاں کرتے رہے کہ خدا نے اس شخص کے لیے زبان وبیان کا جوہر کس طرح مسخر کر دیا ہے اور ہر مشکل اس کے لیے کس درجہ آسان ہے[4]

---

[1] حسن التقاضی ص۵۴ [2] شذرات الذہب للابن عماد الحنبلی [3] ایضاً [4] حسن التقاضی ص۳۰

Marfat.com

امام ابویوسفؒ کا نام لو تو پہلے زبان دھو لو

طحاویؒ نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابی عمرانؒ[1] نے بیان فرمایا کہ :۔ عظیم محدث علی بن الجعدؒ ہمیں حدیث و مسائل کی املاء کرا رہے تھے اتنے میں انہوں نے فرمایا "امام ابویوسفؒ نے ہم سے حدیث بیان کی"

درس گاہ شائقین علم، شاگردوں اور محبین و معتقدین سے کھچا کچھ بھری ہوئی تھی حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا "کیا آپ ابویوسفؒ کا ذکر کر رہے ہیں"؟

اس اندازِ گفتگو سے علی بن الجعدؒ نے محسوس کیا کہ بات کرنے والا امام ابویوسفؒ کا ذکر اجلال و احترام اور اکرام سے نہیں کر رہا ہے اور جن شایانِ شان الفاظ میں یہ نام لینا چاہیئے تھا اس سے گریز کر رہا ہے تو علی بن الجعدؒ نے غصہ اور بھرے ہوئے لہجہ میں اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا :۔

"جب تم امام ابویوسفؒ کا ذکر کرنا یا ان کا نام لینا چاہو تو تمہیں چاہیئے کہ پہلے اپنا منہ اشنان (ایک خوشبودار گھاس) اور گرم پانی سے دھو لو پھر یہ نام نامی و گرامی زبان پر لاؤ۔"[2]

مخالفوں کا اعتراف

حدائق الحنفیہ میں لکھا ہے کہ امام ابویوسفؒ کے مخالفوں میں سے ایک شخص کو آپ کی وفات کے دوسرے روز بڑا رنجیدہ اور نہایت غمگین پایا گیا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میں نے کل رات خواب میں امام ابویوسفؒ کو بڑی زینت و تجمل کے ساتھ خلدِ بریں میں دیکھا ہے میں نے جنت کے دربانوں سے پوچھا کہ ابویوسفؒ نے ایسا کون سا کام کیا ہے جس سے وہ اس بلند مقام کے مستحق ہوئے ہیں؟ جواب ملا کہ انہوں نے بڑے صبر و تحمل سے علم کی

---

[1] یہ ابن ابی عمران وہ بزرگ ہیں جو ثوریؒ، حسن بن مالک صالحؒ، ابن ابی ذئبؒ، لیث بن سعدؒ، شعبہ بن الحجاجؒ کی مجالس میں بیٹھ چکے ہیں اور اپنی نگاہوں سے ان بزرگوں کا نظارہ کر چکے ہیں۔

[2] حسن التقاضی ص ۳۰

Marfat.com

تحصیل تعلیم اور افادہ واشاعت کا کام کیا۔ لہ

جنّت کا پروانۂ منامی خود امام ابو یوسفؒ کی روایت ہے، فرمایا کرتے کہ ایک مرتبہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ جنّت میں تشریف فرما ہیں اس شان سے کہ چاروں طرف حضرات صحابۂ کرامؓ موجود ہیں اور آپ وسط میں ہیں، مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ "ابو یوسفؒ! کاغذ اور قلم لاؤ کہ میں اپنے جنتی اصحاب کے نام لکھ لوں"، میں نے عرض کیا حضرت! میرا نام بھی اس مبارک فہرست میں لکھ لیجئے۔ تو میری درخواست پر امام اعظم ابو حنیفہؒ نے میرا نام بھی جنتیوں کی فہرست میں لکھ لیا۔ ٢ہ

محدث اعمشؒ اور فقیہ ابو یوسفؒ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ مشہور محدّث حضرت اعمشؒ (جو امام ابو یوسفؒ کے استاد بھی ہیں) نے امام ابو یوسفؒ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو امام ابو یوسفؒ نے اس کا جواب دیا۔ جواب سُنکر محدث اعمشؒ نے امام ابو یوسفؒ سے کہا تم نے اس مسئلے کا یہ حل کہاں سے ڈھونڈا ہے اور تمہارے اس جواب کی بنیاد کیا ہے؟ ابو یوسفؒ نے عرض کیا حضرت! فلاں حدیث جو آپ نے ہم سے بیان کی تھی، سے اس مسئلے کا یہ جواب میں نے اخذ کرکے آپکی خدمت میں پیش کیا۔ محدث اعمش مسکرائے اور فرمانے لگے، اے ابو یوسفؒ! یہ حدیث تو مجھے اس وقت سے یاد ہے جب تمہارے باپ کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کی جو تاویل تم نے اس وقت بیان کی وہ آج معلوم ہوئی جو بالکل صحیح ہے، اس طرف تو کبھی ہمارا ذہن منتقل ہی نہیں ہوا تھا۔ ٣ہ

١ہ حدائق الحنفیہ تذکرہ امام ابو یوسفؒ ٢ہ مناقب کردری تذکرہ امام ابو یوسفؒ
٣ہ تاریخ بغداد وحسن التقاضی صفحہ ۲۴

اس واقعہ کے قریب قریب ایک دلچسپ قصہ امام اعمشؒ کا امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ بھی نقل ہوتا چلا آیا ہے، طوالت اور تکرار سے بچتے ہوئے ہم قارئین کو "امام اعظم ابو حنیفہؒ کے عبرت انگیز واقعات ص۱۵۷" کا حوالہ دے کر وہاں دیکھ لینے کی ترغیب پر اکتفا کرتے ہیں۔

Marfat.com

قاضی ابو یوسفؒ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی نگاہ میں

قاضی ابو یوسفؒ نے طلب علم کے زمانہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کی بارگاہ میں تحصیل علم کی خاطر زانوئے تلمذ تہہ کیا تو پھر دوسری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا ؎

شناورانِ محبت تو سینکڑوں ہیں مگر
جو ڈوب جائے وہ پکا ہے آشنائی کا

خود سپردگی، تواضع وانکسار اور اپنے استاد امام اعظم ابو حنیفہؒ سے محبت اور وارفتگی کی برکت تھی کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ بھی آپ کو دل وجان سے چاہنے والے بن گئے —

ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو امام ابو حنیفہؒ بھی تیمارداری اور بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔ واپس جاتے ہوئے قاضی ابو یوسفؒ کے دروازے پر متفکر ہو کر کھڑے ہو گئے، کسی نے حیرت واستعجاب اور تفکر وملال کا سبب پوچھا تو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔

"خدانخواستہ اگر یہ جوان مرگیا تو زمین کا سب سے بڑا عالم اٹھ جائے گا"[1]

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے پوتے اسمٰعیل بن حمادؒ فرماتے ہیں کہ میرے دادا (ابو حنیفہؒ) کے خاص اصحاب دس تھے لیکن ان میں امام ابو یوسفؒ سے بڑھ کر کوئی نہ تھا[2]

امام ابو یوسفؒ کی علمی عظمت اور اعاظم رجال علماء کا اعتراف

علم وفضل اور خدمتِ فقہ وحدیث اور عدل وانصاف امام ابو یوسفؒ کی زندگی کا سب سے جلی عنوان ہے۔ امام ابو یوسفؒ ائمہ تابعین اور تبع تابعین کے اس دور میں تھے جس میں علم وفن کا گھر گھر چرچا تھا، دینی علوم، تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، رجال، طبقات اور مذاہب اربعہ کے ائمہ اور

---

[1] حسن التقاضی فی سیرت الامام ابی یوسفؒ القاضی صفحہ ۲۸

[2] سیر الصحابہ جلد ۸ صفحہ ۶۹

Marfat.com

اعاظم رجال علماء اسی دور میں تھے، مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، سفیان بن عیینہؒ، محمد بن اسحٰقؒ یحیٰی بن معینؒ، وکیع بن جراحؒ وغیرہ۔ اس قدر جلیل القدر ائمہ کبار کی موجودگی میں کسی دوسرے کے علم وفضل کا چراغ اس وقت تک روشن نہیں ہو سکتا تھا جب تک اس کے اندر غیر معمولی صلاحیت موجود نہ ہو۔ ان میں متعدد ائمہ کرام تو خود امام ابویوسفؒ کے استاد تھے اور متعدد شاگرد تھے۔ مگر اس کے باوجود بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ مذکورین نے امام ابویوسفؒ کے علم وفضل کا جن الفاظ کے ساتھ اعتراف کیا ہے اس سے امام ابویوسفؒ کی علمی عظمت، بلند پائیگی اور رفعت ومنزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ائمہ کے اقوال واعترافات جگہ جگہ ہم نقل کرتے چلے آئے ہیں۔ ذیل میں بھی اس کا کچھ حصہ نقل کر دیا جاتا ہے۔

سید العلماء

علی بن صالحؒ جو امام شعبہؒ اور ابن ابی ذئبؒ جیسے مشہور روزگار ائمہ کی خدمت اور صحبت میں رہ چکے تھے۔ جب امام ابویوسفؒ سے روایت کرتے تھے تو فرماتے تھے سید العلماء، افقہ الفقہاء، علماء کے سردار، سب سے بڑے فقیہ یعنی امام ابویوسفؒ نے یہ روایت کی ہے[1]

ابوحنیفہ کا ممتاز شاگرد

طلحہ بن جعفرؒ فرماتے ہیں کہ امام ابویوسفؒ مشہور اور معروف تھے، ان کا علم وفضل بلند درجہ کا تھا ان سے بڑھ کر ان کے زمانے میں کوئی نہیں تھا، علم وحکمت اور ریاست وقدر میں انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کا علم تمام عالم میں پھیلایا یعنی عملاً امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مستنبط مسائل کی سب سے زیادہ اشاعت ان ہی کے ذریعہ ہوئی۔

امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ ائمہ ثلاثہ سے کسی طرح کم نہ تھے

امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں

---

[1] مناقب کردری تذکرہ امام ابویوسفؒ

Marfat.com

علم و عمل، فقہ و اجتہاد اور استنباط و استخراجِ مسائل کے بلند ترین مقام پر فائز تھے اور دونوں اجتہاد و استنباطِ مسائل میں ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے کسی طرح بھی کم نہ تھے۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ نے تو دونوں سے استفادہ بھی کیا ہے اور اس پر فخر بھی، چنانچہ علامہ مرجانیؒ (م ۱۳۰۶ھ) لکھتے ہیں:۔

وحالہم فی الفقہ ان لم یکن ارفع من مالک والشافعی وامثالہما فلیسوا بدونہما [1]

امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مرتبہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سے بلند نہیں ہے تو ان سے کمتر بھی ہرگز نہیں۔

لاؤ! اگر ابو یوسفؒ کا سا کوئی آدمی پیش کر سکتے ہو

جب عباسی حکمرانوں کا حنفی فقہ اور حنفی فقہاء کے بغیر نظامِ حکومت کے تاراج ہونے کا اندیشہ یقین سے بدل گیا تب ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسفؒ کو عام قاضی کے عہدے سے ترقی دے کر قاضی القضاۃ (لارڈ چیف جسٹس) کا مقام دے دیا گویا محکمہ عدلیہ کی مطلق العنان وزارت پر قاضی ابو یوسفؒ براجمان ہو گئے۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ:۔

کان الیہ تولیۃ القضاء فی الآفاق من المشرق الی المغرب [2]

یعنی قاضی ابو یوسفؒ کے اختیار میں تھا کہ مشرق سے مغرب تک قاضیوں کا تقرر کریں۔

خود امام ابو یوسفؒ کا ارشاد ہے:۔

فولانی قضاء البلاد کلہا [3]

پھر مجھ کو تمام ممالک محروسہ کی قضاء کی ذمہ داری سونپ دی۔

مگر مخالفین اور حاسدین سے قاضی ابو یوسفؒ کی یہ وسیع تر ذمہ داریاں، اختیار اور

---

[1] سیر الصحابہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۷ [2] جواہر مضیئہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۱
[3] مناقب موفق تذکرہ ابو یوسفؒ

Marfat.com

عظمت نہ دیکھی جا سکی اور ہارون رشید سے طرح طرح کی شکایات شروع کر دیں، اور کہنے لگے :-

کان فقیہاً عالماً انک رفعت ابا یوسف فوق المقدار وانزلتہ المنزلۃ الجلیلۃ الرفیعۃ فبای وجہ نال ذلک منک لہ	ابو یوسفؒ تو محض ایک عالم اور فقیہ تھے آپ نے ان کی حیثیت سے کہیں زیادہ ان کو بلند کر دیا اور غیر معمولی اعزاز و اکرام بخش دیا تو یہ مرتبہ آپ کے ہاں انہوں نے کس وجہ سے حاصل کیا۔

ایسے ہی شکایت کرنے والوں سے ایک روز ہارون الرشید نے (جو خود بھی بہت بڑا فقیہ، اچھا عالم اور نقاد تھا) جواب میں کہا:-

"اس لیے کہ مجھے قاضی ابو یوسفؒ کی معرفت حاصل ہے، از روئے تجربہ میں اُن کی قدر و منزلت بڑھانے پر مجبور ہوں، خدا کی قسم! ابواب علم میں سے کوئی ایسا باب نہیں جس میں میں نے ابو یوسفؒ کا امتحان نہ لیا ہو، مگر میں نے ہمیشہ اور ہر موقعہ پر انہیں کامل اور یکتا پایا، وہ ہمارے ساتھ حدیث کے حلقوں میں جاتے تھے ہم لکھ لیتے تھے وہ نہیں لکھتے تھے، پھر جب ہم مجلس سے اٹھتے تو اصحاب حدیث انہیں گھیر لیتے، وہ اپنے لکھے ہوئے نوٹوں کی تصحیح ان کے حافظہ سے کرتے اور فقہ میں تو انہیں وہ مرتبہ حاصل ہے جس پر آج تک کوئی آدمی نہیں پہنچ سکا، بڑے بڑے لوگ ان کے سامنے پہنچکر چھوٹے اور کم مایہ نظر آنے لگتے تھے، ان کے پاس بڑے بڑے فقیہ آتے تھے جبکہ وہ عام مجلس میں بیٹھے ہوتے تو اس موقعہ پر نہ ان کے پاس کوئی نوٹ بک ہوتی اور نہ کوئی کتاب، وہ ہمارے ساتھ شریک مجلس رہتے اور ان آنے والے علماء اور فقہاء سے سوال کرتے کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ وہ جواب دیتے: "فلاں فلاں باب کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں" ابو یوسفؒ وہیں بیٹھے بیٹھے برجستہ ان کے

لہ مناقب موفق ترجمہ امام ابو یوسفؒ

Marfat.com

ہر سوال کا جواب دیتے اور چٹکی بجانے میں ہر مشکل حل کر دیتے، یہ وہ خصوصیت تھی جس سے ان کے ہمعصر علماء عاجز تھے، پھر ان سب باتوں کے علاوہ وہ استقامت فی المذہب اور صیانت فی الدین کا بھی نمونۂ کامل تھے...... اس کے بعد ہارون الرشید نے کہا ——— لاؤ اگر ابو یوسفؒ کا سا کوئی آدمی لا سکتے ہو ———"

امام ابو یوسفؒ نے عہدۂ قضا کو بلندی بخشی تھی ــ

یہ صرف ایک دو واقعات نہیں بلکہ امام ابو یوسفؒ کی پوری زندگی اس کی عملی تفسیر تھی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے جس مقصد کی خاطر یہ عہدۂ قضا قبول کیا تھا وہ اس میں کتنے کامیاب تھے۔ انہوں نے اپنے ذاتی کردار اور علم و تفقہ سے اس عہدہ کو کتنا بلند اور خود حکومت میں کتنا اثر اور رسوخ پیدا کر لیا تھا کہ وزراء اور ارکانِ حکومت تک کے دل میں رشک و حسد پیدا ہونے لگا تھا۔ یہ ہارون ہی کے عہد کا ایک واقعہ ہے جس میں برامکہ جیسے بیدار مغز وزراء اور ارکانِ دولت تھے۔

امام ابو یوسفؒ کے بعد اسی عہدہ پر جب وہب بن وہب ابی البختری کا تقرر ہوا تو وہ خلیفہ ہارون رشید کے ہر کام کے جواز کے لیے حدیثیں وضع کرنے لگتا تھا مشہور ہے کہ انہوں نے کئی بار اس طرح کا اقدام کیا، دو ایک بار تو ہارون کچھ نہ بولا، مگر وہ بھی تو صاحبِ علم و نظر تھا اور پھر امام ابو یوسفؒ جیسے متدین اور محتاط قاضی کی رفاقت میں رہ چکا تھا کب خاموش رہ سکتا تھا۔ چنانچہ ایک روز خلیفہ کبوتر اڑا رہا تھا کہ قاضی وہب آگئے پوچھا جناب! کبوتر بازی کے لیے بھی کوئی حدیث آئی ہے؟ بے محابا شیخ نے یہ روایت سنا دی کہ:-

"مجھ سے ہشام بن عروہؒ نے یہ روایت کی ہے کہ ان کے والد ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے واسطے سے بیان کرتے تھے کہ وہ فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبوتر بازی کی ہے اور اس سے شغف فرمایا ہے"۔ ہارون رشید یہ سنکر آپے سے باہر ہو گیا اور نہایت خشمگیں آواز میں بولا نکل جاؤ میرے سامنے سے، اگر تمہارا تعلق قریش سے نہ ہوتا

Marfat.com

تو میں ابھی تمہیں معزول کر دیتا" اور یہی ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد معزول کر دیئے گئے [1]

اس ایک واقعہ سے امام ابو یوسفؒ کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، امام ابو یوسفؒ محض اسماً یا تبرکاً قاضی تھے بلکہ وہ حکومت کے محکمہ عدلیہ کے پورے انچارج یا بالفاظِ دیگر وزیرِ عدل و قانون تھے۔ ہارون رشید جیسا باجبروت اور خود پرست خلیفہ ان کا اس قدر اکرام کرتا تھا کہ باب خلافت تک پہنچ جاتے کے باوجود وہ سواری سے نہیں اترتے تھے حریمِ خلافت کا پردہ اٹھا دیا جاتا اور آپ کی سواری اندر چلی جاتی تھی، جب ہارون رشید کا سامنا ہوتا تو وہ خود سلام میں سبقت کرتا تھا، ان کے لیے ہر وقت دربار میں باریابی کی اجازت تھی اور کسی وقت بھی کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔

امام ابو یوسفؒ کی موجودگی میں محدّث ابو معاویہؒ کے پاس کیوں آتے ہو

حسن بن ابی مالکؒ کی روایت ہے کہ ہم لوگ محدث ابو معاویہؒ کے پاس جایا کرتے تھے تاکہ ان سے حجاج بن ارطاۃ کی احادیث میں احادیثِ احکامِ فقہ حاصل کریں۔ تو وہ ہم سے فرمایا کرتے کیا تمہارے پاس قاضی ابو یوسفؒ نہیں ہیں؟ ہم عرض کرتے کہ ہیں، تو وہ بڑی حیرت اور تعجب سے فرماتے کہ "تم لوگ بھی عجیب ہو کہ امام ابو یوسفؒ کو چھوڑ کر میرے پاس آتے ہو"۔ فرمایا کہ ہم لوگ حجاج بن ارطاۃ کے پاس اکٹھے جایا کرتے تھے، تو جس وقت حضرت حجاجؒ حدیث کی املاء کراتے تھے تو امام ابو یوسفؒ سب حدیثیں یاد کر لیا کرتے تھے، پھر جب ان کی مجلس سے نکل آتے تو ہم امام ابو یوسفؒ کے حافظے سے ہی وہ سب احادیث لکھ لیا کرتے تھے [2]

ائمہ احناف کی فقہی ڈگریاں

امام مزنیؒ سے کسی نے اہلِ عراق کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق فرمایا:۔

سیدھم (ترجمہ) ان کے سردار

امام ابو یوسفؒ کے بارے میں فرمایا:۔

---

[1] تاریخ خطیب بغدادی جلد ۸ ص۲۵۳ [2] مقدمہ انوار الباری ص۱۷۱

Marfat.com

اتبعھم للحدیث (ترجمہ) ان میں سب سے زیادہ حدیث کے پیرو

امام محمد کے متعلق فرمایا۔

اکثرھم تفریعاً (ترجمہ) سب سے زیادہ مسائل اخذ کرنے والے۔

امام زفرؒ کے بارے میں فرمایا۔

احدھم قیاساً (ترجمہ) سب سے زیادہ قیاس میں تیز [1]

امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درجات

ابن ابی رجاء نے محمدؒ سے (جو ابدال میں شمار ہوتے تھے) روایت کی ہے کہ میں نے وفات کے بعد ایک مرتبہ امام محمدؒ کو خواب میں دیکھا تو اُن سے پوچھا اے ابو عبداللہ! خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی اور خدا تعالیٰ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو علم کا خزانہ نہ بناتا اگر تم کو عذاب دینے کا ارادہ رکھتا۔" میں نے پوچھا امام ابو یوسفؒ کے ساتھ کیا گذری؟ امام محمدؒ نے جواب دیا "فوقی" یعنی وہ مجھ سے ایک درجہ اونچے ہیں جنت میں۔" میں نے پھر سوال کیا اور امام ابو حنیفہؒ کا سنایئے؟ امام محمدؒ نے فرمایا: "فوقہ بطبقات" یعنی وہ امام ابو یوسفؒ سے بھی بہت طبقے اوپر اعلیٰ علیین میں ہیں۔" [2]

تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

ابن ابی عمرانؒ جو امام طحاویؒ کے شیوخ میں سے ہیں، فرماتے ہیں میں نے علی بن الجعد نوریؒ جیسے صاحب فضل و کمال کو دیکھا، میں نے حسن بن صالحؒ جیسے یگانۂ روزگار فرد کو دیکھا، میں نے امیر المؤمنین فی الحدیث امام مالکؒ کو دیکھا، میں نے ابن ابی ذئبؒ جیسی گوناگوں کمالات و خصائص رکھنے والی شخصیت دیکھی، میں نے لیث بن سعدؒ جیسے نادرۂ روزگار شخص کو دیکھا، میں نے شعبہ بن الحجاجؒ جیسے فردِ فرید کو دیکھا لیکن کسی میں وہ بات نہ پائی جو امام ابو یوسفؒ میں دیکھی [3] ع

تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

---

[1] تاریخ بغداد و حسن التقاضی ص ۲۹ [2] امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ناقدین ص ۸۵ [3] حسن التقاضی ص ۲۳

Marfat.com

امام ابو یوسفؒ کی شان میں وقت کے اکابر نے ثنا و صفت کے جو الفاظ استعمال کیے ہیں سب کا استقصاء طوالت کا باعث ہے۔ ابن ابی عمرانؒ کے قول سے بھی یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے علم، اجتہاد، اصابت رائے اور پختگی فکر سے ان کے معاصرین کس درجہ متاثر تھے اور کس طرح بیساختہ وہ ان گھمبیر عالم کے حضور خراج عقیدت پیش کرنے پر اپنے تئیں مجبور پاتے ہیں، اس کی وجہ ان کی ذاتی شرافت اور بے داغ کردار تھا۔

اپنے کام سے کام

درحقیقت اہل علم کے بھی دو طبقے ہیں (۱) ارباب صلاح و تقویٰ، (۲) اصحاب ہوا و ظن ــــ دوسرا گروہ صرف اپنے لیے، اپنی جماعت کے لیے اور صرف اپنے ہمخیالوں کے لیے کلمۂ خیر کہنے کا عادی اور مدح و ستائش کا خوگر ہوتا ہوتا ہے، اس کے برعکس اوّل الذکر گروہ کسی کے لیے بھی اپنے دل میں برائی کا جذبہ نہیں رکھتا سب کے لیے نیک گمان رکھتا ہے اور ہر کسی کے فضل و کمال کے اعتراف و ستائش کیلئے تیار رہتا ہے، امام ابو یوسفؒ کا شمار بھی اسی گروہ میں ہوتا ہے، انہوں نے اپنے مخالفوں اور نکتہ چینوں تک کی تعریف میں اور ان کے فضل و کرم کے اعتراف اور اقرار میں ذرا بھی تامل نہیں کیا بلکہ فراخدلی کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیا اور اس طرح دنیا پر ثابت کر دیا کہ ان کا دل کتنا وسیع تھا اور وہ بدگمانی اور ظنِ فاسد سے کتنے دُور تھے انہوں نے کبھی کسی کی برائی نہیں کی، کبھی کسی کے لیے سخت درشت اور نازیبا الفاظ استعمال نہیں کیے کبھی کسی کے بارے میں ایسی رائے کا اظہار نہ کیا جو اس کے لیے موجب توہین اور اس کے ماننے والوں کے لیے باعثِ تکلیف ہو، انہوں نے اپنے کام سے کام رکھا اور اس کی ذرا پرواہ نہیں کی کہ لوگ کیا کہتے اور کیا کرتے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کا قصرِ جمیل

القواس سے کی روایت ہے کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت معروف کرخیؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو انہوں نے مجھ سے امام ابو یوسفؒ کی خیریت دریافت کی، میں نے عرض کیا حضرت! امام ابو یوسفؒ علیل ہیں اور بیماری بڑھ رہی ہے۔ ارشاد فرمایا:

"اگر امام ابو یوسفؒ کی علالت بڑھ جائے اور کوئی حادثہ واقع ہو

Marfat.com

جائے (یعنی وفات پا جائیں) تو دیکھو! مجھے فوراً مطلع کرنا، ایسی خبر میں ہرگز تاخیر نہ کرنا۔"

راوی کا بیان ہے کہ میں ان سے رخصت ہو کر دار الرقیق کے دروازہ پر پہنچا تو امام ابو یوسفؒ کا جنازہ نکل رہا تھا اور لوگ انبوہ در انبوہ، جنازہ میں شریک ہو رہے تھے میں بھی ساتھ ہو لیا معروف کرخیؒ کا ارشاد اور تاکید مجھے یاد تھی مگر دل میں سوچا کہ اب اگر معروف کرخیؒ کو اطلاع کرنے جاتا ہوں تو نماز جنازہ سے رہ جاتا ہوں اور نہ حضرت معروف کرخیؒ اسے پا سکیں گے۔ بہر حال میں نماز جنازہ میں شریک ہو گیا۔ اس کے بعد جب حضرت کرخیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وفات کی خبر سنائی تو اُن کو بے حد صدمہ ہوا، چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، بار بار انا للہ... پڑھتے جاتے تھے۔ میں نے عرض کیا اے ابو محفوظ! (یہ حضرت معروف کرخیؒ کی کنیت ہے) آپ کو نماز جنازہ میں شریک نہ ہونے کا اس قدر صدمہ کیوں ہے اور آپ اس قدر مغموم کیوں ہیں؟ فرمانے لگے:-

"میں نے آج رات ایک خواب دیکھا گویا میں جنت داخل ہوا ہوں دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک شاندار محل تعمیر ہوا ہے اور اس کا بالائی حصہ بھی مکمل ہو چکا ہے، جن پر دے آویزاں کر دیئے گئے ہیں۔ میں نے اہلِ جنت سے پوچھا یہ محل کس کے لیے تیار ہوا ہے؟ انہوں نے جواب دیا "قاضی امام ابو یوسفؒ کے لیے"۔ میں نے پوچھا انہوں نے یہ مرتبہ کیونکر پایا اور کس بات پر وہ اس قصر جمیل کے مستحق ٹھہرے؟ اہلِ جنت نے جواب دیا "اس بات پر کہ انہوں نے علم کو پھیلایا اور لوگوں کی کڑوی کسیلی باتیں صبر و شکر کے ساتھ سنیں اور لوگوں نے جو اذیتیں انہیں پہنچائیں سے انہیں خندہ جبینی سے برداشت کیا"[1]

---

[1] تاریخ بغداد

Marfat.com

امام ابو یوسفؒ نے ہارون رشید کے خلاف فیصلہ دیا

امام ابو یوسفؒ نے ایک فیصلہ ہارون رشید کے خلاف بھی دیا تھا مگر اس میں ان سے ذرا سی غلطی ہو گئی تھی جس کا ان کو زندگی بھر افسوس رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ سوادِ عراق کے ایک بوڑھے نے ہارون رشید کے خلاف یہ دعویٰ دائر کیا کہ فلاں باغ میرا ہے لیکن خلیفہ نے اس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ اتفاق سے یہ مقدمہ اس روز پیش ہوا جس روز خود ہارون رشید فیصلے کے لیے بیٹھا تھا۔ قاضی ابو یوسفؒ فریقین کے بیانات اور ان کے دعوے ہارون رشید کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ جب اس مقدمہ کی باری آئی تو انہوں نے خلیفہ کے سامنے اس کو پیش کیا اور کہا کہ آپ کے اوپر دعویٰ ہے کہ آپ نے فلاں آدمی کا باغ زبردستی لے لیا ہے، مدعی یہاں موجود ہے، حکم ہو تو حاضر کیا جائے۔ بڈھا سامنے آیا تو قاضی ابو یوسفؒ نے پوچھا بڑے میاں آپ کا دعویٰ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرے باغ پر امیرالمؤمنین نے ناحق قبضہ کر لیا ہے جس کے خلاف دادرسی چاہتا ہوں۔ قاضی نے سوال کیا اس وقت وہ باغ کس کے قبضہ اور نگرانی میں ہے؟ بولا امیرالمؤمنین کے ذاتی قبضہ میں ہے۔ اب قاضی ابو یوسفؒ نے ہارون رشید سے مخاطب ہو کر کہا کہ دعویٰ کے جواب میں آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں! ہارون رشید نے کہا میرے قبضہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں اس شخص کا حق ہو، نہ خود باغ ہی میں اس کا کوئی حق ہے۔ قاضی صاحبؒ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد مدعی سے پوچھا کہ تمہارے دعوے کے ثبوت کیلئے کوئی دلیل بھی ہے؟ کہا ہاں خود امیرالمؤمنین سے قسم لے لی جائے۔ ہارون رشید نے قسم کھا کر کہا کہ یہ باغ میرے والد مہدی نے مجھے عطا کیا تھا، میں اس کا مالک ہوں۔ بوڑھے نے یہ سُنا تو اس کو بہت غصہ آیا اور یہ بڑبڑاتا ہوا عدالت سے نکل گیا کہ جس طرح کوئی شخص آسانی سے ستو گھول کر پی جائے، اسی طرح اس شخص نے آسانی سے قسم کھا لی [1]۔ ایک معمولی آدمی کی زبان سے یہ الفاظ سُنکر

---

[1] امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ مدعی نصرانی تھا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عدل و انصاف کا اس زمانہ میں کیا معیار تھا۔

Marfat.com

ہارون رشید کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ یحییٰ برمکیؒ نے ہارون کو خوش کرنے کیلئے امام ابو یوسفؒ سے مخاطب ہو کر کہا آپ نے دیکھا اس عدل و احسان کی نظیر دنیا میں مل سکتی ہے؟ امام ابو یوسفؒ نے اس کی تحسین کی اور کہا مگر انصاف کے بغیر کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

مذکورہ بالا معاملہ میں امام ابو یوسفؒ نے انصاف کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، مگر پھر بھی آخر وقت تک ان کو جب اس واقعہ کا خیال آجاتا تو فرماتے مجھے میں اپنے اندر سخت کوفت، اذیت، رنج محسوس کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ میں نے انصاف میں جو کوتاہی کی ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کیا جواب دوں گا، لوگوں نے پوچھا آپ نے انصاف میں کیا کوتاہی کی' اور آپ اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے کہ ایک معمولی کسان کے مقابلہ میں وقت کے سب سے بڑے بادشاہ کو قسم کھانے پر مجبور کر دیا؟ فرمایا تم لوگوں نے نہیں سمجھا کہ مجھے کس خیال سے تکلیف ہوتی ہے، پھر افسوس کے لہجہ میں فرمایا کہ مجھے تکلیف اور کڑھن اس کی ہے کہ میں ہارون رشید سے یہ نہ کہہ سکا کہ آپ کرسی سے اتر جائیے جہاں آپ کا فریق کھڑا ہے وہیں ایک فریق کی حیثیت سے آپ بھی کھڑے ہو جائیے یا پھر اجازت دیجئے کہ اس کے لیے بھی کرسی لائی جائے[1]

کاش ایسا نہ ہوتا

ابو بکر خصافؒ بھی غالباً یہی واقعہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب امام ابو یوسفؒ پر نزع کا عالم طاری ہوا تو ہم اُن کے سرہانے بیٹھ گئے تھے۔ ہم نے ان سے سوال کیا کیا آپ موت کے خیال سے کچھ پریشان ہیں؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم ہاں! مگر ایک بات ہے ہوا یوں تھا کہ ایک مرتبہ ایک عیسائی نے خلیفہ ہارون رشید پر میری عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا، میں نے خلیفہ ہارون رشید اور نصرانی دونوں کو طلب کیا، خلیفہ ہارون رشید تو اس حالت میں آیا کہ اس کے لیے ایک مصلیٰ لایا گیا تھا جس پر وہ بیٹھ گیا مگر میں نے ایسا ہی مصلیٰ نصرانی کے لیے منگا کر اسے نہیں بٹھایا۔ بس یہی ایک کھٹکا ہے' یہ میرے دل کی

---

[1] مناقب موفق جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ تذکرہ امام ابو یوسفؒ و سیر الصحابہ جلد ۸ صفحہ ۸۰ تا ۸۲

Marfat.com

خلش ہے اور افسوس ہے جو اپنے ساتھ لیے جارہا ہوں، کاش ایسا نہ ہوتا[1]

تقویٰ و دیانت اور اولاد کی تربیت

ابراہیم بن الجراحؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم امام ابویوسفؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، اس مجلس میں بشر بن ولیدؒ بھی موجود تھے کہ ان کی اسی مجلس میں ان کے صاحبزادے یوسفؒ بھی تشریف لائے اور ایک مسئلہ پر بحث و گفتگو شروع تھی۔ مگر ابویوسفؒ اپنے صاحبزادے یوسفؒ کو گھور گھور کر دیکھتے اور ڈانٹ کر فرماتے۔

"یہ تم کیا پہنے بیٹھے ہو؟"

وجہ یہ تھی کہ یوسفؒ نے ایک قیمتی جبّہ زیب تن کیا ہوا تھا اور امام ابویوسفؒ کی دیانت اور تقویٰ اس کا متحمل نہیں تھا کہ وہ اپنی اولاد و احجاد کو قیمتی اور بھڑک دار لباس میں دیکھیں[2]

زہد و ورع اور ذوقِ عبادت

احمد بن عطیہؒ کی روایت ہے فرماتے محمد ابن سماعہؒ کہا کرتے تھے۔

"حضرت امام ابویوسفؒ قاضی القضاۃ کے عظیم منصب پر فائز ہوئے، منصب کی عظمت، ذمہ داریوں کی نزاکت، وسیع و عریض مملکت کے مسائل، طبعی اور فطری احوال، عام حوائج اور عامۃ الناس کی ضرورتوں اور بشری تقاضوں کے باوجود بھی امام ابویوسفؒ کا ہمیشہ کا معمول یہ تھا کہ روزانہ دو سو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔"

محمد بن صباحؒ سے بھی ایک روایت ہے کہ امام ابویوسفؒ مردِ صالح تھے اور اکثر روزے رکھا کرتے تھے۔

تقویٰ اور خوفِ آخرت

امام ابویوسفؒ نہایت پاکدامن اور عفت مآب تھے، گاہے گاہے بارگاہِ ربوبیت میں مناجات کرتے سنا گیا تو عرض کرتے۔

---

[1] حسن التقاضی ص۵۷ [2] ایضاً ص۳۶

Marfat.com

بارِ الہٰ! تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی کوئی حرام فعل نہیں کیا اور نہ حرام کا ایک پیسہ کھایا ہے[1]

بارِ الہٰ! تو جانتا ہے کہ جب دو آدمی میرے پاس کوئی معاملہ لائے تو میں نے کبھی کوئی جانبداری نہیں کی اور نہ میری کبھی یہ خواہش ہوئی کہ فلاں کے حق میں فیصلہ ہو خواہ وہ خلیفہ وقت ہی کیوں نہ ہو، بارِ الہٰ اس کے بدلے تو مجھے معاف کر دے[2]

ان روایتوں کے راوی ابوحفصؒ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ انہوں نے آخر وقت میں ایسی بات کہی ہے جس پر زندگی میں ان کا عمل نہیں تھا بلکہ ان کی ساری زندگی اس کی آئینہ دار تھی۔

سیر الصحابہ میں آپ کے اقوال زریں کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ آپ گاہے گاہے بارگاہِ صمدیت میں یوں مناجات کیا کرتے تھے:۔

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ جب میرے پاس دو فریق آئے اور ان میں سے ایک ضعیف اور دوسرا قوی تھا تو میں نے دونوں میں ہمیشہ مساوات رکھی میں نے اس بارے میں خلیفہ اور ایک بازاری آدمی کو یکساں سمجھا، میرا قلب کبھی کسی وجاہت و قوت کی طرف مائل نہیں ہوا، اے اللہ اگر میں نے ایسا کیا بھی ہے تو تو میری مغفرت فرما دے[3]

عالمِ نزع میں توجہ و انابت الی اللہ

امام ابویوسفؒ موت سے کچھ دن پہلے بیمار پڑے، ان کو اپنی موت کا اس سے قبل ہی کچھ اندازہ ہو گیا تھا وہ برابر کہتے تھے کہ میں ۱۷ برس امام اعظم ابوحنیفہؒ کی خدمت میں رہا اور ۱۷ برس دنیا (قضاء و افتاء) کے کاموں میں، اب میرا وقت قریب ہے۔ علالت کے ایام میں ان پر عجیب رقت طاری رہتی تھی، عہدۂ قضا کی ذمہ داریوں کو

---

[1] مناقب موفق تذکرہ امام ابویوسفؒ [2] ایضاً [3] سیر الصحابہ جلد ۸ ص ۱۳۲

Marfat.com

انہوں نے جس دیانتداری سے انجام دیا، اس کی تفصیلات آچکی ہیں لیکن آخر وقت وہ یہ کہتے تھے کاش! میں فقر و فاقہ کی حالت میں اسی دنیا سے چلا جاتا اور عہدۂ قضا قبول نہ کرتا، پھر بھی میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے قصداً نہ کسی پر ظلم کیا ہے اور نہ کسی فریق کی پاسداری کی ہے اور نہ میری یہ خواہش ہوئی کہ فلاں فریق کامیاب ہو اور فلاں ناکام۔

امام شعبیؒ اپنی کتاب کفایہ میں روایت کرتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ پر جب نزع کا عالم طاری ہوا تو انہوں نے اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے عرض کیا۔

یا اللہ! میں نے تیری کتاب، تیرے نبیؐ کی سنت اور اقاویل صحابہؓ پر ہمیشہ نظر رکھی، میں نے امام ابو حنیفہؒ کو اپنے اور تیرے درمیان ایک پل بنالیا ہے، تو جانتا ہے میں نے نہ کبھی کسی قوی سے مخاصمت رکھی نہ ضعیف سے، نہ قوی کی طرف مائل ہوا نہ ضعیف سے تنگ دل۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں تو تو میری مغفرت فرمادے [۱]

علامہ ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں کہ وفات کے وقت امام ابو یوسفؒ بارگاہِ ربوبیت میں یوں عرض کر رہے تھے ـــــ "اے اللہ! تو خوب جانتا ہے میں نے کسی پر زیادتی نہیں کی، کسی پر جور نہیں کیا، جان بوجھ کر کوئی غلط حکم میں نے تیرے بندوں پر نہیں تھوپا، میں نے تیری کتاب اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کیا، جب کبھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی تو میں نے امام ابو حنیفہؒ کو اپنے اور تیرے مابین کرلیا، امام ابو حنیفہؒ تیرے احکام سے مجھ سے زیادہ واقف تھے اور تیرے حکم کے دائرے سے کبھی باہر نہیں نکلتے تھے [۳]

---

[۱] ابن خلکان تذکرہ ابو یوسفؒ [۲] مراۃ الزمان [۳] حدائق الحنفیہ ص۱۰۶ اور در مختار میں ہے کہ مسعر بن کدام جو صحاح ستہ کے راوی اور سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کے استاد ہیں فرمایا کرتے کہ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان امام اعظم ابو حنیفہؒ کو وسیلہ کرلے اور ان کے مذہب پر چلا کرے میں امید کرتا ہوں کہ اس کو کچھ بھی خوف نہ ہوگا اور کثرت سے یہ دو شعر گنگنایا کرتے ـــ

(باقی حاشیہ صـــ پر)

Marfat.com

گرانقدر نصائح

● اپنے تلامذہ سے فرماتے تھے کہ لوگو اعلم صرف رضائے الٰہی کے لیے حاصل کرو، اس میں کوئی دوسری غرض شامل نہ ہو، میرا خود اپنا حال یہ تھا کہ جس مجلس میں متواضع ہو کر شریک ہوا اس سے بلند ہو کر اٹھا اور جس مجلس میں علم کے غرور اور پندار کے ساتھ گیا اس میں میری ذلت اور فضیحت ہوئی۔ پس خبردار اللہ ہی کیلئے علم حاصل کرو۔

● اس شخص کی صحبت سے بچو جو قیامت کی ذلت اور رسوائی سے نہیں ڈرتا۔

● فرماتے تھے تین نعمتیں اصلی ہیں؛ ایک اسلام کہ دنیا کی کوئی نعمت اس کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی، دوسری صحت کہ اس کے بغیر کوئی راحت خوشگوار نہیں ہو سکتی، تیسری فارغ البالی کہ اس کے بغیر زندگی پرسکون نہیں ہوتی۔

● فرماتے تھے علم ایسی چیز ہے کہ جب تم اپنی پوری زندگی اس کو دے دو گے تب جا کر اس کا کچھ حصہ تم کو ملے گا، جب تم کو اس کا بعض حصہ ملے تو اس پر تکیہ نہ کرو بلکہ برابر اس میں لگے رہو۔

● فرماتے تھے حکومت کے ذمہ داروں کا پھٹے حال رہنا اور جھوٹی موٹی زندگی اختیار کرنا ذلت کا باعث ہے اور قضاۃ اور علماء کے لیے سادہ زندگی قابلِ فخر ہے۔

● فرماتے تھے جو شخص شاذونادر حدیث کے پیچھے پڑے گا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سے)

حسبی من الخیرات ما اعددتہ   یوم القیامۃ فی رضی الرحمان

دین النبی محمد خیر الوری   ثم اعتقادی مذھب النعمان

(ترجمہ) مجھ کو نیکیوں میں وہ چیز قیامت کے روز کفایت کرے گی جو میں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ سو وہ نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے جو تمام خالقت سے بہتر ہیں پھر اس کے بعد میرا اعتقادِ مذہب ابوحنیفہ نعمان کا ہے۔ (درمختار جلد ۱ ص۴۲)

Marfat.com

پر بہتان تراشی میں ضرور مبتلا ہو جائے گا۔

● فرمایا جو شخص کیمیا سازی کے ذریعہ مال و دولت کمانے کی کوشش کرے گا وہ مفلس ہی رہے گا۔[1]

امام ابو یوسفؒ کے مصنفات اور مؤلفات میں اگر تلاش اور استقصاء سے کام لیا جائے تو آپ کے ارشادات و کلمات جو اپنی معنویت، بلاغت، اثر آفرینی اور موقع و محل کے لحاظ سے جاذبِ فکر و نظر ہیں بہت سے مل سکتے ہیں بلکہ اس سلسلہ میں ایک پوری کتاب مرتب ہو سکتی ہے مگر ہم نے بسط و تفصیل کے بجائے ایجاز و اختصار کو ملحوظ رکھا، لہٰذا کلماتِ ماثورہ منقولہ کو قارئین مشتے نمونہ از خروارے سمجھیں۔

---

[1] سیر الصحابہ جلد ۸ ص ۱۳۳ و حسن التقاضی و مناقب موفق و کردری

Marfat.com

امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ

ولادت ۱۳۲ھ — وفات ۱۸۹ھ

مختصر سوانحی خاکہ آپ کا نام محمدؒ اور کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ تذکرہ نگاروں نے آپ کا مختصر شجرۂ نسب یوں لکھا ہے،۔

محمد بن الحسن الفرقد الشیبانی۔

ان کے والد کا اپنا آبائی گاؤں "حرستا" ترک کر کے واسط آ گئے [1] اور یہاں قیام کیا۔ امام محمدؒ یہیں واسط میں پیدا ہوئے، آپ کا سنِ پیدائش صحیح قول کے مطابق ۱۳۲ھ ہے [2] پھر واسط (عراق) سے ان کا خاندان کوفہ منتقل ہو گیا جہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ چنانچہ کوفہ آنے کے بعد امام محمدؒ کی تعلیم و تربیت، نشو و نما اور بلوغ و شعور کے مراحل یہیں اتمام کو پہنچے اور وطنی نسبت بھی یہیں سے قائم ہو گئی اور لوگوں کو رفتہ رفتہ آپ کی سابقہ وطنی نسبتیں فراموش ہو گئیں اور صرف اتنا یاد رہ گیا کہ امام محمدؒ کوفی تھے۔

---

[1] امام محمدؒ کے والد دمشق کے ایک گاؤں حرستا کے رہنے والے تھے جو دمشق میں وسط غوطہ میں واقع ہے وہیں سے عراق منتقل ہوئے وجۂ انتقال یا تو محض ترکِ وطن تھی یا بسلسلۂ ملازمت انہیں ایران آنا پڑا۔

[2] امام محمدؒ کے سنِ ولادت میں روایات مختلف ہیں بعض میں ۱۳۵ھ اور بعض میں ۱۳۱ھ منقول ہوا ہے لیکن صحیح روایت وہی ہے جو ہم نے اوپر درج کر دی ہے — تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۲۷۲ میں بھی یہی منقول ہوا ہے۔

Marfat.com

آپ نسبی یا ولائی[1] تعلق کے لحاظ سے شیبانی ہیں آپ کے والد حسن فوجی ملازمت کے سلسلہ میں اولاً شام گئے، پھر وہاں سے کوفہ منتقل ہوئے۔ ابن عساکرؒ نے لکھا ہے کہ حسن بڑے دولتمند اور فارغ البال شخص تھے ان کی ملازمت اور ترکِ وطن کی وجہ سے خاندان کے دوسرے افراد بھی ان کے ساتھ رہے۔[2]

یہیں کوفہ میں آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی، چودہ سال کی عمر میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر علم حاصل کیا۔ چار سال تک خدمت و معیت، استفادہ اور باقاعدگی سے حاضری کا شرف حاصل رہا، مگر امام ابوحنیفہؒ کا یہ اخیر دور تھا اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کے بعد مزید علم کی تحصیل اور تکمیل امام ابویوسفؒ سے کی، ۲۰ سال کی عمر میں درس

---

[1] ولائی تعلق کا مطلب یہ ہے کہ ان کے والد حسن بنو شیبان کے غلام تھے اسی نسبت سے وہ شیبانی ہیں لیکن ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر تمیمی نے اپنی کتاب "التحصیل فی اصول الفقہ" اور امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب "جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب" میں لکھا ہے کہ بنو شیبان سے آپ کا ولائی نہیں بلکہ نسبی تعلق تھا مگر جمہور تذکرہ نگاروں کی رائے یہی ہے کہ بنو شیبان سے آپ کا ولائی تعلق تھا۔

[2] ان کے اصل وطن کے بارے میں بھی تذکروں میں تین اقوال نقل ہوتے آئے ہیں۔ (۱) ابن سعدؒ نے "طبقات الکبریٰ" میں لکھا ہے کہ محمد بن الحسن جزیرہ کے باشندے ہیں ان کے والد سپاہِ شام میں ملازم تھے، فوجی ملازمت کے سلسلہ میں شام آئے پھر وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔ (۲) قاضی ابوحازمؒ کا بیان ہے کہ امام محمدؒ فلسطین کے قریب رملہ کے جوار میں ایک گاؤں کے رہنے والے تھے پھر یہ خاندان کوفہ کو منتقل ہوگیا۔ (۳) خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ وہ دمشق کے باشندے تھے اور وہاں سے واسط چلے آئے تھے مگر فی الواقع ان بیانات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ یہ ہوسکتا ہے اور عین ممکن ہے کہ ان کے والد نے شامی فوجی ملازمت کے سلسلہ میں ان تمام مقامات پر قیام کیا ہو کیونکہ حرستا اور رملہ دونوں شام کے ساتھ ملحقہ علاقے ہیں جبکہ جزیرہ تو بنو شیبان کی چراگاہ تھی اور وہاں بھی ان کی برابر آمد و رفت رہتی تھی، لہٰذا امام محمدؒ کی نسبت اس جانب ہوجانا کوئی تعجب خیز بات نہیں مگر تذکرہ نگاروں نے اسے غلط ضرور قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں امام نوویؒ اور امام سمعانیؒ کے بیانات کو ترجیح دی ہے۔

Marfat.com

دینا شروع کیا۔ آپ باتفاق اہلِ علم فقہ کے بلند پایہ امام ہونے کے ساتھ ساتھ تفسیر و حدیث کے ماہر اور لغت و ادب کے نازشِ روزگار مسلم استاد تھے۔

ترکہ سے ۳۰ ہزار درہم یا دینار ملے تھے جن میں سے آدھے علم لغت و شعر کی تحصیل میں اور آدھے فقہ و حدیث کی تحصیل میں صرف کر دیئے۔ آپ کی وقیع اور گرانقدر تصانیف جن کی تعداد نوسونوے ۹۹۰ کے قریب بتائی جاتی ہے، فقہ حنفی کا اصل سرمایہ اور بنیادی ماخذ ہیں، ۷۰ سال کی عمر میں ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔

ابتدائی تعلیم، کوفہ کا علمی ماحول اور امام محمدؒ ایک جوہر قابل

امام محمدؒ کو قدرت کی طرف سے ذہانت ذکاوت اور فراست کی دولت بے حساب عطا ہوئی تھی صحت اور توانائی کے اعتبار سے بھی یکتا تھے، شکل و صورت اور اخلاق و سیرت کے لحاظ سے بھی اپنی مثال آپ تھے، بدن مائل بہ فربہی لیکن فکر و روح لطیف اور سبک، عیش و تنعم کے جملہ سامان فراہم تھے، فراغ خاطر اور سکونِ قلب کی دولت سے مالا مال تھے، نہ کوئی فکر نہ غم نہ پریشانی نہ اندیشہ، زندگی خدا کے فضل سے ابتدائے روز سے یکسر سرور و نشاط کا مرقع تھی۔

جب اپنے والد کے ساتھ واسط سے کوفہ منتقل ہوئے اور وہیں مستقل بود و باش اختیار کر لی تو سن تمیز کو پہنچنے کے بعد امام محمدؒ کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا، کوفہ اس وقت علم و فن کا گہوارہ تھا، علوم عربیہ کا مرکز، علماء و مشائخ کا مسکن اور فقہ و حدیث کا گویا ایک دار العلوم تھا کیونکہ حضرت علیؓ نے اسے پایۂ تختِ خلافت بنانے کا شرف بخشا تھا، کبار صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے آکر یہیں اقامت اختیار کر لی [1] علمی اعتبار سے اسے تمام ممالکِ اسلامیہ میں "ام البلاد" کی حیثیت حاصل تھی۔ اسی مادرِ علمی کی آغوش میں امام محمدؒ کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا، اسی ماحول میں انھوں نے نشو و نما پائی، اوائل میں قرآنِ حکیم کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ادب و لغت

---

[1] اس سلسلہ کی مزید تفصیل "دفاع امام ابوحنیفہؒ" باب اوّل میں ملاحظہ فرمایئے۔

Marfat.com

کی طرف توجہ ہوئی۔ عربی زبان، روایت اور محاضرات پر ابتداءہی سے اچھی خاصی دسترس حاصل تھی [1]

ابتدائی تعلیم کے بعد اپنے فطری ذوق تحصیلِ علم کے شوق، جذبے اور صحبتِ صالحین کی نافعیت کے یقین اور اشتیاق کی بناء پر کوفہ کے بڑے بڑے شیوخ، ائمہ، اہلِ علم اور اساتذۂ فن کے درسوں میں شریک ہونے لگے۔ فطری استعداد، صلاحیت اور کوفہ کے علمی ماحول نے کم سنی ہی میں انہیں ایک جوہرِ قابل بنا دیا۔

امام اعظمؒ ابوحنیفہ کی مجلس میں پہلی حاضری ایک دلچسپ سوال اور امام ابوحنیفہؒ کی توقعات

امام محمدؒ کی عمر جب چودہ سال کی ہوئی تو ایک روز حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اُن سے ایک مسئلہ کے بارے میں دریافت کریں جس نے ان کے دل میں کھٹک پیدا کر رکھی تھی۔

امام ابویوسفؒ کی تادیب اور توقیرِ علم کا پہلا سبق

پہلی بار کی اس حاضری میں جب امام محمدؒ مجلس ابوحنیفہؒ میں پہنچے تو پوچھا کہ امام ابوحنیفہؒ کون صاحب ہیں؟ امام ابویوسفؒ نے انہیں اشارہ سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، جب امام محمدؒ بیٹھ گئے تو انھوں نے اشارہ سے بتایا کہ امام ابوحنیفہؒ فلاں صاحب ہیں۔ سوال کا یہ طریقہ چونکہ پسندیدہ نہیں تھا اس لیے ابویوسفؒ نے ٹوکا، امام ابویوسفؒ کے اس اوّلین سبق کو امام محمدؒ نے ساری عمر یاد رکھا اور اس واقعہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کرتے۔

علمنی ابویوسف توقیر العلماء [2] — امام ابویوسفؒ نے ہمیں علم کی توقیر کرنی سکھائی۔

اس کے بعد امام محمدؒ نے مسئلہ دریافت کرتے ہوئے عرض کیا حضرت ایسے

---

[1] بلوغ الامانی فی سیرت الامام محمد بن الحسن الشیبانی ص۵ [2] مناقب کردری ص۲۸ ج۲

شخص کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے جو عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد سویا تو اُسے احتلام ہو گیا تو کیا اسے نمازِ عشاء از سرِ نو پڑھنی چاہیئے؟

امام اعظمؒ نے ارشاد فرمایا جی ہاں! اسے نماز دوبارہ پڑھ لینی چاہیئے۔

یہ سُنکر امام محمدؒ اٹھے، جوتے بغل میں دبائے اور گوشۂ مسجد میں جاکر نماز دُہرائی۔

امام ابوحنیفہؒ نے ان کی ذکاوت، ذہانت، سوال کا انداز، شرم و حیا کا غلبہ اور اسی وقت اعادۂ صلوٰۃ دیکھ کر فرمایا۔

ان ھذا الصبی یفلح انشاء اللہ تعالیٰ[1] یہ لڑکا انشاء اللہ ترقی کرے گا۔

امام محمدؒ کا یہ پہلا سبق تھا جو انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے حاصل کیا۔

یہ واقعہ خود امام محمدؒ کا ہے جو سوال کرنے سے قبل نابالغ تھے، عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے تو بالغ ہو گئے چونکہ وقتِ عشاء باقی تھا اس لیے امام ابوحنیفہؒ نے اعادۂ صلوٰۃ کا حکم دیا تو آپ نے نماز دوبارہ پڑھ لی۔ سوال کرنے کے انداز سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مجلس میں حاضرین زیادہ تھے اور خود امام محمدؒ کا سن بھی ایسا تھا کہ اگر بلوغ کی تصریح کر دی جاتی تو لوگ سمجھ جاتے کہ یہ صاحب خود بالغ ہوئے ہیں۔ طبیعت میں حد درجہ حیا اور شرافت تھی اس لیے سوال میں شخص کو مجہول رکھا۔ مگر یہ تو امام اعظمؒ کی فراست، دانائی اور زیرکی تھی کہ سوال کی عبارت میں مبتلا بہ کو پہچان لیا اور اس کی ذہانت و فراست کی داد دیتے ہوئے اس کے مستقبل کے بارے میں اس کی ترقی کی پیش گوئی بھی کر دی جو صحیح ثابت ہوئی۔

ایک ہفتہ میں قرآنِ حکیم کا حفظ و استحضار

امام محمدؒ کے بلوغ، مجلسِ ابوحنیفہؒ میں حاضری، مبہم استفتاء، امام ابوحنیفہؒ کا جواب اور امام ابویوسفؒ کی تادیبِ علم نے امام محمدؒ کی اس پہلی حاضری کو ان کیلئے روشن اور عظیم مستقبل کا پیش خیمہ بنا دیا، ان کے دل میں امام ابوحنیفہؒ کی توقیر، محبت اور

---

[1] بلوغ الامانی ص ۵ و مناقب کردری ص ۴۲۸

Marfat.com

عظمت جاگزیں ہو گئی جس نے انہیں تحصیل علمِ فقہ، مجلسِ ابوحنیفہؒ میں باقاعدہ حاضری کی انگیخت، امام ابوحنیفہؒ سے عقیدت اور تلمذ کا شرف حاصل کرنے پر مائل کر دیا۔ فقہی مجالس کے جلال اور وقار کی کیفیات دیکھ کر وہ مجبور ہو گئے تھے اور اب باقاعدہ حاضری کے لیے بے چین رہنے لگے۔

چنانچہ کچھ دنوں کے بعد تحصیلِ فقہ کا ذوق اور حصولِ علم کا شوق لیے ہوئے وہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مجلسِ علم میں حاضر ہوئے اور حلقۂ تلمذ میں داخل ہونے اور باقاعدہ استفادہ اور مدرسہ میں داخلہ کی درخواست امام ابوحنیفہؒ کے سامنے پیش کر دی [1]

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا دستور تھا کہ وہ قرآن کو حفظ اور مستحضر کیے بغیر کسی کو اپنے حلقۂ درس میں بہت کم لیتے تھے کیونکہ ان کے مسلک پر چلنے والے کے لیے حفظ القرآن اور اس کا استحضار از بس ضروری تھا۔ جو شخص قرآنِ حکیم پر عبور رکھتا ہوگا اسے پھر کسی دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں کیونکہ دلائل اور حجت کے لحاظ سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دلیل وحجت کا سب سے پہلا ماخذ قرآنِ عزیز ہی ہے۔۔۔۔ تو اس دستور اور اصول کے پیشِ نظر امام محمدؒ سے بھی امام ابوحنیفہؒ نے یہی فرمایا:۔

فقال لہٗ ابو حنیفہ استظھر القرآن اولاً۔ | (اگر تحصیل علمِ فقہ کا شوق ہے) تو سب سے پہلے قرآنِ کریم پر عبور حاصل کر لو۔

چنانچہ امام محمدؒ مجلس سے چلے گئے اور خود کو ہمہ تن قرآنِ کریم کے حفظ و استحضار کے لیے وقف کر دیا۔ ایک ہفتہ کے بعد وہ اپنے والد کے ساتھ دوبارہ امام ابوحنیفہؒ کی درسگاہ میں حاضر ہوئے، داخلہ کی درخواست پیش کی اور اس کے ساتھ ساتھ عرض کیا کہ حسب الحکم ایک ہفتہ میں میں نے قرآنِ حکیم حفظ کر لیا اور بحمد اللہ تعالےٰ جمیع قرآن مستحضر بھی ہے۔

امام سمعانیؒ کی ربیعؒ سے روایت ہے کہ:۔

---

[1] بلوغ الامانی ص۶

فغاب سبعة ایام ثم جاء وقال حفظته [1]

امام محمدؒ سات روز تک مجلس ابوحنیفہؒ سے غائب رہے پھر حاضر ہوئے تو عرض کیا میں نے قرآن حکیم حفظ کر لیا ہے۔

بڑے لوگوں اور باشعور مردوں جیسا سوال

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے امام محمدؒ کی درخواست داخلہ کو شرف قبولیت بخشا اور اپنے حلقہ تلمذ میں انہیں داخل فرما کر تحصیل علم فقہ کا موقعہ مرحمت فرمایا داخلہ کے بعد امام محمدؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے ایک مسئلہ کے بارے میں استفسار کیا، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا یہ مسئلہ تم کس صاحب علم سے سنکر مجھ سے دریافت کر رہے ہو یا خود تمہارا اپنا طبع زاد ہے اور کسی دوسرے کے بتائے بغیر تمہارے دل میں پیدا ہوا ہے؟ امام محمدؒ نے عرض کیا میں نے کسی سے بھی نہیں پوچھا اور نہ کسی سے سنا ہے یہ سوال خود میرے دل میں آیا ہے! امام ابوحنیفہؒ نے ان کا یہ جواب سنا تو ارشاد فرمایا۔

سالت سوال الرجال ادم الاختلاف الینا و الی الحلقة [2]

تم کسی نوخیز اور نوعمر نوجوان کی طرح نہیں بلکہ باشعور مردوں اور بڑے لوگوں جیسا سوال کرتے ہو، اب تم برابر ہمارے پاس اور ہمارے حلقہ درس میں آتے جاتے رہو۔

امام محمدؒ کی ذہانت، فراست، فطری استعداد اور جوہر قابل کو امام اعظم ابوحنیفہؒ نے پہچان لیا اور انہیں باقاعدہ طور پر اپنے حلقہ درس میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد امام محمدؒ مستقل طور پر امام ابوحنیفہؒ کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہو گئے اور کامل یکسوئی، استغراق اور انہماک سے حصول علم فقہ میں لگ گئے۔ چار سال تک وہ امام اعظمؒ کے حلقہ درس میں ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہے، ہمیشہ سفر و حضر میں اپنے استاذ کے ساتھ ساتھ رہے اور ان کی حیات تک کسی دوسرے کے حلقہ درس میں نہیں گئے [3]

---

[1] مناقب کردری صـ۲۸۹ [2] بلوغ الامانی صـ۶ [3] جواہر مضیئہ جلد ۲ صـ۴۲

Marfat.com

چار سال کی اس طویل مدت میں انہوں نے کوئی گھڑی ضائع نہیں کی، اپنے مربی اور استاذ کے افادات، مسائل کے جوابات، فقہی غوامض، دقائق اور اصول و تفریعات کو باقاعدہ محفوظ کرتے رہے، جو بعد میں تنقیح اور تدوین کے بعد امت کے بھرپور استفادے کا ذریعہ بنے[1]

حُسنِ ظاہر و باطن کا مرقع

امام ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

من نظر الی محمد عرف انہ خلق للعلم ومع ذلک صلاح غالب وحفظ اللسان والسمت الحسن والتودد والخلق الجمیل وادب النفس والعقل الکامل[2]

جسے بھی حضرت امام محمدؒ کی زیارت ہو جاتی تھی تو اسے یقین ہو جاتا کہ امام محمدؒ کی تخلیق علم ہی کے لیے ہوئی ہے اور وہ صلاحِ غالب، زبان کی حفاظت، حسین خاموشی، محبت، اخلاقِ حسنہ، ادب اور عقلِ کامل کا سراپا مجسمہ تھے۔

حُلیہ اور جمالِ ظاہری

امام محمدؒ کے بال گھنے، گداز بدن اور نہایت ہی شکیل و جمیل اور خوش لباس آدمی تھے[3]

ان کے حسنِ صورت کے متعلق یہ قصہ مشہور ہے کہ جب ان کے والد تعلیم کی غرض سے ان کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کی خدمت میں لے گئے تو امام صاحبؒ نے ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر فرمایا کہ اس لڑکے کے سر کے بال اتروا دو اور معمولی کپڑے پہناؤ، ان کے والد نے اس کی تعمیل کی، بال اتر جانے کے بعد ان کے جمال میں اور بھی چار چاند لگ گئے۔ چنانچہ اسی ہیئت کو دیکھ کر ابونواسؒ نے یہ اشعار

---

[1] بلوغ الامانی ص۶ [2] مناقب کردری ص۴۲۵

[3] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبیؒ ص۶۰

Marfat.com

کہتے تھے ؎

حلقوا راسہ لیکسوہ قبحا		غیرۃ منھم علیہ وشحا
کانہ فی وجھہ صباح ولیل		نزعوا لیلہ وابقوہ صبحا[1]

(ترجمہ) "لوگوں نے غیرت اور بُخل کی وجہ سے ان کے سر کے بال منڈا دیے تاکہ جمال میں کمال نہ رہے اور ایک گونہ قباحت پیدا ہو جائے۔

مگر محبوب کے چہرہ میں تو رات کی تاریکی بھی ہے اور صبح کی روشنی بھی، لوگوں نے بال منڈا کر رات کی تاریکی دور کر دی تو اس سے صبح کی روشنی یعنی چہرہ کی تابندگی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔"

امام وکیعؒ فرماتے ہیں: کنا نکرہ ان نمشی معہ فی طلب الحدیث لانہ کان غلاما جمیلاً[2] (ترجمہ) "امام محمدؒ کمسن اور بہت ہی شکیل وجمیل تھے اس لیے ہم لوگ حدیث کے درس میں ان کے ساتھ جانا پسند نہیں کرتے تھے"[3]

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی رحلت اور امام ابو یوسفؒ سے استفادہ

امام محمدؒ کو امام اعظم ابوحنیفہؒ سے صرف چار سال کسب فیض اور استفادہ کا موقع ملا، یہ عرصہ اگرچہ طبعی مناسبت، دینی تربیت، فکری وحدت، شخصیت کی پرکھ و معرفت اور عقیدت و اطاعت کے لیے کافی مدت ہے مگر علم فقہ جیسے دقیق و عمیق اور وسیع فن کے لیے ہرگز کافی نہیں۔

امام محمدؒ چار سال تک امام اعظم ابوحنیفہؒ کی خدمت و فیض صحبت، معیت و رفاقت کی لذتوں اور ان کے حلقہ درس کے فیضانِ علم و معرفت سے فیضیاب ہوتے رہے۔
بالآخر وہ وقت آن پہنچا جو سب کے لیے ناگزیر ہے یعنی امام ابوحنیفہؒ نے سفرِ آخرت اختیار کر لیا۔ امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے بعد امام محمدؒ نے امام صاحبؒ کے شاگرد رشید ان کے ہم وقتی رفیق و جلیس، ان کے خلیفہ اور صحیح جانشین امام ابو یوسفؒ کی طرف رجوع

---

[1] مناقب کردری صہ ۴۲ [2] ایضاً [3] اس سلسلہ کا دلچسپ واقعہ "امام اعظمؒ کے حیرت انگیز واقعات" میں ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

کرکے مزید تکمیلِ علمِ فقہ کی غرض سے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا [1] امام ابویوسفؒ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے محبوب اور سب سے زیادہ ذی علم ثقہ و معتمد اور مزاج شناس تلامذہ میں سے تھے اور فقہ حنفی کا ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا رمز آشنا نہیں تھا، جب تک علمِ فقہ میں کامل عبور، امام ابوحنیفہؒ کے افادات میں دسترس اور فقہ حنفی میں اختصاص حاصل نہیں ہوا امام ابویوسفؒ کی درسگاہ میں کسبِ فیض کرتے رہے۔ ذہبیؒ نے لکھا ہے :-

ثم لازم ابا یوسف من بعدہ حتی برع فی الفقہ [2]	پھر امام محمدؒ امام ابویوسفؒ کی خدمت میں مستقلاً ٹھہرے رہے حتیٰ کہ علمِ فقہ میں کامل عبور حاصل کر لیا۔

پھر امام ابویوسفؒ سے بھی عقیدت و محبت، ادب و احترام اور اکرام و تعلقِ خاطر کا وہی عالم تھا جو ایک مخلص شاگرد کو اپنے لائق اور مہربان استاذ سے ہونا چاہیئے البتہ آخر میں قدرے رنجش آ گئی تھی [3] مگر وہ عقیدت و محبت اور اکرام و اطاعتِ شیخ کے لیے مانع نہ بن سکی۔

امام محمد رحمہ اللہ اور استاذ کی نگاہِ شفقت و ترجیح

امام ابویوسفؒ علم، در عمر دونوں میں امام محمدؒ سے بڑے تھے اور پھر امام محمدؒ کے استاذ اور شیخ بھی تھے، مگر اس کے باوجود وہ امام محمدؒ کا بڑوں جیسا اکرام اور احترام کرتے تھے۔ ان کی علمی صلاحیتوں، جودتِ ذہن اور فکری طباعی اور ان کے جوہرِ قابل کے شناسا اور قدردان تھے۔

امام طحاویؒ نے اسمٰعیل بن حمادؒ سے روایت کی ہے کہ امام محمدؒ نے اپنا یہ معمول بنا رکھا تھا کہ وہ بالکل صبح سویرے دوسرے شیوخِ حدیث کی مجالسِ درس میں چلا جایا کرتے تھے اور ہم لوگ علی الصبح امام ابویوسفؒ کی مجلسِ فقہ میں پہنچ جایا کرتے تھے

---

[1] بلوغ الامانی ص۶ [2] مناقب الامام ابی حنیفہؒ وصاحبیہ ص۴۷
[3] جس کی تفصیل کتاب ہذا کے ص پر درج کر دی گئی ہے

Marfat.com

اکثر ایسا ہوتا کہ امام محمدؒ جب آتے تو امام ابو یوسفؒ کئی فقہی مسائل کا درس دے چکے ہوتے۔ لیکن امام محمدؒ کے آنے کے بعد امام ابو یوسفؒ ان مسائل کو از سرِ نو دہراتے۔

فیعید علیہ ابو یوسف ما مضی [1]

یعنی امام ابو یوسفؒ ان تمام گذرے ہوئے مسائل کو امام محمدؒ کے لیے دوبارہ دُہرایا کرتے تھے۔

تاکہ امام محمدؒ سبق کے اول سے آخر تک کے مسائل سے واقف ہوں اور یہ عمل امام ابو یوسفؒ کے لیے تکدر خاطر کا ذریعہ نہیں بنتا تھا بلکہ وہ اس پر خوش ہوتے تھے اور یہی ان کا ہمیشہ کا معمول تھا۔

اساتذہ کے علوم وفنون کی حفاظت توضیح وتشریح اور ترویج واشاعت

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی وفات کے بعد امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کا دامنِ رُشد و ہدایت پکڑ لیا اور پھر ان ہی کے ہو رہے، علم فقہ اور علم حدیث کی تحصیل وتکمیل انہوں نے امام ابو یوسفؒ ہی سے کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ان کی سرگرمیاں، ان کی صلاحیتیں اور وسائل، ان کی تدریس اور اجتماعی مساعی اپنے اساتذہ سے حاصل کردہ علم کی نشر و ترویج کے لیے وقف ہو گئیں جو انہوں نے اپنے دونوں بزرگوں امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے حاصل کیا تھا۔ چنانچہ "المبسوط" ہیں اور "الجامع الصغیر" ہیں اور "السیر الصغیر" جو امام محمدؒ کی شاہکار اور معرکۃ الآراء تصانیف ہیں، امام محمدؒ نے فقہ ابی حنیفہؒ اور فقہ ابی یوسفؒ (جو ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم اور عنوان ومضمون اور ایک دوسرے کیلئے شرح وتوضیح کی حیثیت رکھتی ہیں) کو خوب اُجاگر کیا، ان کی توضیح وتشریح کی، ان کی تدریس وترویج اور اشاعت وتبلیغ میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ اسی طرح امام محمدؒ نے اپنی دیگر تصنیفات میں بھی مذہب حنفی کی دلائل وبراہین سے تائید وحمایت کی عام اس

---

[1] بلوغ الامانی ص۳۵

Marfat.com

سے کہ ان دونوں بزرگوں کے اقوال کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو لے
لائق تلامذہ اور مخلص شاگرد اپنے اساتذہ کے علوم و معارف کی اشاعت و ترویج کا وسیلہ اور اپنے بزرگوں کی نیک نامی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ امام محمدؒ اس معیار پر پورے اُترے اور پوری دنیا کے لیے ایک اسوۂ نمونہ اور ترغیب و مسابقت کا درس چھوڑ گئے ۲ہ

لہ بلوغ الامانی ص۳۵ ۲ہ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ استاذِ کامل کے علوم و فنون کی ترویج و اشاعت، تعارف و غلبہ اور ان کے اجاگر کرنے کا معیاری کردار اس کے تلامذہ ہی ادا کرسکتے ہیں مشکلاتِ علوم میں لائق تلامذہ اپنے شیوخ و اساتذہ کی علمی اور دقیق تحقیقات سے نقاب کشائی کرتے ہیں۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہزاروں شاگرد تھے جو اس چشمۂ صافی سے سیراب ہوئے، ان میں چند اخص تھے جنہوں نے علم و تحقیق، دینی خدمات، قومی و ملی اور ملکی سیاسیات میں قدم رکھا، گرانقدر خدمات انجام دیں مگر استاذی و استاذ العلماء محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں فائق تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ۵۰ سالہ تدریسی زندگی، ہزاروں تلامذہ، درسی افادات، امالئی حدیث بالخصوص آپ کے عملی کردار اور علمی افادات (حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ) کے ذریعہ حضرت مدنیؒ کے علوم و معارف اور ان کے تاریخی کردار کے تسلسل کو باقی رکھنے کا سامان مہیا فرما دیا۔ اسی طرح لیث ابن سعدؒ مشہور راوی حدیث ہیں مصر کے امام ہیں، ائمہ فن کی رائے کے مطابق امام مالکؒ سے بھی زیادہ ان میں تفقہ اور اتقان ہے لیکن امام مالکؒ کے مقابلہ میں زیادہ مشہور نہیں ہوئے اور نہ ان کا فقہی مذہب منضبط ہوا، لکھتے ہیں کہ: ان لیثاً ضیعہ اصحابہ کہ لیث کے علوم و معارف کو ان کے تلامذہ نے ضائع کر دیا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے علوم و فنون کی ترجمانی امام محمدؒ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے کی، اسی خصوصیت کی بناء پر انہیں لسان الحنفیہ کہا جاتا ہے۔ راوی اسلام حضرت ابوہریرہؓ کے مقابلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو العاصؓ کو زیادہ حدیثیں یاد تھیں اور بقول حضرت ابوہریرہؓ وہ حدیث قلمبند بھی کیا کرتے تھے جبکہ حضرت ابوہریرہؓ نے عہدِ نبوی میں صرف حفظِ حدیث پر اکتفا کیا لیکن حضرت ابوہریرہؓ کے آٹھ سو تلامذہ نے ان کی مرویات کو چار دانگ عالم میں مشہور کر دیا، ابن عمرو العاصؓ کی احادیث اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکیں، ان کی مرویات نے زیادہ تر کتبِ سنن میں جگہ پائی جبکہ حضرت ابوہریرہؓ کی احادیث صرف کتبِ صحاح میں نہیں بلکہ سنن، جوامع، مسانید

(باقی حاشیہ ص۱۴۳ پر)

Marfat.com

امام ابو یوسفؒ سے اشتیاقِ ملاقات

امام محمدؒ اپنے استاذ اور شیخ کے صرف رسمی شاگرد یا کلاس اور پیریڈ کے تلمیذ نہ تھے یا صرف درسی اوقات اور مدرسہ میں ان کی گرویدگی اور تعلق خاطر محدود نہ تھا بلکہ وہ صحیح معنوں میں محبِ صادق اور اساتذہ کی عقیدت و محبت میں فنا تھے۔ ان سے استفادۂ علم کی طرح ان کی زیارت و ملاقات اور حصولِ دعا کے لیے بھی بیتاب رہتے تھے۔ لکھا ہے کہ جب امام ابو یوسفؒ بغداد کے قاضی مقرر ہوئے اور امام محمدؒ کوفہ میں رہ گئے تو استاذ کا فراق ان پر بہت شاق گذر رہا تھا۔ بالآخر اپنے خلوص و محبت اور دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر امام محمدؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں کوفہ سے خط لکھا کہ مجھے اجازت مرحمت فرمائیے کہ میں کوفہ سے بغداد آ کر آپ کی زیارت و ملاقات اور دعا حاصل کر سکوں، مگر امام ابو یوسفؒ بھی مردم شناس اور عامۃ الخلائق کی منفعت کو ملحوظ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲ سے) معاجم، اجزاء غرض ہر نوع کتب حدیث کا سرمایہ بن گئیں۔ حافظ ابن حجرؒ کے علوم و فنون کو حافظ سخاویؒ نے محفوظ اور مدون کر کے چار چاند لگائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علوم کی پاسبانی ان کے فرزندانِ گرامی نے کی۔ اسی طرح محقق عثمانی کا یہ احسان حلقۂ علماء دیوبند میں ہمیشہ یاد رہے گا کہ موصوف نے علماء دیوبند کی تحقیقات شرح احادیث کے ذیل میں تحریر کر کے عرب دنیا کو ان تحقیقاتِ علمیہ سے واقف کر دیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف اور تحقیقات کو فتح الملہم میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح علامہ عثمانیؒ کی توجہ سے اکابر علماء دیوبند کے علوم محفوظ بھی ہو گئے اور عرب دنیا کیلئے نعمتِ بے بہا بھی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے لامع الدراری اور الکوکب الدری کے ذریعہ حضرت گنگوہیؒ کے علوم محفوظ کر دیئے۔ حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے معارف السنن کے ذریعہ شیخ انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کی ترجمانی کی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے حقائق السنن کے ذریعہ اپنے شیخ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کی شرح و تفسیر اور حفاظت و توضیح کا حق ادا کر دیا جس کی ترتیب و تدوین اور تحقیق و مراجعت کی ذمہ داری اس عاجز کو سونپ دی گئی ہے اور الحمد للہ کہ اس سلسلہ کی جلد اول منظرِ عام پر آ چکی ہے اور باقی کام جاری ہے۔

Marfat.com

رکھتے تھے، چنانچہ جواب میں امام محمدؒ کو تحریر فرمایا: "آپ بغداد آنے کی زحمت ہرگز نہ اٹھایئے کہ کوفہ والوں کو حصولِ علم، کسبِ فیض اور استفتاء و مسائل میں دقّت اور نقصان ہوگا۔"

کردریؒ نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے جواب میں لکھا۔

ان الكوفة زفت اليكم فهيئوا له الاسلام [1]

کوفہ والے آپ پر استفادۂ علم کی خاطر جمع ہوں گے آپ انہیں برابر علمی منفعت پہنچاتے رہیے

علمِ حدیث کی تحصیل کا شوق اور اسفار

قرآنی علوم میں درک و مہارت اور فقہ پر کامل عبور کے علاوہ علمِ حدیث کا ذوق اور اس کی تحصیل کا شوق بھی امام محمدؒ کو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی صحبت میں پیدا ہو چکا تھا، کیونکہ علم فقہ کے لیے جس طرح علمِ قرآن لازمی ہے اسی طرح فقیہ کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ علمِ حدیث پر بھی اس کی نظر وسیع ہو جیسا کہ پہلے بھی یہی لکھا جا چکا ہے کہ حدیث کی سماعت انہوں نے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے کی مگر اسی پر وہ کب اکتفاء کرنے والے تھے، ان کو ایسے اساتذہ کی تلاش تھی جو خالص حدیث ہی کا ذوق رکھتے ہوں۔ چنانچہ انہوں نے کوفہ، بصرہ، مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، شام اور بلادِ عراق کے مشائخ حدیث سے اس فن کی مزید تحصیل و تکمیل کی، آپ نے امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے علم کے ساتھ امام اوزاعیؒ، امام ثوریؒ اور امام مالکؒ کے علوم و معارفؒ کو بھی جمع کر دیا، یہاں تک کہ امام محمدؒ فقہ کی طرح علمِ حدیث کے بھی امام بن گئے، چنانچہ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ:۔

حتىٰ اصبح اماماً لا يبلغ شأوه فى الفقه قويًا فى التفسير والحديث حجة فى اللغة باتفاق اهل العلم من لم

جس طرح امام محمدؒ فقہ کے امام تھے اسی طرح علمِ حدیث اور علمِ تفسیر میں بھی وہ حُجّت تھے اور لغت اور ادب میں بھی مہارتِ خصوصی کے مرتبہ پر فائز تھے علماءؒ

[1] مناقب کردری ص ۴۲۷

یصب یتعصب ۱ | کا اس پر اتفاق ہے۔

امام محمدؒ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ صرف یک فنی نہیں تھے بلکہ جملہ علوم ضروریہ پر مجتہدانہ نظر رکھتے تھے، وہ جس طرح تخریجِ احکام اور تفریع مسائل پر حاوی تھے اسی طرح اسرارِ تشریع اور اسرارِ عربیت کے بھی رمز آشنا تھے۔

شوقِ حدیث نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو اساتذہ کے رتبہ و مقام سے بے نیاز کر دیا تھا

پھر تحصیل علم حدیث کے شوق اور اس کی تکمیل کے ذوق نے امام محمدؒ کو جگہ جگہ اربابِ علم و فضل کی درسگاہوں اور حلقہ ہائے افادات میں پہنچایا اور بغیر کسی نسلی، قومی نسبی امتیاز و تفریق کے اور بغیر کسی معاصرت کے ان سے کسب فیض کیا اور علم حدیث کی تکمیل کا شوق پورا کیا۔ امام محمدؒ کے اساتذہ کی طویل فہرست جو علامہ زاہد الکوثریؒ نے "بلوغ الامانی" میں نقل کر دی ہے ۲ پر غور کیا جائے تو ہمارے اس دعویٰ کی دلیل واقعاتی اور مشاہداتی طور پر آپ

---

۱ بلوغ الامانی ص ۶ ۲ علامہ کوثریؒ نے امام محمدؒ کے اساتذہ کی تعداد ستر بتائی ہے تاہم انہوں نے اپنی کتابوں میں جن لوگوں سے روایت کی ہے ان کی تعداد سو سے متجاوز ہے لیکن ان سب کا شمار اُن کے اساتذہ میں نہیں ہے بلکہ ان میں ان کے اقران اور اماثل بھی ہیں جن سے انہوں روایت کی ہے۔ ذیل میں ہم علامہ زاہد الکوثریؒ کی دی ہوئی ان کے اساتذہ و مشائخ کی فہرست نقل کیے دیتے ہیں تاکہ علمی ذوق رکھنے والوں کے لیے اس کی تنویر و توضیح ہو سکے :۔

کوفہ | [1] امام ابو حنیفہ، [2] امام ابو یوسف، [3] اسمٰعیل بن ابی خالد الاحمسی، [4] سفیان بن سعید الثوری، [5] مسعر بن کدام، [6] مالک بن مغول، [7] قیس بن ربیع، [8] عمر بن ذر، [9] بکیر بن عامر، [10] ابو بکر النہشلی، [11] عبد اللہ بن قطاف، [12] محل بن محرز الضبی، [13] ابو کدینہ یحییٰ بن السلب، [14] عبد الرحمٰن بن عبد اللہ عتبہ، [15] اسرائیل بن یونس، [16] بدر بن عثمان، [17] ابو الاحوص، [18] سلام بن سلیم، [19] سلام بن سلیمان، [20] ابو معاویہ الضریر، [21] محمد بن حازم، [22] امام زفر، [23] اسمٰعیل بن ابراہیم البجلی، [24] فضیل بن غزوان، [25] حسن بن عمارہ، [26] یونس بن ابی اسحٰق السبیعی، [27] عبد الجبار بن العباس، [28] محمد بن ابان ابن صالح القرشی، [29] سعید بن عبید الطائی، [30] ابو فروہ عروہ بن الحارث، [31] ابو زہیر العلاء بن زہیر۔

مدینہ | [32] امام مالک، [33] ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ، [34] عبید اللہ بن عمر، [35] عبد اللہ بن عمر بن حفص، [36] خارجہ بن عبد اللہ بن سلیمان، [37] محمد بن ہلال، [38] ضحاک بن عثمان، [39] اسمٰعیل بن رافع، [40] عطاف بن خالد، [41] اسحٰق بن حازم، [42] ہشام بن سعید، [43] اسامہ بن زید اللیثی،

(باقی حاشیہ ص ۱۴۶ پر)

Marfat.com

دیکھ سکتے ہیں اور بہ آسانی اس حقیقت کو پایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اقران وا ماثل میں جن لوگوں کو فنِ حدیث میں یکتا، حاذق و متخصص اور فنِ روایت و درایت میں ماہر پایا بغیر کسی جھجک کے ان کے پاس بھی پہنچے سماعت کی اور روایت کی ان اقران وا ماثل میں ایسے لوگ بھی تھے جو مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے امام محمدؒ سے فروتر تھے لیکن شوقِ تحصیلِ علم میں نہ معاصرانہ چشمک آڑے آئی اور نہ مقام و مرتبہ کی فروتری دیوار بنی۔ اعاظم رجال کی طرح امام محمدؒ نے احساس برتری کا اظہار نہیں کیا، اپنے سے کم مایہ لوگوں کے پاس بھی حدیثِ رسول علیہ التحیۃ والسلام کی جستجو اور طلب کے سلسلہ میں وہ ذوق و شوق اور وجد و کیف کے عالم میں پہنچے، زانوئے تلمذ تہہ کیا اور جس سے جو کچھ مل سکا اسے لیا اور فخر و انبساط کے ساتھ اسے اپنے کیسہ میں رکھ لیا کہ شانِ اکابر ہمیشہ سے یہی چلی آئی ہے کہ وہ اصاغر سے روایت کرنے میں تامل نہیں کرتے۔

امام محمدؒ کا یہ فطری ذوق، جذبۂ طلب اور حدیثِ رسولؐ سے عشق تھا ورنہ حضرت امام اعظمؒ کی صحبت اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے کسبِ فیض کے بعد کسی دوسرے استاد کی انہیں ضرورت نہیں تھی لیکن پھر بھی ہر شیخ اور ہر استاد کی کچھ نہ کچھ علیحدہ خصوصیات ہوتی ہیں جس میں وہ اپنے ہمعصروں سے ممتاز ہوتا ہے، نیز اُس وقت کا عام دستور بھی یہی تھا کہ

(بقیہ حاشیہ ۱۴۵ سے) [۴۴] داؤد بن قیس الفراء، [۴۵] عیسیٰ بن ابی عیسیٰ الخیاط، [۴۶] عبدالرحمٰن بن ابی الزناد، [۴۷] محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب، [۴۸] ہیثم بن عراک۔ **مکہ** | [۴۸] سفیان بن عیینہ، [۴۹] زمعہ بن صالح، [۵۰] اسمٰعیل بن عبدالملک، [۵۱] طلحہ بن عمرو، [۵۲] سیف بن سلیمان، [۵۳] ابراہیم بن یزید الاموی، [۵۴] زکریا بن اسحٰق، [۵۵] عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن یعلی الثقفی، **بصرہ** | [۵۶] ابوالعوام عبدالعزیز بن الربیع البصری، [۵۷] ہشام بن ابی عبداللہ الربیع بن الصبی، [۵۸] ابوحرہ واصل بن عبدالرحمٰن، [۵۹] سعید بن ابی عروبہ، [۶۰] اسمٰعیل بن ابراہیم البصری، [۶۱] مبارک بن فضالہ۔ **واسط** | [۶۲] عباد بن العوام، [۶۳] شعبہ بن الحجاج، [۶۴] ابو مالک عبدالملک۔ **شام** | [۶۵] ابو عمرو عبدالرحمٰن الاوزاعی، [۶۶] محمد بن راشد المکحولی، [۶۷] اسمٰعیل بن عیاش الحمصی، [۶۸] ثور بن یزید الدمشقی۔ **خراسان** | [۶۹] عبداللہ بن مبارک **یمامہ** | ایوبؒ بن عتبۃ الہاشمی ـــــ یہاں صرف ان ستر شیوخ کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ان کے اکابر میں شمار کیے جاتے ہیں ورنہ اقران و اصاغر کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے۔

Marfat.com

طلبہ جس قدر زیادہ سے زیادہ اساتذہ اور شیوخ کی خدمت میں پہنچ سکتے تھے ہر ممکنہ صورت میں پہنچکر ان سے استفادہ اور روایت کرتے تھے۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا تھا کہ جو علمی جواہر پارے سینکڑوں گوشوں میں منتشر ہوتے تھے اس طرح ایک جگہ سمٹ جایا کرتے تھے امام محمدؒ نے سینکڑوں اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تاکہ علمی میراث کی زیادہ سے زیادہ حفاظت اور ترویج کی جا سکے

علم میں فنا، عالم کی بقا کی ضمانت ہے

اکثر و بیشتر اہلِ علم، اربابِ فضل و کمال اور ائمہ فن کے سوانحی تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زمانہ طالب علمی بڑی عسرت اور تنگیوں میں گذرا، لیکن امام محمدؒ کے ساتھ خدا تعالیٰ کا یہ فضل شاملِ حال رہا کہ ان کی طالب علمی کا پورا زمانہ نہایت خوشحالی اور فارغ البالی میں گذرا اور انہیں کبھی کوئی مالی دقت پیش نہیں آئی، جب تک ان کے والد زندہ رہے ان کی کفالت کرتے رہے، جب ان کا انتقال ہوا تو ترکہ میں ایک بڑی رقم چھوڑی جس کو امام محمدؒ نے اپنی تعلیم پر صرف کیا۔

خود امام محمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنے والد سے وراثت میں تیس ہزار اشرفیاں ملیں، اُن کا نصف میں نے فنِ لغت اور شعر و ادب کے حصول میں صرف کر دیا اور باقی جو رقم بچی اسے میں نے علمِ حدیث اور علمِ فقہ کی تحصیل میں لگا دیا [1]

تاریخ بغداد کے علاوہ علامہ کوثریؒ اور کردریؒ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے امام محمدؒ بعینہٖ اس مقولہ کی عملی تصویر ہیں جو طلبہ کو ابتدائے سال میں دینی مدارس میں اساتذہ سناتے چلے آئے ہیں مگر طلبہ میں عمل کا جذبہ تب پیدا ہوتا ہے جب سُنانے اور پڑھانے والا خود بھی اس کی عملی تصویر ہو، اوّلاً مقولہ سامنے رکھیے:۔

العلم لا یعطیك بعضه حتیٰ تعطیه کلك۔	علم تجھے اپنے بعض حصہ سے بھی بہرہ ور نہیں کرے گا جب تک کہ تو علم کے حصول کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر نہ لگا دے۔

[1] تاریخ بغداد من الجزء الثانی (ترجمہ محمد بن الحسن الشیبانی)

Marfat.com

امام محمدؒ جو آفاق و اعماق کے امام ہوئے فقہ وحدیث میں عظمتیں حاصل کیں۔ مذکورہ روایت کے مطابق وہ علم میں فنا ہو چکے تھے اور فنا میں بقاء کا راز مضمر ہے۔

شوقِ مطالعہ اور لذتِ افکار

ابو حازمؒ نے امام محمدؒ کے نواسے سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ گھر میں نانا جان (امام محمدؒ) کے معمولات کیا تھے؟ میری والدہ نے بتایا لختِ جگر خدا کی قسم! امام محمدؒ اس گھر میں بیٹھے ہوتے اور ان کے گرد وپیش کتابوں کا ڈھیر ہوا کرتا تھا ان کا مشغلہ صرف کتب بینی اور مطالعہ وتحریر رہ گیا تھا کسی سے کوئی بات نہیں کرتے تھے) میں نے کبھی بھی (مطالعہ کے وقت میں) ان سے کوئی لفظ نہیں سنا اور اگر ضرورت پر کوئی بات کرنا چاہتے تو وہ بھی صرف ابروؤں اور انگلی کے اشارہ سے کر لیا کرتے تھے[1]

علم ومطالعہ اور ذوقِ کتب بینی اور اس قدر استغراق وانہماک، علم وفضل اور کمال کا زینہ ہوا کرتا ہے، امام محمدؒ نے اس زینہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور مطالعہ و استفادہ کتب ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی، یہ ان ہی کا مقولہ مشہور ہے کہ:

لذات الافکار خیرٌ من لذات الابکار[2]

علم ومطالعہ اور فکرِ اجتہاد مسائل کی لذتوں کے مقابلہ میں دوشیزاؤں کے قرب ووصال کی لذتیں ہیچ ہیں۔

ذوقِ مطالعہ وانہماک اور علم کی ذمہ داری کا احساس

علم دین میں اخلاص اور اس کی ذمہ داری کا احساس علم کی روح ہے، اگر یہ چیز نہ ہو تو علم صاحبِ علم کے لیے وبال اور باعثِ عذاب ہے۔ امام محمدؒ کے صحیفۂ زندگی میں یہ وصف بہت نمایاں ہے کہ انہیں علم دین میں اخلاص اور اس کی ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا، وہ بہت کم سوتے تھے، رات کا زیادہ حصہ درس وتدریس اور مطالعہ وتصنیف میں گذرتا، گرمیوں میں کرتا اتار دیتے تھے اور اپنے سامنے ایک طشت

---

[1] بلوغ الامانی ص۸ ومناقب کردری [2] حدائق الحنفیہ ص۱۵۴

Marfat.com

ہیں پانی رکھ لیا کرتے تھے، جب غنودگی طاری ہونے لگتی تو بدن پر چھینٹے مار لیتے، لوگوں نے آپ سے اس کم خوابی اور زحمت کشی کی وجہ دریافت کی تو فرمانے لگے :۔

کیف انام وقد نام عیون المسلمین توکلاً علینا ویقولون اذا وقع لنا امر رفعناه الیہ فیکشفہ لنا فاذا نمت ففیہ تضیع الدین [1]	میں کیسے سو سکتا ہوں جبکہ عام مسلمان ہم پر اعتماد اور یہ خیال کرکے سو رہے ہیں کہ جب ہمارے سامنے کوئی معاملہ یا نیا مسئلہ پیش آئے گا تو ان کے (امام محمدؒ) کے پاس لے جائیں گے وہ اس کو واضح کر دیں گے اور اگر میں سو رہوں تو یہ دین کا ضائع کرنا ہوگا اور اس سے دنیا کا نقصان ہوگا۔

ذوقِ مطالعہ کی تکمیل کیلئے فراغِ قلب کا اہتمام

ذوقِ مطالعہ، تحریر و تصنیف، تدوینِ مسائل اور فکر و تدبر کے سلسلہ میں امام محمدؒ نے جس طرح اپنی ذہنی صلاحیتیں اور فکری توانائیاں کھپا دی تھیں اور اس میں ان کا جس قدر شغف اور انہماک تھا اس کا یہ عالم تھا کہ محمد بن سماعہؒ نے روایت کی ہے کہ امام محمدؒ نے اپنے اہلِ خاندان کو تاکید کر رکھی تھی کہ دنیوی ضروریات اور معاملات کے سلسلہ میں مجھ سے کوئی بات چیت نہ کیا کرو اور نہ اس سلسلہ میں مجھے کچھ کہا کرو کہ ایسے امور میں پڑکر میرے علمی اور مطالعاتی ذوق میں خلل واقع نہ ہو، البتہ اس سلسلہ میں جس قدر روپیہ یا بازار سے کسی چیز کی ضرورت ہو تو میرے مقرر کردہ وکیل سے کہہ دیا کرو کہ وہ گھریلو امور اور دنیوی معاملات کی تکمیل کر دیا کرے گا کیونکہ اس طرح میرا وقت ضائع نہ ہوگا اور میں یکسوئی قلب کے ساتھ اپنا کام جاری رکھ سکوں گا۔

فانہ اقل لھمی وافرغ	کہ اس طریقہ سے میرے افکار اور فراغ قلب

---

[1] مناقب کردری ص ۴۳۶

لقلبی لہ | میں خلل اندازی کم ہو گی۔

امام محمدؒ کو قدرت نے اس قدر وہبی صلاحیتیں، اذواقِ صحیحہ اور ذوقِ کامل کی ودیعتوں سے مالا مال فرمایا تھا اس لیے تو ابتدائے شعور ہی سے طلبِ علم کی طرف پوری طرح ہمہ تن متوجہ ہوئے اور اس قدر کمال حاصل کیا کہ ۲۰ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر کوفہ کی مسجد میں افادۂ علم کے لیے بیٹھ گئے ۲ؔ یہ ان کے کمال اخلاص، للّٰہیت اور جذبۂ تحصیل علم کی برکتیں تھیں کہ ان کے مساعی مشکور ثمر آور اور کامل طور پر بار آور ہوئیں اور آج ایک دنیا اس سے استفادہ کر رہی ہے۔

مُطالعہ کے شغف میں مَیلے کپڑے تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی

اور ایک روایت میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ امام محمدؒ اس قدر مطالعہ، کتب بینی، فکر و تدبر اور استنباط و استخراجِ مسائل میں منہمک رہا کرتے تھے کہ پارچات یعنی کپڑے آپ کے مَیلے ہو جاتے تھے، ذوقِ مطالعہ اور فکری و تصنیفی انہماک میں اس قدر فرصت پیدا نہیں ہو سکتی تھی کہ اپنے کپڑے اتار لیتے اور گھر والوں سے ان کے دھونے اور دوسرے کپڑے لانے کا کہتے، لہٰذا آپ کے گھر والوں نے از خود اس بات کا اہتمام کر لیا تھا کہ جب آپ کے کپڑے مَیلے ہوتے دیکھ لیتے تو اور کپڑے آپ پر ڈال دیتے تھے اور اس طرح انہیں مجبور کر کے مَیلے کپڑے اتروا کر دھو لیا کرتے تھے ۳ؔ

امام محمدؒ نے مُطالعہ میں خلل ڈالنے والے مرغ کو ذبح کرا دیا

صاحب حدائق الحنفیہ نے یہاں پر ایک دوسرا لطیفہ بھی نقل کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایسی باتیں ان لوگوں کے لیے یقیناً اچنبھے اور حیرت و استعجاب کا باعث بن سکتی ہیں جنہوں نے کبھی کتابوں گرد جھاڑنے کی

لہ تاریخ بغداد جزء الثانی (تذکرہ محمد بن الحسن الشیبانی) و بلوغ الامانی صفحہ ۷

۲ؔ حدائق الحنفیہ صفحہ ۱۵۴ ۳ؔ ایضاً ص ۱۵۳

Marfat.com

زحمت بھی گوارا نہیں کی، جنہیں مطالعہ کتب کی فرصت ہی نہیں، اگر فرصت ہے تو ذوق نہیں، مگر جو لوگ اس وادی عشق و محبت میں قدم رکھ چکے ہیں اُن کی تو بس ایک ہی تمنا ہوتی ہے ع

خلوتے و کتابے و گوشۂ چمنے

وہ مطالعہ میں انہماک اور قلبی شغف میں معمولی خلل بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے[۱]۔ چنانچہ امام محمدؒ کے گھر میں ایک مُرغ تھا جو وقت بے وقت بانگ دے دیا کرتا تھا، ایک روز آپ نے اسے پکڑوا کر ذبح کروا دیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ مُرغا میرے لیے ناحق علم و مطالعہ کے شغل میں حارج بنا ہوا ہے[۲]۔

مُطالعہ میں انہماک اور سلام کے جواب میں دُعا

محمد بن سماعہؒ جو امام ابو یوسفؒ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں، ان کے مطالعاتی انہماک کی کیفیات بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ امام محمدؒ کو مطالعہ اور کتب بینی اور تحریر و تدوینِ مسائل میں اس قدر انہماک ہُوا کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص ان کو سلام کرتا تو انہماک و بے خبری میں (سلام کا جواب دینے کے بجائے) اس کے لیے دعا کرنے لگتے پھر جب وہ شخص دوبارہ سلام میں کچھ اور الفاظ کا اضافہ کر کے (یا توجہ دلانے کے لیے آواز

---

[۱] اور یہ تو میرا مشاہداتی واقعہ ہے کہ ایک بھنگ کے عادی نوجوان نے بھنگ پی لی اور نشہ سے مخمور ہو کر گھر میں چارپائی پر لیٹ گیا، قریب ہی بسوں کا اڈا تھا، بس کے جانے کا وقت ہُوا تو ڈرائیور نے ہارن بجایا، ہارن کے بجنے سے وہ بھنگی اور نشہ سے مخمور نوجوان بھاگتا ہُوا آیا اور ڈرائیور کو خوب گالیاں دیں، اول فول بکتا رہا، اس کا بار بار تکراری جملہ یہ تھا کہ اس کمبخت ڈرائیور نے ہارن بجا کر ہمارا نشہ توڑ دیا، اُسے ڈرائیور پر اتنا غصہ تھا کہ دسیوں کے سمجھانے بجھانے پر بھی سمجھ نہیں رہا تھا اور غلیظ گالیاں بکتا جا رہا تھا۔ تو جنہیں کتب بینی اور مطالعہ اور فکر و تدبر کا نشہ ہو وہ کب اس میں خلل برداشت کر سکتے ہیں کہ یہ نشہ تو دائمی فطری اور ہر لحاظ سے پاکیزہ نشہ ہے۔

[۲] حدائق الحنفیہ صفحہ ۱۵۳ و مناقب کردری صفحہ ۴۳۵

Marfat.com

اونچی کرکے) سلام کرتا تو امام محمدؒ پھر وہی دعائیہ کلمات دُہرا دیتے تھے [1]

عربیت اور ادب میں امام کسائیؒ سے تبادلۂ خیالات اور استفادہ

یہ تو تفصیل سے معلوم نہ ہو سکا کہ عربی ادب اور لغت کی ابتدائی تعلیم امام محمدؒ نے کس سے حاصل کی اور پھر اس کی تکمیل کہاں کی لیکن کردریؒ کی ایک روایت سے اس قدر معلوم ہو جاتا ہے کہ جب امام محمدؒ مسندِ درس پر متمکن ہوئے تو اس کے بعد بھی عربیت اور ادب وفن میں ائمہ علم اور ماہرینِ فن سے تبادلۂ خیالات اور استفادہ کرتے رہے۔

بشر بن یحییٰؒ کا بیان ہے کہ نحو اور لغت کے مشہور امام حضرت کسائیؒ اکثر امام محمدؒ کے پاس آیا کرتے تھے، ایک روز انہوں نے امام محمدؒ سے کہا کہ آپ لوگ (یعنی فقہاء) اکثر اپنے کلام کے ثبوت میں یہ جملہ کہا کرتے ہیں کہ۔

وعلی ھذا معانی کلام الناس [2]	اسی طرح لوگ کہتے ہیں، اسی طرح کا عام محاورہ ہے۔

تو آپ لوگوں کو یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہیئے، عرب کے محاوروں کو تو اس فن کے مذاق ہی جانتے ہیں، امام محمدؒ نے ان کی بات تسلیم نہیں کی اور کہا کہ ہم لوگ اس کو بہتر طور سے جانتے ہیں۔ لیکن جب امام کسائیؒ [3] کی آمد و رفت ان کے پاس برابر ہوتی رہی اور امام محمدؒ

---

[1] بلوغ الامانی ص۷ و مناقب الامام ابی حنیفہؒ وصاحبیہ للذہبی ص۴۸ [2] مناقب کردری ص۲۴۵

[3] ابوالحسن علی بن حمزہؒ اسدی لقب کسائی (متوفی ۱۸۲ھ) قاری، لغوی اور نحوی امام تھے۔ کساء (بفتح الکاف) بمعنی بزرگی، پھر یائے نسبت سے کسائی (بزرگی والا) مشہور ہوا یا کساء (بکسر الکاف) بمعنی کمبل کے ہے، پھر یائے نسبت سے کسائی (کمبل والا) ہوا اور اس نسبت کی بھی کئی وجوہات ہیں (۱) علامہ کسائی کی اپنی روایت ہے کہ میں نے کمبل (کساء) اوڑھ کر احرام باندھا ہوا تھا لوگوں نے کسائی کہنا شروع کر دیا اور تا حال اسی لقب سے مشہور ہوں (۲) خلف بن ہشامؒ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ کوفہ کی مسجد میں اذانِ فجر کے فوراً بعد علامہ کسائی کمبل اوڑھ کر امام مسجد کے مصلے پر بیٹھ گئے، چونکہ آپ فنِ قرأت کے ماہر تھے اس لیے لوگوں کو اپنی قرأت سنا کر تعارف کرانا چاہا، اس مسجد

(باقی حاشیہ ص۱۵۳ پر)

Marfat.com

ان کے مبلغ علم سے واقف ہوئے تو ایک روز فرمایا کہ بے شک تم لوگ (لغویین اور نحویین) زبان اور محاوروں سے زیادہ واقف ہو۔ اس کے بعد امام محمدؒ نے ان سے عربیت میں انتفاع کیا، روایت کے الفاظ یہ ہیں :۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۲ سے) کے امام حمزہ بن حبیبؒ جو ماہر قاری تھے، یہ علامہ کسائی سے ناواقف تھے، لوگوں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں کسی نے ظاہری حال (کمبل کا حال) دیکھ کر کہا کسائی ہیں اس کے بعد کسائی مشہور ہو گئے۔ ہارون رشید کے دربار میں ان کا امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ایک علمی مناظرہ بھی ہوا تھا جس کو اسی کتاب کے صفحہ پر درج کر دیا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ ان کے حصولِ علم کا سبب یہ تھا کہ ایک دفعہ علامہ کسائی سفری تھکاوٹ کی حالت میں علماء کی مجلس میں بیٹھ گئے اور فرمایا قَدْ عَيَّيْتُ (چلتے چلتے تھک گیا ہوں) اس پر علماء نے کہا نہایت افسوس ہے کہ اب تک آپ کا کلمہ صحیح نہیں ہوا اگر تھکاوٹ ظاہر کرنی مقصود تھی تو عَيِيْتُ (یا کی تشدید کے بغیر) کہنا چاہیئے تھا۔ اس سے علامہ کو بے حد ندامت ہوئی اور فرمایا کہ لحن بغیر نحو کے ٹھیک نہیں ہوتا، پھر آپ نے حصولِ نحو کی طرف ایسی توجہ فرمائی کہ چند روز بعد نحو کے امام بن گئے۔ ہارون رشید نے بھی نحو امام کسائیؒ سے سیکھی اور اس کا ایک دلچسپ قصہ کتابوں میں نقل ہوتا آیا ہے، لکھا ہے خلیفہ مہدی کے پاس ایک معلم تھے جو ہارون رشید کو پڑھایا کرتے تھے، ایک روز مہدی نے اُن سے پوچھا کہ اگر کسی کو یہ کہا جائے کہ مسواک استعمال کرو تو کون سا کلمہ اختیار کرو گے؟ معلم نے جواب دیا کہ اُسْتُکْ خلیفہ مہدی نے اس غلط گوئی کو سُنکر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا پھر اس کے بعد خلیفہ مہدی کو ایک ماہر معلم کی تلاش رہی، اتفاقاً دربارِ شاہی میں علامہ کسائیؒ تشریف لائے، خلیفہ نے آپ سے بھی وہی سوال کیا کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ مسواک کرو تو کون سا کلمہ اختیار کرنا چاہیئے؟ فرمایا سُكْ فَاكَ۔ وہ اس صحیح محاورہ کو سُنکر بہت خوش ہوا اور اس کے صلہ میں علامہ کو دس ہزار درہم (موجودہ پاکستانی سکّہ کے مطابق تقریبًا روپے) عنایت فرمائے اور اس طرح علامہ کسائیؒ ہارون رشید کے استاذِ اوّل مقرر ہوئے — علامہ کے خاص طریقہ تعلیم کے بارے میں لکھا ہے کہ دورانِ تلاوت استاذ کسائیؒ سر جھکا کر بیٹھ جاتے جب کوئی غلطی آتی تو آپ فوراً سر اٹھاتے (زبان سے نہ بتاتے) اس اشارہ سے مامون خود غلطی سمجھ کر صحیح کر لیتے اور اپنی تلاوت جاری رکھتے۔ لکھا ہے کہ ایک روز مامون اپنے استاذ علامہ کسائیؒ کو سورۂ صفت سُنا رہے تھے جب يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ پر پہنچے تو استاذ نے حسبِ معمول سر اٹھایا، مامون نے پھر یہ آیت لوٹا کر پڑھی تو کوئی غلطی نہ پائی لیکن مامون کو یقین تھا کہ میرے استاذ نے معمول کے مطابق سر اٹھایا ہے۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۴ پر)

Marfat.com

فانتفع محمد فی العربیۃ والکسائی فی الفقہ بہ [1]

پھر امام محمدؒ نے ان سے عربیت میں استفادہ کیا اور امام کسائیؒ نے ان سے فقہ سیکھی۔

امام سرخسیؒ نے لکھا ہے کہ امام کسائیؒ امام محمدؒ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ سیر کا جو خاص باب "کتاب الاعیان" ہے جس میں فقہائے حنفیہ نے کمال دقیقہ سنجی سے کام لیا ہے، اس کے لغوی اور نحوی مسائل میں امام محمدؒ نے امام کسائیؒ سے خاص طور سے مدد لی ہے [2]

(بقایا حاشیہ صفحہ ۱۵۳ سے) مامون نے پھر دوبارہ آیت لوٹا کر پڑھی تو کوئی غلطی نہ پائی، اس کے باوجود مامون کو یقین تھا کہ حضرت استاذ کا سر اٹھانا اب بھی غلط نہیں ہو سکتا کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہو گی جو سمجھ نہیں آ رہی۔ آخر اس پر مامون نے اپنی خدا داد ذہانت سے یہ سوچا کہ استاذ صاحب کا مذکورہ آیت سے قبل سر اٹھانا لفظی غلطی پر متنبہ کرنا تھا، اب یقیناً اس آیت (یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ......) پر سر اٹھانا معنوی غلطی پر آگاہ کرنا مقصود ہے کیونکہ میرے استاذ سے معمول کے خلاف سر اٹھانے کی غلطی قطعاً نہیں ہو سکتی۔ یعنی اس آیت لِمَ تَقُوْلُوْنَ ...... الخ (کیوں کہتے ہو جو نہیں کرتے) پر سر اٹھا کر اشارہ کیا کہ اے مامون! تیرے الفاظ تو صحیح ہیں لیکن عمل قول کے مطابق نہیں لہٰذا تم اپنے قول کے مطابق عمل کر کے معنوی غلطی بھی صحیح کر لو۔ پھر مامون نے اپنے خیال کی تصدیق کے لیے اپنے باپ ہارون رشید سے عرض کیا کہ آپ نے میرے استاذ حضرت کسائیؒ سے کوئی وعدہ خلافی تو نہیں کی ہے؟ اس نے کہا ہاں! صرف اتنا ہے کہ علامہ کسائیؒ نے قراء حضرات کے لیے وظیفہ (تنخواہ) منظور کرایا تھا لیکن آج تک اس پر عمل نہیں ہو سکا، افسوس کہ نسیان غالب آ گیا۔ پھر مامون نے اپنی فراست کا قصہ سنایا تو ہارون رشید اپنے کم سن بیٹے کی ذہانت پر بڑا خوش ہوا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

ایک اور دلچسپ قصہ بھی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک شخص امام کسائیؒ کی اکثر غیبت کیا کرتا تھا، روکنے کے باوجود نہ رکا، غیبت کرنے والے نے ایک رات خواب میں علامہ کسائیؒ سے ملاقات کرتے ہوئے پوچھا کیا حال ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی بدولت معاف کر دیا ہے اور علامہؒ نے کہا میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سورۂ "والصافات" سنائی، تلاوت کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بازو پر اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا اے کسائیؒ! ہم آپ پر فرشتوں میں فخر کریں گے۔

[1] السیر الکبیر جلد ۱ ص ۱۶۸ [2] ایضاً

Marfat.com

امام محمدؒ سے زیادہ عربیت کا کوئی واقف اور شناسا نہیں

علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے موطا امام محمدؒ کی تعلیق کے مقدمہ میں "الانساب للسمعانی" سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :-

"جب کسی مسئلہ میں تین قول ایسے پائے جاتے تھے کہ ان کی مخالفت میں کوئی قول امام احمد بن حنبلؒ نہیں سنتے تھے تو ان سے پوچھا جاتا کہ یہ اقوال کس کے ہیں؟ وہ جواب دیتے یہ اقوال امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے ہیں، ان میں سے ابوحنیفہؒ قیاس میں اپنا جواب نہیں رکھتے، ابویوسفؒ کی بصیرت سب پر فائق ہے اور امام محمدؒ سے زیادہ عربیت کا کوئی واقف اور شناسا نہیں[1]"

امام احمد بن حنبلؒ بھی حنفی مکتب کے مستفیدین سے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ امام ابویوسفؒ کے شاگرد بھی تھے اور کامل تین سال تک ان کے حلقہ درس میں بیٹھ کر استفادہ بھی کر چکے تھے، ان سے حدیث کی سماعت بھی کی تھی اور امام ابویوسفؒ کی روایت پر مبنی تین قماطر بھی تحریر فرمائے تھے، جیسا کہ حافظ ابن سید الناس نے شرح السیرہ وغیرہ میں لکھا ہے یہیں کے دوران قیام میں انہیں امام محمدؒ کی کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا اور ان کتابوں کے مطالعہ سے وہ امام صاحبؒ کے علم و نظر سے اتنے متاثر ہوئے کہ باقاعدہ ان کے عقیدتمندوں میں شامل ہو گئے [2]

---

[1] تعلیق موطا امام محمدؒ [2] البتہ یہاں اس بات کی تنبیہ ضروری ہے کہ بعض کتابوں میں امام احمد بن حنبلؒ کے فقہاء احناف کے خلاف اور فقہی آراء کے خلاف لمبے چوڑے قصے اور افسانوی داستانیں بھی نقل ہوتی چلی آئی ہیں، وہ ایسی باتیں ہرگز نہیں کہ ان پر بہ اوّلِ نظر یقین کر لیا جائے۔ یہ ائمہ فقہ جنہوں نے فقہ کے مختلف مکاتبِ فکر قائم کیے جنہوں نے اپنی عمرِ عزیز صرف کر کے اس فن کی تدوین کی اور اس تدوین میں خون پسینہ ایک کیا، جنہوں نے ساری عمر دنیا سے کٹ کر سارے علائق سے منہ موڑا اور ہر طرف سے یکسو ہو کر اس دینی خدمت کو ایک فریضہ سمجھ کر انجام دیا جنہوں نے ایک ایک حدیث ایک ایک مسئلہ اور ایک ایک قول کی تحقیق اور تصدیق کے لیے سینکڑوں [illegible] سفر برداشت کیا

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۶ پر)

Marfat.com

امام محمدؒ نحو، لغت اور ادب کے بھی امام تھے

جملہ دینی علوم میں مہارت اور حذاقت تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخشی ہی تھی ادب، لغت اور ریاضی میں بھی امام محمدؒ ماہر اور یکتا و ہمتا تھے اور نحو میں بھی پورا تبحر حاصل تھا۔

ابوبکر رازیؒ فرماتے ہیں کہ میں مشہور نحوی امام ابو علی فارسیؒ سے امام محمدؒ کی جامع کبیر پڑھا کرتا تھا تو وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حیرت ہے کہ امام محمدؒ کو فنِ نحو میں کس قدر یدِ طولیٰ حاصل تھا۔[۱]

جمہور علماء اور خصوصاً امام ابن تیمیہؒ نے ان کی عربیت اور لغت و نحو کا بیحد اعتراف کیا ہے، فرائض کے مسائل میں انہوں نے جو تحقیق اور تدقیق کی ہے اس سے امام محمدؒ کی ریاضی دانی کا بھی پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔

دربارِ نبوی میں حاضری اور امام مالکؒ سے استفادہ

یہ تو پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی صحبتوں اور علمی و روحانی مجالس نے امام محمدؒ میں حدیث کا ذوق پیدا کر دیا تھا اس لیے وہ ایسے اساتذہ کی تلاش میں تھے جو خالص حدیث کا ذوق رکھتے ہوں۔ یہ زمانہ خلیفہ مہدی کے اقتدار کا تھا اُن کے اوائل عہد میں حضرت امام مالکؒ کی **موطا** کا چرچا پھیلا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۵ سے) ہر طرح زحمتیں اٹھائیں صعوبتوں کا مقابلہ کیا، مشکلات سے دوچار ہوئے تب کہیں جا کر کوئی رائے قائم کی اور اس پر جم گئے۔ جن لوگوں نے دینی خدمت اور دینی فریضہ سمجھ کر یہ کام کیے اُن کے بارے میں اہلِ اہوائنے باہمی منازعت، اختلاف اور طنز و تعریض کی جو داستانیں گھڑی ہیں اور جن سے بعض دفعہ خاص علماء بھی اتنے متاثر نظر آتے ہیں کہ بے تکلف اور بلا تحقیق مزید انہیں اپنی کتابوں میں نقل کر لیتے ہیں، وہ ایسی نہیں کہ ان پر ایمان لایا جائے۔ ان پر غور کرنے اور ان پر کامل تحقیق و تمحیص کے بعد ان کے بارے میں کسی فیصلہ اور نتیجے تک پہنچنے کی ضرورت ہے۔ جب تک یہ احتیاط نہ برتی جائے گی اُس وقت تک غلط بیانیوں کے طومار قائم ہوتے رہیں گے اور اکابر ائمہ امت کے بارے میں غلط فہمیوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔

[۱] جواہر مضیئہ جلد ۲ صفحہ ۴۶

Marfat.com

امام محمدؒ کے علم میں جب یہ بات آئی تو انہوں نے بھی دربارِ نبویؐ کا رخ کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ مدینہ منورہ جائیں گے اور حضرت امام مالکؒ کے حلقۂ درس میں شریک ہوں گے۔ چناں چہ سروسامان مہیا کیا، رختِ سفر باندھا اور مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت امام مالکؒ کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔[1]

یہ وہ زمانہ تھا جب کوفہ اور بصرہ میں بڑے بڑے شیوخِ حدیث موجود تھے، مکہ معظمہ میں سفیان بن عینیہؒ اور خراسان میں عبداللہ بن مبارکؒ مرجع الخلائق تھے۔ خود مدینہ منورہ میں ابراہیم بن محمدؒ اور عبیداللہ بن محمدؒ وغیرہ کے حلقہ ہائے درس قائم تھے لیکن حضرت امام مالکؒ کے درسِ حدیث کی چند ایسی خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے وہ دنیائے اسلام کی توجہ کا مرکز بن گئے اور یہی چیز امام محمدؒ کو کشاں کشاں کوفہ سے کئی سو میل دور مدینہ منورہ لے گئی۔ امام محمدؒ نے تین سال تک باقاعدگی سے امام مالکؒ کے درسِ حدیث میں استفادہ کا سلسلہ قائم رکھا۔ امام مالکؒ سے انہوں نے جو حدیثیں سنیں اُن میں سے سات سو حدیثیں الفاظ اور سند کے ساتھ یاد کریں، خود فرماتے ہیں:۔

اقمت علی باب مالک ثلاث سنین اواکثر وسمعت منہ سبع مائۃ حدیث[2]	میں امام مالکؒ کے دروازہ پر تین برس یا اس سے بھی زیادہ عرصہ قیام پذیر رہا اور اس مدت میں سات سو حدیثیں ان سے سنیں۔

اس سفر کے دوران انہوں نے صرف امام مالکؒ سے استفادہ اور ان کی حدیثوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ شیوخِ مدینہ کے حلقہ ہائے درس سے بھی برابر کسبِ فیض کرتے رہے۔ اس سے قبل مدینہ منورہ کے سفر میں انہوں نے مدینہ منورہ کے حفاظِ حدیث سے جو حدیثیں سنیں تھیں اس مرتبہ کے سفر میں، پہلے سے کہیں زیادہ اپنی جھولی بھر لی۔[3]

---

[1] بلوغ الامانی ص۱ [2] مناقب کردری [3] امام محمدؒ کا امام مالکؒ کی خدمت میں مسلسل تین سال کا قیام اور اس قدر قلتِ سماع پر مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے بہت کچھ لکھا ہے "سیر الصحابہ" کے مؤلف لکھتے ہیں کہ:۔
بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس قلتِ سماع کی وجہ یہ تھی کہ امام مالکؒ امام محمدؒ کے کثرتِ سوال اور مسائل میں
(باقی حاشیہ ص۱۵۸ پر)

Marfat.com

امام مالکؒ کے حدیثی افادات کی حفاظت و ترتیب اور نسخۂ موطا امام محمدؒ

امام محمدؒ نے تین سال تک امام مالکؒ سے درسِ حدیث کی سماعت کی اور ان کی مشہورِ عالم کتاب مؤطا بلفظہٖ سنی اور سننے کے بعد اس کو مستقلاً لکھا اور اپنے شیخ کے گرانقدر افادات اور حدیثی ذخیرہ کو محفوظ کر لیا پھر حفاظت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۷ سے) زیادہ کرید کرنے کی وجہ سے (جو علماء عراق کا خاصہ تھا) کچھ کبیدہ خاطر ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے وہ ان کو موطا کا سماع نہیں کراتے تھے، وہ مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھے رہتے تھے، لوگ مسجد میں امام مالکؒ سے مسائل دریافت کرنے آیا کرتے تھے وہ حدیث و آثار کی روشنی میں جو کچھ جواب دیتے تھے امام محمدؒ اسے حفظ کرتے جاتے تھے۔ اس طرح تین برسوں میں انہوں نے سات سو حدیثیں سنیں — اس روایت کے نقل کرنے کے بعد ابن البزاز کردریؒ لکھتے ہیں،

وانما کان یفعل ذٰلک لما کان بینہ وبین الامام۔ امام محمدؒ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ ان کے اور امام مالکؒ کے درمیان کچھ شکر رنجی تھی۔ (جلد ۲ صفحہ ۱۶۱) کردریؒ نے یہ روایت حافظ ابو العلاء کے واسطہ سے نقل کی ہے۔ روایت کا پورا سلسلۂ سند معلوم نہیں ہو سکا کہ راویوں کی جرح یا تعدیل کی جا سکے۔ بہرحال سند کے اعتبار سے روایت کا جو پایہ بھی ہو لیکن اپنے متن اور مفہوم کے اعتبار سے صحیح معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ امام محمدؒ جیسا شخص جو برسوں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی مجلسِ فقہ و حدیث کا خوشہ چین رہ چکا ہو اور جو ذکاوت اور قوتِ حافظہ کی بھی غیر معمولی دولت سے بہرہ ور ہو، اتنی لمبی مدت میں ان کا صرف سات سو حدیثوں کا سماع کرنا تعجب خیز معلوم ہوتا ہے جبکہ ان سے کم درجے کے لوگ اس سے کم مدت میں کئی گنا زیادہ حدیثیں سماع اور حفظ کر لیا کرتے تھے، اور پھر امام محمدؒ گھر بار چھوڑ کر امام مالکؒ کی خدمت میں اسی غرض سے گئے تھے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے امام محمدؒ کے عزم و استقلال اور تحصیل حدیث کے غیر معمولی شوق کا پتہ چلتا ہے۔

اسی مناسبت سے کہ گذشتہ زمانوں میں امام محمدؒ کی طرح طلبہ حدیث، طلب حدیث میں کس قدر عزم و استقامت کا ثبوت دیا کرتے تھے بے جا نہ ہو گا اگر علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کا بیان فرمودہ غالب القطان کا دلچسپ قصہ طلب حدیث کا درج کر دیا جائے :۔ —— حاصل جس کا یہ ہے کہ ایک صاحب جن کا نام غالب القطان تھا، بصرہ کے رہنے والے تھے، تجارت کا کاروبار کرتے تھے تجارت ہی کے سلسلہ میں ایک دفعہ کوفہ پہنچے۔ اگرچہ حدیث کے باضابطہ طالب علم نہ تھے لیکن اس علم کا گو نہ ذوق رکھتے تھے۔ خیال گذرا کہ جب تک کوفہ میں قیام ہے محدثِ کوفہ اعمشؒ کے حلقہ میں حدیث

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۹ پر)

Marfat.com

اور تدوین کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو امام محمدؒ کی موطا کو دیگر تمام مؤطات (جو امام مالکؒ کے مختلف تلامذہ نے لکھی ہیں اور ان میں بعض متداول بھی ہیں) میں اگر سب سے نہیں تو اکثر سے اور بعض وجوہ کے اعتبار سے سب سے امتیاز اور فوقیت حاصل ہے۔ امام محمدؒ اس میں احادیثِ ابواب بیان کرنے کے بعد یہ بھی بتاتے ہیں کہ فقہائے عراق کا مسلک فقہی ان میں سے کس کس حدیث کے مطابق ہے اور یا اگر مخالف ہے تو مخالفت کی بنیاد کن احادیث پر ہے، مؤطا امام محمدؒ کی صرف یہی ایک خصوصیت بھی ایسی ہے جو اسے دیگر نسخوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸ سے) کے سننے کا اگر موقع مل جائے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ یہی سوچ کر اعمشؒ کے حلقہ میں آمد و رفت کرتے رہے، کہتے ہیں کہ جس کام کے لیے آیا تھا جب ختم ہو گیا تو جس دن کی صبح کو کوفہ سے روانگی کا ارادہ تھا میں نے اس صبح کی رات اعمشؒ ہی کے پاس گذاری، تہجد کے وقت میری بھی آنکھ کھل گئی اُس وقت اعمشؒ قرآن کی ایک آیت کا بار بار اعادہ کر رہے تھے (یہ سورۂ آلِ عمران کی آیت شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ تھی۔ ۱۲ منہ) وَاَنَا اَشْهَدُ بِمَا شَهِدَ اللّٰهُ بِهٖ وَاَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ هٰذِهِ الشَّهَادَةَ وَهِيَ لِيْ عِنْدَ اللّٰهِ وَدِيْعَةٌ وَاِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ) اور اس آیت کے متعلق کچھ کہتے بھی جا رہے تھے، جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس آیت کے سلسلے میں کوئی خاص علم (یعنی حدیث) ان کے پاس ہے۔ صبح مل کر جب رخصت ہونے کے لیے ان کے پاس حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت رات قرآن کی جس آیت کو بار بار دُہرا دُہرا کر آپ پڑھ رہے تھے اور اسی کے ساتھ کچھ فرماتے جاتے تھے، کیا اس باب میں آپ تک کوئی حدیث پہنچی ہے؟ میں آپ کے پاس قریب قریب ایک سال سے آ جا رہا ہوں لیکن اس حدیث کا ذکر آپ نے نہیں فرمایا! مطلب یہ تھا کہ اب میں جا رہا ہوں اس حدیث کو بھی سنا دیجئے۔ غالبؔ کہتے ہیں کہ یہ سننے کے ساتھ ہی اعمشؒ کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا کہ "خدا کی قسم ایک سال تک تو اس حدیث کو میں تم سے بیان نہیں کروں گا"۔

بس یہی سننے کی بات ہے، آئے ہوئے ہیں تجارتی اغراض سے، طلبِ علم مقصود بھی نہیں ہے لیکن ایک حدیث کے سننے کا شوق غالبؔ میں پیدا ہو گیا، چونکہ اعمشؒ کی زبان سے قسم نکل گئی تھی اس لیے شوق کی تکمیل کی اس کے سوا اور کوئی دوسری شکل نہ تھی کہ اعمشؒ کی قسم کی تکمیل کے انتظار میں کاروبار کے نفع و نقصان سے قطع نظر کر کے پورا سال

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۶۰ پر)

Marfat.com

ممتاز کر دیتی ہے، نیز امام محمدؒ نے اپنی مؤطا میں بہت سے آثار و روایات اور مسائل فقہ کو امام مالکؒ کے علاوہ دوسرے حضرات سے بھی نقل کیا ہے، اس میں احادیثِ مرفوعہ اور موقوفاتِ صحابہؓ مسند اور مرسل روایات کی مجموعی تعداد ۱۱۸۵ ہے ۱۰۰۵ امام مالکؒ سے اور ۱۷۵ دوسرے طریق سے جن میں ۱۳ امام ابوحنیفہؒ سے اور ۴ امام ابویوسفؒ سے اور بقیہ دیگر حضرات سے مروی ہیں لے تاہم عام طور پر امام یحییٰ بن یحییٰ اندلسیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) کا نسخہ متداول ہے۔ علامہ سیوطیؒ، زرقانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اسی نسخہ کی شروحات لکھی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۹ سے) کوفہ میں گذار دیں یا پھر اس شوق ہی سے دستبردار ہو جائیں، بات کوئی بڑی بھی نہ تھی، ایک حدیث کا معاملہ تھا اور وہ بھی تفسیری حدیث کا جس کی محدثین کی نگاہوں میں اتنی اہمیت بھی نہیں مگر دنیا میں تاریخ کا یہ وہ دور تھا جس میں ایک ایک بات جو کسی نہ کسی حیثیت سے پیغمبرؐ کی طرف منسوب ہو، اس کی قدر و قیمت کا یہ حال تھا کہ غالب القطان کہتے ہیں کہ:۔

فَاَقَمْتُ وَكَتَبْتُ عَلٰى بَابِهٖ ذٰلِكَ الْيَوْمَ۔	میں ٹھہر گیا (وطن واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا) اور اعمشؒ کے دروازے پر اس دن کی جو تاریخ تھی اسے لکھ دیا۔

اور ہفتے دو ہفتے، مہینہ دو مہینے نہیں کامل ۱۲ مہینے اس انتظار میں گذرتے رہے کہ سال کے پورے ہونے کی تاریخ کب آتی ہے، وہی کہتے ہیں کہ:۔

فَلَمَّا مَضَتِ السَّنَةُ قُلْتُ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ قَدْ مَضَتِ السَّنَةُ۔ (جامع ص ۹۹)	جب سال گذر گیا تو میں نے عرض کیا کہ اے ابومحمد! (اعمشؒ کی کنیت تھی) سال گذر گیا اب وعدہ پورا کیجیے۔

آخر اعمشؒ سے اس حدیث کو سن لینے کے بعد وہ گھر واپس لوٹے، میں نہیں سمجھتا کہ اس روایت پر مزید کسی اضافہ کی ضرورت ہے۔ حافظ ابوعمرو بن عبدالبرؒ نے محض یونہی کسی عام معمولی تاریخی روایت کی حیثیت سے اس قصہ کا تذکرہ اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے بلکہ باضابطہ مسلسل سند جو غالب قطان پر جا کر منتہی ہوتی ہے، اس سند کے ساتھ اس واقعہ کو انہوں نے خود قطان کی زبانی نقل کیا ہے جہاں تک سند کے رواۃ ہیں میرے خیال میں سب ہی معتبر اور صاحبِ حیثیت لوگ ہیں۔

لے مقدمہ تعلیق الممجد ص ۳۹   ۲ے اصلاً اس سلسلۂ تالیف کا موضوع تو ائمہ احناف کا تذکرہ اور ان کے ایسے پہلوؤں کا اظہار ہے کہ (باقی حاشیہ ص ۱۶۱ پر)

Marfat.com

مؤطا کے ضبط میں امام محمدؒ کا عمل جلیل جس سے ۲۲ نسخوں میں اختلاف کا نقص زائل ہو گیا

امام محمدؒ نے موطا کی تدوین وحفاظت اور اس کی کتابت و ترتیب میں جو طریقہ اختیار کیا اُس نے مؤطا

(بقیہ حاشیہ صت ۱۶۰ سے) کر قارئین میں عمل کی انگیخت ہو اسلئے تذکرہ و سوانح کے تمام پیراؤں کو جس نئے انداز سے پیش کیا جاتا ہے غرض اس سے یہی ہے کہ عمل کی سپرٹ کام کر جائے۔ اسی غرض کی مناسبت سے بے جا نہ ہوگا اگر امام یحییٰ بن یحییٰ اُندلسی مالکیؒ کے ایک دو دلچسپ واقعات بھی یہاں درج کر دیئے جائیں — یہ وہی امام یحییٰؒ ہیں جن کے متعلق ہاتھی کا واقعہ مشہور ہے اور جسے شاہ عبدالعزیزؒ نے "بستان المحدثینؒ" (فارسی) میں نقل کیا ہے، لکھتے ہیں کہ ایک دن امام یحییٰ اُندلسیؒ حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوضات کا استفادہ کر رہے تھے، ان کے علاوہ دیگر اشخاص بھی ان کی خدمت فیض و رحمت میں بہرہ یاب ہو کر فیضیاب ہو رہے تھے کہ دفعۃً ہاتھی کے آنے کا شور و غل ہوا، چونکہ ملک عرب میں ہاتھی کو نہایت تعجب کے ساتھ دیکھا جاتا تھا اس لیے ابوالشمقمق ہاتھی کے دیکھنے والوں کو جو اس روایت پر مبارکباد کے متمنی ہوتے ہیں ان کے رویتِ عجیب کو دو شعروں میں بڑے عجیب انداز میں ظاہر کرتے ہیں ؎

یَا قَوْمِ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْفِیْلَ بَعْدَکُمْ — فَبَارَکَ اللّٰہُ لِیْ فِیْ رُؤْیَۃِ الْفِیْلِ
رَاَیْتُہٗ وَلَہٗ شَیْءٌ یُحَرِّکُہٗ — فَکِدْتُ اَصْنَعُ شَیْئًا فِی السَّرَاوِیْلِ

(ترجمہ) "اے میری قوم میں نے تمہارے بعد ہاتھی کو دیکھا ہے اللہ تعالیٰ اس ہاتھی کے دیکھنے میں میرے لیے برکت دے۔ وہ اپنی کسی چیز (سونڈ) کو حرکت دے رہا تھا جب میں نے اس کو دیکھا تو ڈر گیا اور قریب تھا کہ میں اپنے پائجامہ میں کچھ کر دوں"

اس واسطے حاضرین کی جماعت کے اکثر افراد امام مالکؒ کی صحبت ترک کر کے ہاتھی کا تماشہ دیکھنے کو دوڑ پڑے مگر امام یحییٰ اپنی اُسی ہیئت و حالت میں بیٹھے ہوئے کسبِ فیض میں مشغول رہے اور نہ انہیں کسی قسم کا اضطراب پیش آیا اور نہ کوئی حرکت بیساختہ ان سے سرزد ہوئی۔ کہتے ہیں امام مالکؒ نے پوچھا یحییٰ! تم ہاتھی کا تماشہ دیکھنے کیوں نہیں گئے؟ عرض کیا حضرت! میں اُندلس سے ہاتھی دیکھنے نہیں آیا حدیثِ رسولؐ سننے آیا ہوں، امام مالکؒ نے اسی روز سے امام یحییٰؒ کو عاقلؔ کا خطاب دیا اور پھر ہمیشہ اسی خطاب سے انہیں مخاطب فرمایا کرتے تھے۔

حاشیہ طویل ہو جائے گا مگر بات فائدے سے خالی نہیں۔ امام مالکؒ نے جو ربیعہؒ کی حدیث مرض الموت میں سنائی اس کے راوی بھی امام یحییٰ اُندلسیؒ ہیں، حدیث بڑی دلچسپ ہے اسلئے نقل کیے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا، چنانچہ اسی

(باقی حاشیہ صت ۱۶۲ پر)

Marfat.com

کے اس نقص و اختلاف کو (جو عام نسخوں میں امام مالکؒ کے حذف و اضافہ کی وجہ سے پایا جاتا ہے[۱]) ختم کر دیا، ان کا یہ عملِ جلیل ہر لحاظ سے نافع اور مفید ثابت ہُوا۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۱ سے) "بستان المحدثین" میں شاہ عبدالعزیزؒ اسے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:— اس کے بعد فرمایا کہ میں تم کو ربیعہ کی وہ حدیث سناتا ہوں جو اس وقت تک روایت نہیں کی، میں نے سنا ہے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص اپنی نماز میں خطا کرے اور وہ یہ نہیں جانتا ہے کہ کس طرح نماز ادا کرنی چاہیئے اور یہ شخص اس مسئلہ کو آکر مجھ سے دریافت کرے اور میں اس کو نماز کے فرائض، سنتیں اور آداب بتلا دوں اور اس کے طریقہ ثواب کو بیان کروں تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ کوئی شخص مجھ کو تمام دنیا کی دولت دے اور میں اسے خدا کے راستہ میں صرف کر دوں، خدائے بزرگ و برتر کی قسم اگر مجھ کو کسی علمی مسئلہ یا روایاتِ حدیث میں سے کسی روایت میں کوئی شبہ پیش آئے اور میں اس کی دھن و تلاش میں اپنے قلب کو ایسا مصروف کروں کہ بیداری و خواب کی حالت کو اسی کے دھیان اور خیال میں اس طرح گذار دوں کہ نہ دن کو چین ملے نہ رات کو بستر پر آرام معلوم ہو اور تمام شب اس شبہ کے باعث میرا دل مکدر رہے اور پھر صبح کے وقت کسی عالم کے پاس جاکر اسے حل کر کے اطمینان حاصل کروں، تو میرے نزدیک ایک سو حج مقبول سے بہتر ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ ابن شہاب یعنی زہریؒ سے میں نے بارہا سنا ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ خدائے بزرگ و برتر کی قسم! اگر کوئی شخص اپنے دینی معاملات میں سے کسی معاملہ میں مجھ سے مشورہ کرے اور میں اس میں تامل و تفکر کے بعد جیسا کہ مشیر کے ذمہ ہے بہتر رائے قائم کر کے اس کو راہِ حق بتلا دوں کہ اس کے دین کی اصلاح ہو جائے اور اس شخص کو اس رابطہ و تعلق میں جو اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کوئی خلل پیش نہ آئے تو میرے نزدیک ایک سو غزوہ سے بہتر ہے۔ یحییٰؒ کہتے ہیں کہ یہ سب سے آخری کلام ہے جو میں نے حضرت امام مالکؒ سے سُنا ہے——— امام یحییٰؒ کی وفات ماہ رجب المرجب ۲۳۴ھ میں واقع ہوئی، ان کی عمر بیاسی برس کی ہوئی، قرطبہ میں ان کی قبر ہے۔

[۱] علامہ زاہد الکوثریؒ لکھتے ہیں کہ مؤطا امام مالکؒ میں تقریباً بائیس روایتیں ایسی ہیں جن میں زیادتی اور کمی ہے یعنی کسی روایت میں کوئی جملہ یا لفظ زیادہ ہے اور دوسری روایت میں کوئی لفظ یا جملہ جو پہلے تھا اب موجود نہیں ہے، ایسی زیادتی اور نقصان والی روایتوں میں سے بعض کی طرف امام دارقطنیؒ نے بھی اپنے اس رسالہ میں بحث کی ہے جو صرف مؤطا کی مختلف فیہا اور متفق علیہ روایتوں کی بحث و تجسس پر مشتمل ہے۔ امام مالکؒ نے اپنی مؤطا درحقیقت اس لیے لکھی تھی کہ ان کا یہ معمول تھا کہ سماع حدیث کے وقت اسے پیشِ نظر رکھتے تھے تاکہ کسی طرح کی غلطی نہ ہونے پائے اور دورانِ سماعت میں

(باقی حاشیہ ص۱۶۳ پر)

Marfat.com

جن لوگوں کو احادیث احکام سے شغف ہے وہ جب بھی غور کریں گے تو وہ صراحتاً یہ محسوس کریں گے کہ احادیث حجاز علماء امصار کے مابین مشترک تھیں، صرف مشترک ہی نہیں معلوم اور معروف بھی تھیں لہٰذا ان میں کسی طرح کی غلطی یا کمی کا امکان نہیں رہ گیا تھا اس لیے کہ وہ بار بار پڑھی گئیں پڑھائی گئیں اور دہرائی گئیں۔ اس طرح علماء کے لیے اس بات کی معرفت آسان ہوگئی کہ مسائل و احکام میں فقہاء نے ان حدیثوں میں سے کون سی احادیث لی ہیں اور کون سی ترک کر دی ہیں، جو حدیثیں قبول کی ہیں ان کی بنیاد کیا ہے؟ اور جنہیں ترک کر دیا ہے اُن کے سببِ ترک کے سلسلہ میں وہ کیا دلائل رکھتے ہیں[1]

امام محمدؒ نے اپنی مؤطا میں سب سے بڑا کام یہی کیا ہے کہ اس مشکل کو آسان کر دیا ہے، انہوں نے پوری تحقیق اور جانفشانی سے کام لے کر وضاحت کے ساتھ یہ بتا دیا ہے کہ اخذِ حدیث کے اسباب و علل کیا ہیں؟ اور ترکِ حدیث کے عوامل اور محرکات کیا ہیں؟ دونوں کے دلائل انہوں نے کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ (حدیث کے اخذ و ترک کا مسئلہ) امام محمدؒ اور اُن کے اصحاب کے نزدیک اتنا جذباتی نہیں ہے جتنا سنجیدہ غور و فکر اور تحقیق و تمحیص کا مستحق ہے اس لیے کہ اس راستہ میں اگر ذرا سی بھی لغزش ہو جائے تو دین و دنیا دونوں کا زیاں ہے۔ اس لیے اس باب میں سب سے زیادہ احتیاط و تأمل اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔

اور امام محمدؒ نے اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کیا کہ حدیث قرآن کے بعد سب سے بڑا ماخذ اور سرچشمۂ احکام و مسائل ہے، چنانچہ جو لوگ ان پر اس سلسلہ میں معترض ہوتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲ سے) ہر موقع پر وہ حذف اور اضافہ کا سلسلہ اپنی تحقیق کے مطابق جاری رکھتے، چنانچہ مؤطا امام مالکؒ کے نسخے راویوں کے اختلافِ سماعت کی وجہ سے مختلف ہیں کیونکہ ہر راوی اپنی روایتوں کو باعتبارِ سماع مدوّن کرتا تھا ایسا بھی ہوتا کہ امام مالکؒ اس موقع پر جو کمی یا زیادتی کر لیتے وہ راوی فوراً نہ لکھ سکتا اور یوں بات رہ جاتی اور نقص باقی رہتا۔ تو مؤطا امام مالکؒ کے نسخوں میں اختلاف کا راز یہی ہے جو تقریباً بائیس نسخوں میں بطور نقص کے باقی رہ گیا ہے۔ (بلوغ الامانی ص ۱۱/۱)

[1] بلوغ الامانی ص ۱۱/۱

Marfat.com

تھے، ان کو جواب دیتے ہوئے کئی مواقع پر انہوں نے اس امر کی وضاحت کی ہے، چنانچہ اگر نگاہِ تعمق سے فقہ حنفی کی کتابوں کا عام طور پر اور امام محمدؒ کی مؤلفات و مصنفات کا خاص طور پر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ حدیث سے کسی موقع پر بھی بے نیازی نہیں اختیار کی گئی ہے، البتہ اس کے ردّ و قبول میں امکانی احتیاط اور تحقیق و تمحیص سے ضرور کام لیا گیا ہے اور کوئی شخص بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وضعِ احتیاط معیوب تھی۔

ائمہ احنافؒ اور آزادئ فکر و نظر

ائمہ احناف بالخصوص امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا خاص وصف یہ تھا کہ وہ آزادئ فکر و رائے کے قائل اور اس کی قدر و قیمت سے واقف تھے، زندگی کے ہر دور میں فقہی مجالس اور مسائل کے ہر پہلو میں اس خصوصیت سے بہرہ ور رہے، ان کے نزدیک ذی استعداد اور لائق طلبہ کے لیے ضروری تھا کہ وہ مسائل کی تحقیق و تمحیص کریں، اس کے علل اور اسباب پر نظر رکھیں اور تفحص و مباحثہ میں فکر و نظر کی آزادی سے کام لیں اور اس کی اہمیت محسوس کریں۔ چنانچہ ائمہ احنافؒ خود اپنی طالب علمی کے زمانہ میں بھی اور امامت، درس و تدریس اور قضاء و افتاء کے دور میں بھی اس مسلک پر سختی اور شدت کے ساتھ عامل رہے۔ ذیل میں امام محمدؒ کے اس نوع کے ایک دو واقعات نقل کر دیئے جاتے ہیں۔[1]

امام محمدؒ کا امام مالکؒ سے ایک علمی مباحثہ

موطا کے سماع اور باقاعدہ تلمذ کے زمانہ سے قبل ایک مرتبہ امام محمدؒ کو آغازِ شباب میں امام مالکؒ کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہوا تو انہوں نے امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ اگر کسی جُنبی (ناپاک) شخص کو پانی کی ضرورت ہے اور پانی مسجد کے اندر رکھا ہوا ہے باہر ملتا نہیں تو کیا وہ مسجد کے اندر جا کر پانی لے سکتا ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جُنبی مسجد کے اندر داخل نہیں ہو سکتا! امام محمدؒ نے کہا نماز کا وقت بالکل قریب آ گیا ہے

---

[1] امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے اس نوع کے دلچسپ اور سبق آموز واقعات ان کے تذکرہ میں احقر نے نقل کر دیئے ہیں شائقین وہاں ملاحظہ کر لیں۔

Marfat.com

اور پانی اس کے سامنے مسجد میں موجود ہے تو اب وہ کیا کرے (جبکہ کوئی دوسرا اس کو پانی دینے کے لیے تیار یا موجود نہیں) امام مالکؒ نے پھر وہی جواب دیا جو پہلے دے چکے تھے اور اسی جواب کو بار بار دہراتے رہے لیکن امام محمدؒ اپنے سوال پر قائم رہے اور ان کا اصرار بڑھا، اس حیص و بیص میں کافی وقت گذر گیا تب امام مالکؒ نے کہا تو پھر آپ فرمائیے اس میں آپ کی رائے کیا ہے؟ امام محمدؒ نے فرمایا اس شخص کو تیمم کر کے مسجد میں داخل ہو جانا چاہیے پانی لے کر مسجد سے باہر نکلنا اور غسل کر لینا چاہیے۔ امام مالکؒ نے پوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ امام محمدؒ نے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا "یہیں کے لوگوں میں سے ایک" یہ کہہ کر اٹھے اور چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد لوگوں نے کہا "یہ محمد بن حسنؒ ہیں جو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے تلمیذ خاص ہیں"۔ یہ سنکر امام مالکؒ نے فرمایا کہ وہ تو کہہ رہے تھے "میں اہل مدینہ سے ہوں"۔ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں! لیکن یہ کہتے ہوئے انہوں نے زمین کی طرف اشارہ کیا تھا۔ امام مالکؒ نے فرمایا "اچھا یہ بات تھی جو سوال و جواب میں وہ میرے ساتھ اتنی شدت برت رہے تھے[1]

درسگاہِ امام مالکؒ اور لیلائے علم کے مجنون

یہ واقعہ بہر حال امام محمدؒ کے زمانۂ شباب کا ہے اور ایک علمی مناقشہ بھی۔ جن لوگوں کو علمی مجالس اور طالبعلمانہ چہلوں اور اہلِ علم کی باہمی بے تکلفیوں کا اندازہ اور تجربہ ہے انہیں اس (سوال و جواب) میں سوءِ ادب کا کوئی پہلو بھی نظر نہیں آئے گا بلکہ علمی تنقیح و توضیح کے لیے یہ ضروری بھی تھا ورنہ امام مالکؒ کے تفضل و کمال کا دیگر اہلِ علم اور معاصرین کی طرح امام محمدؒ کو بھی اعتراف تھا۔ اس وقت جمہور علماء عام اس سے کہ وہ امام مالکؒ کے شاگرد کی حیثیت رکھتے ہوں یا ہمسادی مرتبہ، مداح اور خوشہ چین ہوں یا نقاد و نقطہ چین، امام مالکؒ کی بارگاہِ علم و فیض میں دور دراز مقامات سے سفر کی زحمتیں اور صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے لوگ پہنچتے تھے اور جب تک ان کی مجلس علم میں شریک ہو کر تلب و نظر کی تسکین کا سامان

---

[1] بلوغ الامانی صفحہ ۱۲ و تاریخ بغداد و مناقب کردری

فراہم نہیں کر لیتے تھے انہیں قرار نہیں آتا تھا۔

آج سفر کی جو آسانیاں اور سہولتیں حاصل ہیں آج سے بارہ، تیرہ سو سال قبل ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن شوقِ علم کشاں کشاں بڑھائے لیے جاتا تھا، نہ صحراء و بیابانوں کی ہولناکیاں سنگِ راہ بنتی تھیں نہ دشت و جبل کی راہ پیمائیاں عزائم میں تزلزل اور ضعف پیدا کرتی تھیں۔ یہ وہ دور تھا جب لیلائے علم کے مجنوں رختِ سفر باندھ کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچتے تھے، چنانچہ امام محمدؒ بھی عراق سے اُٹھے اور دربارِ نبوی مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ گئے اور وہاں حضرت امام مالکؒ اور شیوخِ مدینہ سے کسبِ فیض اور طلبِ علم کی جھولیاں بھرتے میں مصروف رہے اور اس میں شاندار کامیابی حاصل کی۔

امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا موازنہ اور امام محمدؒ کا واقعاتی تجزیہ

ابواسمٰعیل لہرویؒ اپنی سند کے ساتھ امام شافعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسنؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ میں نے امام مالکؒ کو دیکھا تو اُن کے پاس پہنچا اور بعض مسائل کے بارے میں ان سے کچھ دریافت کیا لیکن یہ موقع اُن کے فتویٰ دینے کا نہیں تھا اس لیے خاموش رہے اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا[1]

---

[1] بلوغ الامانی ص۱۲۔ اس کے بعد روایت میں ثمّ ذکر ماجری بین الشافعی وبین محمد بن الحسن من الاخذ والرّد۔ کا اضافہ ہے غالباً اس سے علامہ زاہد الکوثریؒ اس مناظرہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جسے خطیبؒ نے اپنی تاریخ جلد ۲ ص۱۷۸ میں نقل کیا ہے وہ یہ کہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کو قسم دے کر پوچھا کہ میرے استاد امام مالکؒ کو آپ کتاب اللہ کا سب سے بڑا عالم مانتے ہیں؟ امام محمدؒ نے مثبت جواب دیا تو کہا کہ وہ حدیث کے بڑے عالم تھے امام محمدؒ نے تسلیم کیا تو کہا کہ تمہارے استاد ابوحنیفہؒ کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ سے جاہل تھے تو امام محمدؒ نے اس کا بھی مثبت جواب دیا، مگر روایت کے آخری الفاظ کسی طرح بھی قرینِ قیاس نہیں خود علامہ زاہد الکوثریؒ نے ذہبیؒ کے مناقب کے حاشیہ میں اسے خطیب کی طبع زاد قرار دیا ہے۔ اور بعض تذکرہ نگاروں نے تو اس ساری روایت کا انکار کیا ہے اور اس کی وجوہات بھی بیان کی ہیں۔ ہم قارئین کو ایسے مسائل میں الجھائے بغیر اس کے نافع حصہ سے آگاہ کر رہے ہیں۔

Marfat.com

لیکن ابن عبد البرؒ نے "الانتقاء" میں اور امام ذہبیؒ نے اپنی مناقب میں یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے:-

ما کان لصاحبکم ان یتکلم ولا لصاحبی ان یسکت[1]	(امام محمدؒ نے فرمایا) آپ کے امام مالکؒ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہر سوال کا جواب دیں اور جو استفتاء ان سے کیا جائے اسکے بارے میں فتویٰ دیں لیکن ہمارے امام ابو حنیفہؒ کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ خاموش رہیں اور جواب نہ دیں۔ ہر وہ استفتا جو ان سے کیا جائے اس کا جواب دینا ان کے لیے ناگزیر ہے۔

اس واقعہ کے نقل کرنے کے بعد علامہ زاہد الکوثریؒ نے اس کی توضیح اور تشریح پر خوب تبصرہ اور تجزیہ لکھا ہے، ذیل میں وہی تبصرہ قدرے توضیح اور تشریح کے ساتھ نقل کر دیا جاتا ہے لکھتے ہیں:-

——— امام محمدؒ کا مقصد اس بات سے یہ تھا کہ امام مالکؒ افتاء کے پابند نہیں تھے کیونکہ وہ اس کام کے لیے متعین نہ تھے کہ ہر وقت یا کسی خاص وقت فتویٰ دینا ان کے لیے ضروری اور ناگزیر ہوتا کیونکہ ان کے طبقہ کے دوسرے علماء بھی مدینہ میں موجود تھے، ان سے فتویٰ لیا جا سکتا تھا اور بعض علماء تو ایسے تھے جو ان سے بڑھے ہوئے تھے ——— اس کے برعکس امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں ان کا کوئی ہمعصر ایسا نہ تھا جو تفقہ میں ان سے بڑھا ہوا ہوتا یا ان کے طبقہ میں اس کا شمار ہو سکتا یا جو فتویٰ دینے میں ان کا مدمقابل مانا جا سکتا، لہٰذا ان پر واجب تھا کہ اگر ان سے استفتاء کیا جائے تو بہر حال جواب دیں۔

یہ نکتہ کی بات صرف وہی شخص کہہ سکتا تھا جو علماء مدینہ کے فرق مراتب سے آشنا ہو اور جانتا ہو کہ امام مالکؒ کے عہد میں جو علماء موجود تھے اُن کا پایہ اور اُن کی منزلت

---

[1] مناقب ابی حنیفۃؒ وصاحبیہؒ لذھبی ص۴۹

Marfat.com

ایک دوسرے کے مقابلہ میں کیا تھی؟ اور ساتھ ہی علماء عراق کے فرقِ مراتب سے بھی واقف ہو اور جانتا ہو کہ امام ابوحنیفہؒ کے عہد میں جو علماء موجود تھے اُن کا پایہ کیا تھا؟ اور ان کی منزلت کا ایک دوسرے کے مقابلہ میں کیا حال تھا؟

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ امام محمدؒ اگرچہ فنِ حدیث میں امام مالکؒ کو یکتا اور بے مثل مانتے تھے لیکن فقہ میں ان کے علوِ مرتبت کے زیادہ قائل نہیں تھے اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اکثر خود ہی فرمایا کرتے تھے "مسائل کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ واقفیت نہیں"

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ جب ان سے کوئی استفتاء کیا جاتا تھا تو بہت تامل اور تاخیر کے بعد جواب دیتے تھے۔ اس کے برعکس علماء عراق اپنی حاضر جوابی اور سرعتِ فکر میں یکتا تھے جو سوال ان سے کیا جاتا جس مسئلہ کے بارے میں ان سے رائے لی جاتی، جو استفتاء ان کے سامنے رکھا جاتا وہ بغیر کسی تامل اور تاخیر کے فوراً جواب دیتے اور صرف جواب ہی پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق ضروری تفصیلات، تفریعات اور تخریجات بھی پیش کر دیتے اور اپنے فتوے کی اصل اور بنیاد بھی اگر ضرورت ہوتی تو پیش کر دیتے۔

اور امام محمدؒ جیسا شخص جس کی مذکورہ بالا تمام پہلوؤں پر وسیع اور گہری نظر تھی سزاوارِ ملامت نہیں قرار دیا جا سکتا کہ اُس نے وقت کے علماء کے مابین فرق و امتیاز کے حدود کیوں قائم کیے؟

کسی اہلِ علم سے بھی یہ بات پوشیدہ نہیں کہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سوالات کے جواب میں صرف اسی وقت فتویٰ دیتے تھے جب مجبور ہو جاتے اور کوئی چارہ باقی نہ رہ جاتا تھا۔

اور اُن سوالات کا جواب دینے سے تو قطعی طور پر انکار ہی کر دیتے تھے، جو درحقیقت واقع نہ ہوئے ہوں بلکہ صرف مفروضہ کے طور پر انہیں امرِ واقع شدہ سمجھ لیا گیا ہو یہی وجہ ہے کہ مسائل سے متعلق اُن کے جوابات کی تعداد بہت ہی کم ہے، یہاں تک کہ موطا میں یحییٰ لیثیؒ کی روایت کے مطابق جنہوں نے ان کے مرویاتِ حدیث کے ساتھ

Marfat.com

ان کے آرا بھی جمع کر دیئے ہیں) صرف تین ہزار مسائل کے جوابات پائے جاتے ہیں، یہ اتنی کم ہے کہ اس سے زیادہ تعداد میں امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے اصحاب کے جوابات صرف تین ماہ کی مختصر سی مدت کے اندر جمع کر لیے جا سکتے ہیں[1]

امام ابوحنیفہؒ سنت کے معانی سے اور امام مالکؒ سنت کے الفاظ سے زیادہ باخبر تھے

امام محمدؒ، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ دونوں بزرگوں کے شاگرد تھے، بعض روایات میں جو مبالغہ اور توہین آمیز باتیں منقول ہوتی چلی آئی ہیں یہ حاسدوں کی کارستانی ہے ورنہ امام محمدؒ نے ادب و احترام کی کوئی کسر بھی نہیں اٹھا رکھی تھی اور دونوں ائمہ کے درمیان موازنہ اور تجزیہ پر مبنی زیادہ صحیح روایت وہ معلوم ہوتی ہے جسے قاضی ابوالعاصمؒ نے اپنی مبسوط میں نقل کیا ہے:-

الشافعی سأل محمدؒاً انما اعلم مالکؒ او ابوحنیفةؒ فقال محمد بماذا قال بکتاب الله فقال ابوحنیفة فقال من اعلم بسنة رسول الله فقال ابوحنیفة اعلم بالمعانی ومالک اهدیٰ للالفاظ[2]

امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے دریافت کیا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ میں سے کون بڑا عالم ہے؟ امام محمدؒ نے پوچھا کس چیز میں؟ بولے کتاب اللہ کے علم میں، امام محمدؒ نے کہا امام ابوحنیفہؒ، پھر انہوں نے پوچھا کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون زیادہ جانتا ہے؟ بولے امام ابوحنیفہؒ سنت کے معانی سے زیادہ واقف تھے اور امام مالکؒ الفاظ سے۔

یہ روایت واضح ہے اور اس کا ہر لفظ بتا رہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ دونوں اماموں کے بارے میں امام محمدؒ ایسی ہی متوازن اور صحیح رائے دے سکتے تھے جن کو...

---

[1] بلوغ الامانی ص۱۲ تا ۱۳ [2] تانیب الخطیب

Marfat.com

تائید دونوں ائمہ کے واقعات اور تذکرہ وسوانح کی کتابوں کے مطالعہ سے بھی ہوتی ہے اور یہ بات تو اپنے پرائے سب جانتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ استنباطِ مسائل میں سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس میں اس قدر شدت تھی کہ جب تک تلامذہ حفظ نہیں کر لیتے تھے وہ انہیں اپنی مجلسِ درس میں شریک نہیں کرتے تھے۔ جہاں تک ائمہ حدیث روایت وحفاظت کا تعلق ہے لاریب امام مالکؒ اس ذخیرہ کے بہت بڑے حافظ اور امین تھے اور اس کے جمع کرنے میں انہوں نے بڑی سعی اور جدوجہد سے کام لیا تھا لیکن یہ حقیقت مسلّم ہے اور اس کے ماننے بغیر چارہ نہیں کہ امام مالکؒ کی نظر احادیث کے الفاظ پر زیادہ اور معانی پر کم تھی۔ جیسے علامہ زاہد الکوثریؒ کے تبصرہ میں قارئین دیکھ چکے ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ کی نظر الفاظ پر کم اور معانی پر زیادہ ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ کے مستنبط مسائل کی تعداد اتنی نہیں ہے [1] جتنی امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مستخرج مسائل کی ہے کیونکہ استنباط اور استخراج کے لیے الفاظ سے زیادہ معانی پر نظر رکھنا ضروری ہے، امام محمدؒ نے اس بارے میں جو فیصلہ کن بات کی ہے اس سے زیادہ کوئی منصفانہ بات نہیں کی جاسکتی۔

اپنے اقران وا ماثل میں امام محمدؒ کی خصوصیت وامتیاز

امام محمدؒ کو اپنے گوناگوں فضائل، بلند خصائل اور اپنے وہبی اور کسبی کمالات کے اعتبار سے اپنے اقران وا ماثل میں خصوصی فوقیت اور امتیاز حاصل تھا، قرآنِ کریم پر ان کی گہری نظر تھی، احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو گہرا شغف تھا، اور انہی دو چیزوں نے انہیں فقہ کی طرف متوجہ کیا اور وہ اس فن میں امام دوراں بن گئے، خدا تعالیٰ نے انہیں علم کے ساتھ فکر وذہن بھی مرحمت فرمایا تھا، ان کی فکرِ عمیق اور ذہنِ رسا کے کرشمے ان کی گرانقدر تصانیف

---

[1] اس موقع پر یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ متاخرین کے ہاں امام مالکؒ سے مروی جو مسائل پائے جاتے ہیں ان کی کثرت تعداد سے مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے، اصل بات یہ ہے جیسا کہ دوسرے علماء نے بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ مسائل درحقیقت امام مالکؒ کی رائے پر تخریج کیے گئے ہیں اس لیے تعداد زیادہ ہے ورنہ اس سے بھی کم ہوتی۔

Marfat.com

ان کے مجتہدات اور ان کے فقہی مسائل اور آراء میں بکثرت نظر آتے ہیں، امام محمدؒ کے یہی کمالات ہیں جن کی داد حریف بھی اسی طرح دیتے ہیں جس طرح حلیف، اسی لیے کہ ان سے ان سے انکار یا ان کا استخفاف کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔

علماءِ مدینہ اور امام مالکؒ سے اختلاف اور کتاب الحجج کی تصنیف

امام محمدؒ کے ان کمالات واوصاف اور خداداد صلاحیتوں کی جھلکیاں، اُن کے امام مالکؒ سے تلمذ و استفادہ اور پھر مسائل میں اختلاف ومناقشہ اور علمی تحقیقات میں واضح اور نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ علامہ زاہد الکوثریؒ رقمطراز ہیں کہ امام محمد بن حسنؒ نے بے شک امام مالکؒ سے مؤطا کی سماعت کی، حدیث میں کسبِ فیض کیا، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ امام مالکؒ کی ہر فقہی رائے قابلِ قبول نہیں ہے، اُن کی متعدد آراء ایسی ہیں جو قابلِ رد ہیں، چنانچہ اسی تاثر کے تحت امام محمدؒ نے اپنی "کتاب الحجج" تصنیف کی جو اہلِ علم کے حلقہ میں اہلِ مدینہ کے طرز واصولِ اجتہاد پر مبنی ہے [۱] امام محمدؒ کی یہ کتاب ایسی شاہکار ہے کہ کتب رد میں اس کی مثال اور نظیر نہیں ملتی [۲] "کتاب الحجج" فنِ حدیث و آثار میں امام محمدؒ کی تیسری تصنیف ہے، اس کا پورا نام "کتاب الاحتجاج علیٰ اہل المدینہ" ہے جس میں انہوں نے امام مالکؒ اور علماءِ مدینہ کے بعض خیالات اور آراء سے اختلاف اور

---

[۱] بلوغ الامانی ص۱۳ میں علامہ کوثریؒ نے لکھا ہے کہ اس نادر ونایاب کتاب کا ایک نسخہ مدینہ منورہ کے ایک کتبخانے میں "المکتبۃ المحمودیہ" میں ہے جس کا نمبر ۱۲۴ ہے۔ اس کتاب کا ایک اور نسخہ ایک دوسرے کتب خانے "نور عثمانیہ" میں جو استنبول میں واقع ہے "موجود ہے اس کا نمبر ۱۴۹۲ ہے۔ لیکن یہ دونوں نسخے ناقص ہیں اور ناتمام فائلوں کی صورت میں بکھرے ہوئے ہیں لیکن یہ طے شدہ امر ہے کہ یہ اوراق ہیں اسی کتاب کے — میں نے بڑی کوشش کی کہ ان کا مقابلہ ان نسخوں سے کرسکوں جو موجود ہیں اور بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں، لیکن افسوس کہ اب تک مجھے پوری کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ علامہ کوثریؒ کو شاید اطلاع نہ ہوسکی، حیدرآباد دکن میں مولانا انوار اللہ صاحب کے کتب خانہ میں ایک نسخہ تھا جو زیادہ صحیح تھا اس کو اصل قرار دے کر نسخہ مرتب کرلیا گیا اس کتاب کی تصحیح وتعلیق مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہانپوریؒ نے کی ہے، ان کا حاشیہ گویا بہترین شرح ہے اور اب یہ طبع ہوکر ہر جگہ دستیاب ہے۔ [۲] بلوغ الامانی ص۱۳

Marfat.com

ان کے دلائل کا جواب دیا ہے اور ان کے خلاف حجت قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔

کتاب الحج سے امام شافعیؒ کا استفادہ اور تاثر

"کتاب الحج" کے مطالعہ سے ایک بات یہ بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جن مسائل میں امام شافعیؒ نے اپنی کتابوں میں امام مالکؒ کا ردّ کیا ہے وہ اسی کتاب سے استفادہ و مطالعہ، اس میں گہرے غور و فکر اور اخذ و استنباط کے تاثر کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ ایسے مسائل جو کہ کتاب الحج میں نہیں ہیں اور امام شافعیؒ نے ان میں امام مالکؒ کے ردّ کی کوشش کی ہے اُن میں امام شافعیؒ کے جوابات میں وہ جودت اور ذہانت نظر نہیں آتی جو پہلے مسائل میں دکھائی دیتی ہے۔ [1]

امام محمدؒ کی نیند اور امام مالکؒ کی بیداری

امام محمدؒ کی ایک اہم اور نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کا دماغ علوم و معارف کا گنجینہ ہے۔ اور ادب، فقہ، اصولِ فقہ، حدیث، تفسیر، روایات اور رجال و اشخاص پر جب وہ تحقیقی اور تنقیدی نظر ڈالتے ہیں تو کسی کے ساتھ بھی رعایت نہیں کرتے، ان کی تحقیق و تمحیص، ان کا اجتہاد و استنباطِ مسائل اور جذبۂ اظہارِ حق نہ کسی عقیدت سے متاثر ہوتا ہے اور نہ کسی حسنِ ظن سے، وہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی مرعوب نہیں ہوتے، وہ ہر قول، ہر حدیث اور روایت، ہر راوی اور مروی عنہ کی حقیقت جانتے اور اسے نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں پھر جو رائے بھی ہوتی ہے اسے بغیر کسی خوف لامۃ لائم کے صفائی کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں وہ اپنی رائے اور فیصلہ میں ٹھوس مؤقف اختیار کرتے ہیں، کسی شخصیت کی عظمت یا محض وجاہت سے متاثر ہو کر وہ اپنی رائے اور فیصلہ میں نہ تبدیلی کرتے ہیں اور نہ لچک پیدا ہونے دیتے ہیں مداہنت کا تو اُن کے ہاں تصور بھی نہیں، وہی کہتے ہیں جو اُن کے نزدیک حق ہوتا ہے۔ فکر و تدبّر اور نطق و اظہار کی یہ بیباکی بہت بڑی نعمت ہے خدا جسے بخش دے، امام محمدؒ قدرت کی طرف سے اوّل روز سے اس دولت سے مالا مال کر دیئے گئے تھے اس خصوصیت

---

[1] بلوغ الامانی ص ۱۳۰

Marfat.com

اور نمایاں امتیاز کے پیشِ نظر اہلِ علم کا ایک بڑا طبقہ امام محمدؒ کو اپنے بعض مشائخ پر ترجیح اور فوقیت دیتا ہے اور اسے ان سے افضل اور برتر مانتا ہے۔ مثلاً امام طحاویؒ نے عیسٰی بن سلیمانؒ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ: "یحییٰ بن آثمؒ مامون کے ساتھ سفرِ مصر کے ارادے سے روانہ ہوئے، راستہ میں انہیں یحییٰ صالحؒ الوحاظی ملے جو شام کے جید عالم اور امام بخاریؒ کے استاذ تھے، یحییٰ بن آثمؒ نے ان سے دریافت کیا کہ اے ابوزکریا! تمہارے نزدیک کون زیادہ بیدار مغز تھے، مالکؒ بن انسؓ یا محمد بن حسنؒ؟ جواب میں یحییٰ بن صالحؒ نے فرمایا:۔

کان محمد بن الحسن نائماً مستثقلاً ایقظ من مالک جالساً مجتمعاً[1]

اگر امام محمدؒ بے خبر سو رہے ہوں اور امام مالکؒ ہوشیار اور بہ ثباتِ عقل و حواس بیٹھے ہوں تو بھی مالک بن انسؒ کے مقابلہ میں محمد بن حسنؒ زیادہ بیدار مغز ثابت ہوں گے۔

فقہی ریاست کا بے تاج بادشاہ

امام ذہبیؒ نے حضرت امام محمدؒ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:۔

انتھت الیہ ریاسۃ الفقہ بالعراق بعد ابی یوسفؒ[2]

عراق میں امام محمدؒ پر فقہ کی ریاست اور سرداری ختم ہے امام ابو یوسفؒ کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں جو انکا مدِمقابل قرار دیا جا سکے۔

امام ذہبیؒ نے مزید لکھا ہے کہ بڑے بڑے ائمہ وقت اور اعاظم رجال ان کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہوئے ہیں اور اپنے فن پر انہوں نے یادگار تصانیف چھوڑی ہیں کہ وہ اپنے وقت کے سب سے زیادہ زکی اور ذہین فرد تھے[3]

اسی طرح خطیبؒ نے بھی اپنی سند کے ساتھ یحییٰ بن صالحؒ سے روایت نقل کی ہے کہ مجھ سے ابن اکثمؒ نے کہا کہ تم امام مالکؒ سے ملے ہو؟ انکے حلقۂ درس میں بیٹھے ہو؟

---

[1] بلوغ الامانی ص۱۳ [2] ایضاً ص۱۴ [3] ایضاً ص۱۳

Marfat.com

ان سے سماعت کی ہے؟ اور اس کے ساتھ ساتھ امام محمد بن حسنؒ کی رفاقت اور معیت بھی تمہیں حاصل رہی ہے، ذرا یہ تو بتاؤ کہ ان دونوں بزرگوں میں زیادہ بلند مرتبت فقیہ کون تھا؟ میں نے جواب دیا "امام محمد بن حسنؒ"[1]

اسد بن فراتؒ کو امام محمدؒ کے تلمذ پر فخر تھا

اسد بن فراتؒ جن کا اجمالی تذکرہ اس سے قبل تذکرہ امام ابو یوسفؒ ص--- پر کیا جا چکا ہے، بلند پایہ عالم، فقیہ اور امام تھے۔ ان کے پایۂ فضل و کمال اور علم و معرفت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ سحنونؒ کے استاذ تھے، امام مالکؒ کے فقہی مذہب کی تدوین و ترتیب میں بھی انہوں نے بہت بڑا حصہ لیا۔ "الاسدیہ" ان ہی کا عظیم اور لاجواب علمی شاہکار ہے۔ انہیں امام محمدؒ کے تلمذ پر فخر تھا۔

اسد بن فراتؒ درسگاہِ امام مالکؒ سے امام محمدؒ کے مدرسہ میں کیسے پہنچے؟

ذیل میں ہم اجمالاً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسد بن فراتؒ حضرت امام مالکؒ کی درسگاہِ علم و فیض سے امام محمدؒ کے مدرسۂ فقہ و اجتہاد میں کیسے پہنچے؟ ۱۷۲ھ میں اسد بن فراتؒ قیروان سے نکل کر مشرق میں پہنچے اور سب سے پہلے وہ دربارِ نبوی مدینۂ منورہ میں پہنچ کر امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحصیلِ علمِ حدیث اور قراءتِ مؤطا کی سعادت حاصل کرنے کے لیے اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ امام مالکؒ کے پاس اُس وقت دور دراز سے طلبہ تحصیلِ علمِ حدیث کی غرض سے جمع تھے اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیض پا رہے تھے۔ مگر امام مالکؒ کے جلال کا یہ عالم تھا کہ دورانِ درس یا بعد میں کسی کو بھی اپنے اشکال کا حل یا کسی سوال کا جواب حاصل کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

درسگاہِ امام مالکؒ کی عظمت و جلال

حضرت سفیان ثوریؒ جن کی شہرت اور علمی جاہ و منزلت، تعریف و توصیف

---

[1] بلوغ الامانی ص۱۳

Marfat.com

سے ان کو مستغنی کرتی ہے، ایک روز حضرت امام مالکؒ کی مجلسِ درس میں تشریف لائے تو مجلس کی عظمت وجلال، ہیبت و وقار اور شان وشوکت کے ساتھ کثرتِ انوار وبرکات کو دیکھا تو امام مالکؒ کی مدح میں یہ قطعہ نظم فرمایا۔

یَأْبَی الْجَوَابَ فَلَا یُرَاجِعُ هَیْبَةً
وَالسَّائِلُوْنَ نَوَاکِسُ الْاَذْقَانِ
اَدَبُ الْوَقَارِ وَعِزُّ سُلْطَانِ التُّقٰی
فَهُوَ الْمُطَاعُ وَلَیْسَ ذَا سُلْطَانٍ[1]

(ترجمہ) "امام مالکؒ جواب دینا چھوڑ دیں تو سب سائل اپنا سر نیچا کیے بیٹھے رہیں اور آپ کی ہیبت سے دوبارہ نہ پوچھ سکیں۔ وقار آپ کا ادب کرتا تھا اور آپ پرہیزگاری کی بادشاہت پر عزت کے ساتھ متمکن تھے اور عجیب بات یہ تھی کہ آپ کی عزت کی جاتی تھی حالانکہ آپ بادشاہ نہ تھے"۔

یہ وہ دور تھا جب امام مالکؒ کے مشہور شاگرد ابن القاسمؒ اور اس درجہ کے بلند پایہ علماء کسبِ فیض کر رہے تھے تو یہ لوگ اسد بن فراتؒ کو اکساتے تھے کہ وہ اشکالات مشکل سوالات اور پیچیدہ مسائل سے متعلق امام مالکؒ سے دریافت کرلیا کریں کیونکہ وہ عام طور پر سوالات کے جوابات نہیں دیا کرتے تھے۔ اسد بن فراتؒ چونکہ دور دراز سے زحمتِ سفر برداشت کر کے آتے تھے اور پھر امام مالکؒ کو ان سے خاص تعلقِ خاطر بھی تھا اس لیے ان کا پاس خاطر بھی عزیز تھا اور اسدؒ جو کچھ پوچھتے تھے امام مالکؒ ان کا دل رکھنے کے لیے خلافِ معمول اس کا کچھ نہ کچھ جواب ضرور دے دیتے تھے، ان کے ساتھ امام مالکؒ کا برتاؤ خصوصیت اور لطف وعنایت کا تھا۔

امام مالکؒ کا اہلِ عراق سے استفادہ کا مشورہ

علامہ زاہد الکوثریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ

---

[1] بستان المحدثین ص۲۱

کی شفقت اور اسد بن فراتؒ کی اپنی طبیعت، طلبِ علم اور شوقِ تحقیق کے پیشِ نظر یہ سلسلۂ سوالات آگے بڑھتا رہا۔ جب یہ سلسلۂ سوالات نہ صرف یہ کہ کسی طرح ختم نہ ہوا بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا، چونکہ امام مالکؒ اس مزاج کے نہیں تھے لہٰذا وہ جواب دیتے دیتے تنگ آ گئے، بالآخر انہیں ایک روز اسد بن فراتؒ سے واضح طور پر یہ کہنا پڑا کہ :-

حسبك يا مغربي ان اردت هذا فعليك بالعراق[1]

اے مغربی! اگر تُو اپنی پوچھ گچھ کی عادت و اصرار سے باز نہیں آسکتا تو تُو عراق جا۔ (یعنی اہلِ عراق سے استفادہ کر)

اسد بن فراتؒ نے امام مالکؒ کے اس جواب کے بعد یہ فیصلہ کر لیا کہ بات کو طول دینا مناسب نہیں اور اب جب خود امام صاحبؒ نے اشارہ کر دیا ہے اور یہاں مقصد کی تکمیل بھی نہیں ہوتی (جو کہ اکابر اور شیوخ سے ملاقات و استفادہ تھا) چنانچہ وہ مدینہ سے رخصت ہو کر خود امام مالکؒ کی نشاندہی کے مطابق عراق پہنچے اور یہاں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے ان کے حلقہ ہائے درس میں بیٹھ گئے۔ یہاں جن اعاظم رجال اور ائمہ احنافؒ سے اسد بن فراتؒ نے علم فقہ کی تحصیل کی اُن میں امام ابو یوسفؒ، اسد بن عمرو البجلیؒ اور امام محمد بن حسن الشیبانیؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اور پھر ان سب میں جو اختصاص و امتیاز انہیں امام محمدؒ کے ساتھ رہا اور جس طرح ان سے انہوں نے استفادہ کیا اس طرح کا فیضِ علم وہ کسی دوسرے امام سے حاصل نہ کر سکے[2]

فقہائے حنفیہ کی شانِ علم و تفقہ

اسد بن فراتؒ عراق میں حضرت امام محمدؒ اور فقہائے احنافؒ سے اپنی مراد پا کر علم کی

---

[1] بلوغ الامانی ص۱۲۱ [2] امام محمدؒ کو اسد بن فراتؒ سے کس قدر شفقت اور ان کا پاس خاطر کس قدر ملحوظ تھا۔ اسی سلسلہ کے دو دلچسپ واقعات اسی کتاب کے صفحہ ___ پر ملاحظہ فرمالیں۔

Marfat.com

تحصیل اور تکمیل کے بعد جب فارغ التحصیل ہوکر واپس اپنے وطن کے سفر پر روانہ ہوئے تو راستہ میں مدینہ منورہ میں بھی چند روز قیام کیا، غرض یہ تھی کہ یہاں وہ امام مالکؒ کے خاص تلامذہ سے اُن مسائل کے بارے میں دریافت کریں جو انہوں نے امام محمدؒ کے حلقہ درس میں سیکھے تھے لیکن مدینہ منورہ میں جو اصحابِ مالکؒ موجود تھے وہ ان مسائل میں مذہبِ مالکی کے مطابق اسد بن فراتؒ کی تشفی نہ کر سکے۔ ان میں سے اکثر نے اسد بن فراتؒ کو مصر جانے اور وہاں کے اصحابِ مالکؒ سے استفسار اور مسائل کی تحقیق کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ وہ اصحابِ مالکؒ جو مصر میں رہتے ہیں اُن سے ملیں وہ یقیناً ان مسائل کا تسلی بخش، مفصل اور شافی جواب دے سکیں گے چنانچہ اسد بن فراتؒ نے ان کا مشورہ مان لیا اور مدینہ منورہ سے مصر کے لیے روانہ ہو گئے مصر پہنچنے کے بعد اسد بن فراتؒ سب سے پہلے مذہبِ مالکیؒ کے جید عالم، امام مالکؒ کے تلمیذِ خاص حضرت عبداللہ بن وہبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، علیک سلیک اور مروجہ گفتگو کے بعد اصل غرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسد بن فراتؒ نے فرمایا۔

هٰذه کتب ابی حنیفةؒ وسئاله ان یجیب فیها علی مذهب مالکؒ فتورع ابن وهب وابی[1]	یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی کتابیں ہیں اور ان مسائل کا جواب مذہب مالکی کی رُو سے کیا ہے؟ ابنِ وہب سراسیمہ سے ہو گئے اور کہا میرے پاس ان مسائل کا جواب نہیں ہے۔

یہ کتابوں کا پشتارہ حضرت امام محمدؒ کے امالی، افادات اور فیوضات تھے جو اسد بن فراتؒ نے ضبط کر لیے تھے۔ چونکہ امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے استفادہ کیا تھا اور تقریر و تدریس کے دوران وہ انہیں بے تکلف امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب

---

[1] طبقات الفقہاء لابی اسحٰق شیرازیؒ بحوالہ بلوغ الامانی ص۱۶

Marfat.com

کرتے تھے اس لیے اسدؒ نے عبداللہ بن وہبؒ کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کی کتب کی نشاندہی کی، مگر فقہاء عراق اور امام محمدؒ کی عظمت اور فقہی بصیرت اور ان کی شانِ علم و تفقہ کا یہ عالم تھا کہ فقہائے مدینہ اور عبداللہ بن وہبؒ[1] جیسے جید علماء نے اسد بن فراتؒ کو مسائل مالکیہ بتانے سے اس لیے انکار کر دیا کہ وہ امام محمدؒ کے شاگرد تھے اور ان کی خاطر خواہ تشفی کرانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

فقہ مالکیہ کی تدوین بھی فقہاء عراق کی مرہونِ منت ہے

عبداللہ بن وہبؒ کے انکار کے بعد اسد بن فراتؒ امام مالکؒ کے خاص الخاص شاگرد اور فقہ مالکیہ کے جیّد عالم ابن القاسمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بھی وہی کچھ عرض کیا جو عبداللہ بن وہبؒ سے کیا تھا ابن القاسمؒ نے اسد بن فراتؒ کے ہر سوال کا جواب دیا اور جو کچھ امام مالکؒ کے مسلک اور مذہب کے بارے میں مسائل پیش آمدہ سے متعلق معلوم تھا۔

فاجابہ عنہا بماحفظ عن مالکؒ[2]

تو ان مسائل کا جواب امام مالکؒ کے الفاظ میں بتایا۔

اور اگر کہیں مسئلہ میں شک ہوا تو یہ احتیاط ملحوظ رکھی کہ اپنے جواب کو امام مالکؒ کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ یوں کہا کہ "یہ میرا خیال ہے"، یا "میرا گمان یہ ہے"، یا "میں یہ سمجھتا ہوں"۔

ابن عبدالبرؒ نے بھی یہی واقعہ نقل کیا ہے، لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن وہبؒ پر روایت غالب تھی، پس ان کی فطرت اور طبیعت کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اس طرح کے سوالات کا

---

[1] عبداللہ بن وہبؒ اصل اور نسب کے لحاظ سے بربری ہیں تقریباً بیس سال تک امام مالکؒ کی شاگردی میں رہے۔ امام مالکؒ ان کی تعظیم و تکریم اور ان سے بہت محبت کرتے اور فقیہ کے لقب سے یاد کرتے تھے! انہی کی وجہ سے امام مالکؒ کا مذہب مصر اور بلادِ مغرب میں پھیلا۔ ان کی تصنیفات کی تعداد تقریباً ۳۰ ہے۔ ۱۲۴ھ یا ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۲ سال کی عمر میں ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔ (امام مالکؒ تذکرہ تلامذہ ابوزہرہؒ) [2] بلوغ الامانی ص ۱۷

Marfat.com

جواب دینے سے انکار کر دیں اس کے برعکس ابن القاسمؒ تقریباً بیس سال تک امام مالکؒ کے دامنِ علم سے وابستہ رہے اور گوشِ ہوش سے ان کے الفاظ و کلمات سنتے رہے، جو بات سنتے اُسے گرہ میں باندھ لیتے، جو کام کی بات سماعت میں آتی اسے یاد رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ مالکیہ حضرات دوسرے تمام اصحاب مالکؒ پر از روئے فقہ ابن القاسمؒ کو ترجیح دیتے ہیں۔ باقی رہا لوگوں کا یہ اعتراض کہ اتنے ڈھیر سارے مسائل ابن القاسمؒ نے امام مالکؒ سے کہاں سے حاصل کیے، جبکہ اس سلسلے میں ان کی کوئی باقاعدہ کتاب بھی مدوّن نہیں تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قوتِ حافظہ خدا کی دین ہے جسے چاہے مرحمت فرمادے[1]

در اصل ان تفصیلی واقعات کے نقل کرنے سے اصل غرض یہ ہے کہ ابن القاسمؒ نے اسد بن فراتؒ کے جوابات میں جو مسائل بتائے وہی مرتب اور مدوّن ہو کر "الاسدیہ"[2] کہلائے۔ یہ کام پہلے سحنونؒ نے کیا تھا جس پر خود ابن القاسمؒ نے نظرِ ثانی اور اصلاح و ترمیم کی، تو ابن القاسمؒ[3] سے سوالات اسدؒ نے کیے تھے۔ اگر اسد بن فراتؒ امام محمدؒ سے کسبِ فیض نہ کرتے، فقہ کی ترتیب سے آگاہ نہ ہوتے، سوالات اور استفادہ کا ذہن نہ ہوتا تو شاید کبھی بھی فقہ مالکی مرتب نہ ہوتی اور اگر ہوتی بھی تو یوں نہ ہوتی جس طرح آج ہے۔

اسدؒ اور اشہبؒ کا دلچسپ مباحثہ

اسد بن فراتؒ، امام محمدؒ کے ہاں سے شب و روز کی تعلیم و تدریس، فقہی تربیت، استنباط و استخراجِ مسائل میں منجھ چکے تھے، پھر امام محمدؒ کی خصوصی نظرِ توجہ نے

---

[1] الانتقاء بحوالہ بلوغ الامانی ص۱۷ [2] المدارک ص۶۵ [3] عبدالرحمٰن بن قاسمؒ، امام مالکؒ کے ان تلامذہ میں سے ہیں جن کا مالکی مذہب کی تدوین میں بہت بڑا حصہ ہے، فقیہ تھے، ان پر رائے غالب تھی، صالح اور صابر آدمی تھے (الانتقاء ص۵۰) ۲۰ سال تک امام مالکؒ کی خدمت میں رہے، انہوں نے سحنونؒ سے مدونہ حاصل کی، فقہ مالکی کی ترویج میں اسدؒ، سحنونؒ اور ابن القاسمؒ برابر کے شریک ہیں۔ ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور تقریباً تریسٹھ سال عمر پا کر ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔ (امام مالکؒ (تذکرہ تلامذہ) از ابو زہرہؒ)

Marfat.com

سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ عام فقہاء ان کے مقابلہ میں کب بات کر سکتے تھے۔ اس سلسلہ کی ایک دلچسپ روایت یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ ـــــــ جب عبداللہ بن وہبؒ نے امام محمدؒ کے اس تلمیذ خاص کے سوالات کا جواب دینے سے صاف صاف انکار کر دیا تو عبدالرحمٰن بن قاسمؒ کے پاس جانے سے پہلے فقہ مالکی کے ایک اور ستون اور اصحاب مالکؒ کے ممتاز عالم جناب اشہبؒ[1] کی خدمت میں بھی طالب علمانہ حاضری دی اور ان سے بھی وہی کچھ عرض کیا جو عبداللہ بن وہبؒ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ میرے پاس یہ بستہ مکتب حنفیہ کی کتابوں کا ہے، اس میں فقہ حنفی کے مطابق مسائل محفوظ ہیں، ان مسائل میں آپ فقہ مالکی کے مطابق ہماری راہنمائی کیجئے۔ اشہبؒ نے جوابات دینے کی حامی بھر لی اور یہ سلسلۂ سوال و جواب شروع ہو گیا، ابھی دو تین سوالوں سے بات آگے نہیں بڑھی تھی کہ اسد بن فراتؒ نے اشہبؒ سے عرض کیا حضرت! آپ جو مجھے میرے سوالات کا جواب دے رہے ہیں یہ کن حضرات کے اقوال ہیں امام مالکؒ کے یا امام ابو حنیفہؒ کے؟ اشہب نے کہا:۔

هٰذا من قولی عافاك الله[2]	خدا تجھے معاف کرے یہ میرا قول ہے۔

---

[1] یہ ابن قاسمؒ کی نظیر تھے، امام مالکؒ کی خدمت میں بہت دن رہے۔ مدونہ اشہب یا کتب اشہب ان کی مشہور کتاب ہے۔ یہ مدونہ سحنونؒ کے علاوہ ہے۔ اشہبؒ اور ابن القاسمؒ دونوں سحنونؒ کے شاگرد تھے، سحنونؒ سے پوچھا گیا دونوں فقیہوں میں کون اعلم ہے؟ سحنونؒ نے کہا دونوں تیراک گھوڑے ہیں کبھی یہ بڑھ جاتا ہے اور وہ رہ جاتا ہے کبھی وہ بڑھ جاتا ہے تو یہ رہ جاتا ہے۔ ابن القاسمؒ اور اشہبؒ نے امام مالکؒ کے ایک قول میں اختلاف کیا اور ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کے قول کے خلاف قسم کھائی، پھر دونوں نے ابن وہبؒ سے فیصلہ چاہا اور اقوال دریافت کیے، ابن وہبؒ امام مالکؒ کی صحبت میں دونوں سے مقدم ہیں، ابن وہبؒ نے دونوں کو بتایا کہ امام مالکؒ نے دونوں قول کہے ہیں (المدارک ص ۶۳۵) اشہبؒ سنہ ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۰۴ھ میں امام شافعیؒ سے ایک روز بعد وفات پائی۔

[2] بلوغ الامانی ص ۱۷

Marfat.com

اسد بن فراتؒ نے جواباً عرض کیا۔

انما سألتك عن قول مالك وابی حنیفه فتقول هٰذا قولی۔

(میں نے تو آپ سے ان مسائل کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ یا امام مالکؒ کا قول دریافت کیا تھا اور آپ مجھے اپنے اقوال سنا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میرا قول ہے۔ (بھلا یہ بھی کوئی بات ہے)

اس پر دونوں کے درمیان ردوکد ہوئی اور بدمزگی پیدا ہوگئی، آخر عبداللہ بن عبدالحکم بیچ میں پڑ گئے اور دونوں سے کہا یہ کیا خواہ مخواہ کی بات بڑھا رکھی ہے۔ اور اسد بن فراتؒ سے کہا:۔

رجل اجابك بجوابه فان شئت فاقبل وان شئت فاترك[1]

اشہبؒ نے اپنی رائے کے مطابق تمہارے ایک سوال کا جواب دیا ہے چاہو تو اس جواب کو قبول کر لو ورنہ رد کر دو۔

اشہبؒ کے جوابات اور اسد بن فراتؒ کی ایک تمثیل

عبداللہ بن عبدالحکمؒ نے اس طرح دونوں کا جھگڑا ختم کر دیا۔ اسد بن فراتؒ، امام محمدؒ کے شاگرد تھے مہذب اور ان کے تربیت یافتہ، مگر یہاں اُن کی آواز اونچی ہوگئی یا خاموش رہنے کے بجائے اشہبؒ سے ان کا تکرار بڑھ گیا۔ بظاہر یہ بات اسد بن فراتؒ کے شان سے مناسب معلوم نہیں ہوتی لیکن اگر اس کے ساتھ واقعہ کا وہ جزء بھی رکھ دیا جائے، جو دیگر متعدد روایات میں نقل ہوتا چلا آیا ہے، تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اگر اسد بن فراتؒ اس شان اور جلالت کا مظاہرہ نہ کرتے تو یہ نامناسب تھا یا کم از کم ان کی شان سے بعید تھا۔

وہ یہ کہ جب بحث چلی اور اسدؒ نے سوالات کیے اور امام ابوحنیفہؒ یا امام مالکؒ

---

[1] بلوغ الامانی ص۱۷

Marfat.com

کے اقوال کا مطالبہ کیا تو اشہبؒ نے بحث کے دوران امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی توہین کی یا غود سے مشابہت دی، یہ وہ چیز تھی جسے اسد بن فرات ضبط نہ کر سکے اور باآواز بلند کہنے لگے۔

اے اشہب! اے اشہب! اے اشہب! طلبہ جو اس وقت اشہبؒ کی درسگاہ میں موجود تھے اسدؒ کو خاموش کر دیا اور اسدؒ سے کہنے لگے۔

ماذا ترید ان تقول لہ۔ — آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں اشہبؒ سے؟

اسدؒ نے جواب دیا۔

اردت ان اقول لہٗ۔ مثلک ومثلھما مثل رجل اتی بین بحرین فبال فرغی بولہ فقال: ھٰذا بحر ثالث لہ

میں اشہبؒ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمہاری اور امام مالکؒ و امام ابوحنیفہؒ کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص ایسے مقام سے گذرا جہاں دو دریا پہلو بہ پہلو بہہ رہے تھے وہ ان دونوں کے درمیان بیٹھ گیا، پیشاب کیا جو بہنے لگا پھر اپنے پیشاب کو دیکھ کر کہنے لگا: "یہ تیسرا دریا ہے"

بعض روایات میں ہے کہ اسدؒ نے یہ بات اشہبؒ سے مشافہۃً کہہ دی، اس پر خوب ہنگامہ ہوا، بیچ میں عبداللہ بن حکیم پڑ گئے اور بات رفع دفع ہو گئی۔

فقہ مالکیہ کی تدوین مسائل، امام محمدؒ کی کُتب و رسائل کی روشنی میں ہوئی ہے

ان روایات اور واقعات کے نقل کر دینے سے یہ بات واضح کرنی مقصود ہے جیسا کہ خود قارئین کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اگر کتابوں کا وہ بستہ یا پشتارہ نہ ہوتا جو اسد بن فراتؒ فقہ حنفیہ کے سلسلہ میں امام محمدؒ کے حلقۂ درس سے حاصل کر کے ساتھ لیے پھرتے تھے اور اسے لے کر وہ فقہاء مدینہ

لہ معالم العرفان فی تاریخ القیروان بحوالہ بلوغ الامانی ص۱۸۱

Marfat.com

عبداللہ بن وہبؒ، اشہبؒ اور پھر آخر پر ابن القاسمؒ کے پاس آئے اور اگر ان کے جوابات وہ فقہ مالکیہ کے مطابق ابن القاسمؒ سے حاصل نہ کرتے تو یقین جانیے کبھی بھی اہلِ عراق کے ترتیبِ جمیل کے مطابق ابواب فقہ کے سوالات اور جوابات اسد بن فراتؒ اور ابن القاسمؒ کی طرف سے اس خوبی کے ساتھ ظہور میں ہرگز نہ آتے، لہٰذا بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ تفصیلات اور قطعی روایات اور واقعات اور دلائل کی روشنی میں کہ اسد بن فرات کی تدوینِ مسائل، امام محمدؒ کی کتب و رسائل کی روشنی میں ہوئی ہے اور سحنونؒ کی "مدونہ" کا یہی اصل ہے۔ گویا امام محمدؒ فقہ مالکیہ کے عظیم محسن ہیں[1]۔

۵ افریقہ میں مذہب حنفیؒ کی اشاعت اسد بن فراتؒ کی مساعی کا نتیجہ ہے

اسد بن فراتؒ پر امام محمدؒ کی نظرِ توجہ پڑی تو ان کا مستقبل روشن ہو گیا۔ اللہ والوں کی نظر کیمیا اثر ہوا کرتی ہے

---

[1] اور الحمدللہ کہ احناف نے کسی بھی مسلک کے ساتھ تعصب روا نہیں رکھا بلکہ علم و تحقیق اور ریسرچ کے میدان میں اصل حقائق کے اظہار میں خوشی محسوس کی ہے۔ آخری دور میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے "اوجز المسالک شرح موطا لامام مالکؒ"، جو آپ کا عظیم علمی اور تصنیفی کارنامہ ہے جو ضخیم جلدوں میں ہے، ۳۰ سال سے زائد عرصہ اس کی تالیف میں لگا۔ علامۂ حجاز مفتیِ مالکیہ سید علویؒ جو نہ صرف حجاز کے بلکہ اپنے دور کے نہایت متبحر اور وسیع النظر عالم تھے "اوجز" کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے اور وہ اس پر تعجب کا اظہار کرتے تھے کہ خود مالکیہ کے اقوال و مسائل کا اتنا گہرا علم اور اتنی صحیح نقل موجبِ حیرت ہے، وہ فرماتے تھے: "اگر شیخ زکریاؒ مقدمہ میں اپنے کو حنفی نہ لکھتے تو میں کسی کے کہنے سے بھی ان کو حنفی نہ مانتا، میں ان کو مالکی بتاتا، اس لیے کہ "اوجز المسالک" میں مالکیہ کے جزئیات اتنی کثرت سے ہیں کہ ہمیں اپنی کتابوں میں تلاش کرنے میں دیر لگتی ہے"۔ مقدمہ میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے کتاب اور صاحب کتاب امام مالکؒ کا مفصل تعارف اور دونوں کی خصوصیات اور امتیازات کا مفصل تذکرہ کیا ہے نیز اس کے شروح اور عہد بعہد خدمات اور اس کے ساتھ امت کے اعتناء کا ذکر ہے۔ سید علویؒ کے تبصرے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ احناف بالخصوص شیخ زکریاؒ نے مالکیہ کے مسلک کے تعارف و اشاعت میں جو کارنامہ انجام دیا ہے کہ حنفیہ حضرات کو اللہ کریم نے کس قدر وسعتِ ظرفی سے نوازا ہے۔

Marfat.com

اور پھر جب شاگرد بھی قدرتی صلاحیتوں سے مالا مال ہو تو ثمرات دو چند حاصل ہوتے ہیں۔ افریقہ میں امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اسد بن فرات نے پھیلایا انہوں نے دونوں میں وحدت و اتصال کی کوشش کی اور فقہی جتھے بندی اور گروہی و مسلکی تعصب کی فضا نہیں پیدا ہونے دی۔ بعد میں ان کی ساری سرگرمیاں اور مساعی صرف مذہب حنفی کی اشاعت و ترویج کے لیے مسدود اور محدود ہو کر رہ گئیں، مذہب حنفی انہوں نے دیارِ مغرب میں اندلس کی سرحد تک پھیلا دیا اور ان کی حکمتِ عملی اور دانائی سے اور تدبرو بصیرت اور خود فقہ حنفیہ کی جامعیت اور اوفق مع الناس ہونے کی وجہ سے افریقہ کے باشندوں کی بہت بڑی اکثریت مذہب حنفی کی پیرو ہو گئی اور ابن بادیس کے عہد تک یہی کیفیت رہی[1]

فاتح صقلیہ

یہ اسد بن فراتؒ وہی شخص ہیں جو "فاتح صقلیہ" کی حیثیت سے مشہور ہیں صقلیہ وہی "سسلی" ہے جو اٹلی کا زرخیز صوبہ تھا جسے عربوں نے فتح کر کے "صقلیہ" بنا لیا اور عرصہ دراز تک یہاں حکومت کرتے رہے، مسلمانوں کے زوال کے بعد اب وہاں عیسائیوں کا تسلط ہے۔

جب امام مالکؒ کی رائے معلوم نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کیا جائے

بہر حال اسد بن فرات کی ذاتِ گرامی افریقہ میں مذہبِ مالکی و حنفی کیلئے ایک رشتۂ اتصال ہے اور بعض کبار فقہائے مالکیہ کا قول ہے کہ:۔

اذا لم تکن فی مسئلة روایة عن مالکؒ یوخذ بقول ابی حنیفه فیها[2]

اگر کسی مسئلہ میں امام مالکؒ کی رائے معلوم نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کیا جائے گا۔

---

[1] قاضی عیاضؒ نے "المدارک" میں اور ابن فرحونؒ نے "طبقات المالکیہ" میں اسد بن فراتؒ کے حالات و سوانح اور فضائل و کمالات کا ذکر بسط و تفصیل سے کیا ہے۔ اور "معالم الایمان فی تاریخ الفقہ" میں تو بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ ان کے حالات و سوانح بیان کیے گئے ہیں۔ [2] بلوغ الامانی

Marfat.com

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا اختلاف صرف بتیس ۳۲ مسائل میں ہے

بلکہ اگر فقہ حنفیہ اور فقہ مالکیہ کا بنظرِ غائر مطالعہ اور تحقیق کی جائے تو دونوں میں قرب واتصال کی سرحدیں قریب قریب ہیں بلکہ فقہاء اور ائمہ نے اس موضوع پر مطالعہ اور تحقیق کی بھی ہے اور اس سلسلہ میں کبار فقہاء کے اقوال نقل ہوتے آئے ہیں مشہور روایت یہ ہے کہ :۔

بل حصر بعضهما الخلاف بينهما فى اثنتين وثلثين مسئلة ؂۱

(فقہاء کبار) نے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے اختلاف کو صرف بتیس ۳۲ مسائل تک محدود کر دیا ہے۔

امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان علمی مذاکرے

اسد بن فراتؒ کے تذکرہ میں علامہ زاہد الکوثریؒ نے ایک دوسرے اہم امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر اس کی یہاں بھی توضیح کر دی جائے۔ وہ یہ کہ مذہب مالکی اور مذہب حنفی کے مابین صرف یہی رشتہ نہیں ہے کہ اسد بن فراتؒ نے امام محمدؒ کی تربیت اور ان کی کتابوں کی روشنی میں مذہب مالکی کی تدوین کی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ سے فقہی اور علمی مسائل پر بحث وگفتگو کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، جب کبھی بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ مدینہ منورہ تشریف لاتے تو امام مالکؒ ان سے فقہی معاملات ومسائل پر ضرور مذاکرہ کرتے تھے۔ ایک سے زیادہ اہل علم کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ میں جب بھی امام ابوحنیفہؒ تشریف لاتے اور امام مالکؒ مسجدِ نبوی میں ان سے مذاکرہ کرتے تو اکثر ایسا بھی ہوتا کہ رات سے گفتگو شروع ہوتی اور طلوعِ فجر تک اس مذاکرہ کا سلسلہ جاری رہتا ؂۲

امام مالکؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے ساٹھ ہزار سے زائد مسائل حاصل کیے

اور بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ سے مذاکرہ کے بعد ان کی علمی جلالتِ قدر

؂۱ قمع اہل الزیغ والحادعن الطعن فی تقلید ائمۃ الاجتہاد ص ۶۶، ۶۷ ؂۲ بلوغ الامانی ص ۸

Marfat.com

اور متین وسنجیدہ گفتگو اور عالمانہ عظمت سے پسینہ سے تربتر ہو جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ قاضی عیاضؒ نے "مدارک" میں اس پر تصریح بھی کی ہے۔ صرف یہ نہیں بلکہ امام مالکؒ کے تذکرہ نگاروں نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ امام مالکؒ، امام اعظم ابوحنیفہؒ کی کتابوں کا اکثر مطالعہ اور ان سے بھرپور استفادہ کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ امام مالکؒ نے بہت سے مسائل امام اعظم ابوحنیفہؒ سے حاصل کیے۔ طحاویؒ نے دراوردیؒ سے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے جو مسائل حاصل کیے تھے ان کی تعداد ۶۰ ہزار سے بھی زائد تھی [1] علاوہ ازیں اور بھی روایات کثیرہ ہیں جن سے اس حقیقت پر مزید روشنی پڑتی ہے [2]

ائمہ متبوعین ایک خاندان تھے

آج ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے مسائل، فروعات اور جزئیات تک میں اختلافاتِ امت کے انتشار اور افتراق کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں، کفر و اسلام کا معیار قرار پاتے ہیں، خانگی دشمنی تک بات بڑھ جاتی ہے، قبرستانوں میں دفن ہونے تک کی اجازت نہیں ملتی۔ مگر اکابر، اسلاف اور ائمہ جن کے نام سے لوگ اپنا کام چلاتے ہیں، انہوں نے ہرگز اس کی تعلیم نہیں دی تھی، ان کی روحیں آج کا یہ منظر دیکھیں تو ایسے پیروکاروں پر ہزار پھٹکار بھیجیں اور اپنی براءت کا اعلان کر دیں۔ ائمہ متبوعین تو ایک خاندان کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ دیکھیں گے کہ امام مالکؒ، امام اعظم ابوحنیفہؒ سے مسجدِ نبوی میں بیٹھے علم پر مذاکرہ کر رہے ہیں، اجتہاد اور استنباطِ مسائل پر تبادلۂ خیال ہو رہا ہے، کسی کو بھی دوسرے سے استفادہ میں کوئی جھجک نہیں، ایک دوسرے کی علمی قدر و منزلت کا اعتراف ہے۔ امام شافعیؒ مسجدِ نبوی میں امام مالکؒ کے سامنے دوزانو بیٹھے "مؤطا" کی قراءت کر رہے ہیں اور ان کے تلمذ پر انہیں افتخار ہے، مکتبِ حنفیہ کے عظیم چشم و چراغ، مدون و مرتب اور عظیم محسن امام محمدؒ بھی

---

[1] اس سلسلہ میں اکثر تذکرہ نگاروں نے امام مالکؒ کا امام ابوحنیفہؒ سے تلمذ و استفادہ ثابت کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم نے "امام اعظمؒ کے حیرت انگیز واقعات ص ۲۵۴" پر تصریح کر دی ہے، شائقین وہاں ملاحظہ کریں۔ [2] بلوغ الامانی ص ۱۹

Marfat.com

عراق سے مدینہ منورہ مسجدِ نبوی میں آتے اور امام مالکؒ سے کسبِ فیض کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ بلا کسی جھجک کے امام ابو یوسفؒ کی درس گاہ میں حاضر ہوتے اور فقہ کا درس لیتے ہیں۔ امام شافعیؒ امام محمدؒ سے کسبِ فیض کرتے ہیں، ان کی کتابوں سے مستفید اور منتفع ہو رہے ہیں، اسی طرح ائمہ متبوعین کا علم ایک دوسرے کے لیے رفعت و عزت اور معین و مساعد ثابت ہو رہا ہے۔[1]

امام محمدؒ کے اصحاب و تلامذہ کا اجمالی تعارف اور تذکرہ

محقق العصر علامہ زاہد الکوثریؒ نے امام محمدؒ کی مختصر مگر جامع سوانح عربی زبان میں بڑی تحقیق اور تدقیق کے ساتھ "بلوغ الامانی فی سیرۃ محمد ابن الحسن الشیبانیؒ" کے نام سے لکھی ہے، ان کی تحقیق اور وسعتِ نظر پر اعتماد کرتے ہوئے ہم ذیل میں امام محمدؒ کے تلامذہ کے تذکرہ و تعارف کے سلسلہ میں ان کی دی ہوئی فہرست نقل کیے دیتے ہیں۔

امام محمدؒ بہت جلد ہمہ گیر شہرت کے مالک بن گئے، ان کی شہرت ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک پہنچ گئی، ان کی تصنیفات کا چرچا سارے عالمِ اسلام میں ہونے لگا، وہ مرتبۂ اجتہاد پر فائز تھے اور لوگ عقیدت و عظمت کے ساتھ ان کی یہ حیثیت تسلیم کرتے تھے، علمِ فقہ حاصل کرنے کے لیے لوگ جوق در جوق دُور دراز مقامات سے زحمتِ سفر برداشت کرتے، تکالیف اور مصائب سے کھیلتے، دشواریوں اور مشکلات کا مقابلہ کرتے ان کے حضور میں آنے لگے۔ امام ابو حنیفہؒ کے فضل و کمال، تحقیق و اجتہاد، عرفان و آگہی کے وہ

---

[1] بلوغ الامانی ــــ باقی رہی یہ بات کہ ائمہ میں سے بعض نے بعض پر نکتہ چینی کی، تو حقیقت یہ ہے کہ اعدائے دین کا دین پر یہ کذبِ صریح ہے۔ فقہائے اسلام کے بارے میں ان اکاذیب سے صرف وہی لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں جو بالکل ناواقف اور جاہل ہوں۔ اس سلسلہ میں اگر تفصیل مطلوب ہو تو "منتقیٰ شرح مؤطا جلد ۷، صفحہ ۳۰۰" میں "حدیث الداء" کی جو شرح "باجی" نے کی ہے وہ ملاحظہ کیجئے! اور ابوالولید باجی تعارف سے بے نیاز ہیں ان کی علمی منزلت کا سب کو اعتراف ہے، وہ حدیث و فقہ اور اصولِ دین میں مالکیہ کے بہت بڑے سربرآوردہ شخص مانے جاتے ہیں۔

Marfat.com

بہت بڑے وارث تھے اور اس ورثہ میں حصہ لینے کے لیے تشنگانِ علم ہر طرح کی پریشانیاں برداشت کرتے ان کے پاس پہنچتے تھے اور شاد و بامراد ہو کر واپس جاتے تھے۔ ان کے مقام مرتبہ سے وہی شخص ناواقف تھا جو اکابر رجال کے ذہنی اور علمی کارناموں سے کوئی واقفیت نہیں رکھتا تھا ورنہ ہر طالب علم ان کا قدرشناس اور مداح و معتقد تھا۔

اُن تمام لوگوں کا استقصاء تو ناممکن ہے جنہوں نے امام محمدؒ سے کسب فیض کیا، البتہ ان کے اصحاب و تلامذہ میں سے چند سربرآوردہ شخصیتوں کا ہم ذکر ضرور کریں گے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اپنے زمانہ میں وہ حقیقی طور پر شیخ المجتہدین تھے۔

ابو حفص احمد بن حفص العجلیؒ یہ بڑے پایہ کے امام اور مجتہد تھے، ان کے مقام عرفان و آگہی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ فقہ اہل الرائے کی تحصیل امام بخاریؒ نے انہی سے کی تھی۔ ثوریؒ نے بھی اپنی علمی جہاں گشتی سے پہلے ان کے حلقۂ درس میں شرکت کی تھی۔

ابو سلیمان جوزجانیؒ ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانیؒ کا شمار بھی امام محمدؒ کے مخصوص اصحاب میں ہوتا ہے، یہ اپنے وقت کے مانے ہوئے صاحب علم و نظر تھے، مشرق و مغرب میں کتب ستہ کی شہرت و بقا انہی کے وجود باوجود کی رہینِ منت ہے۔

امام شافعیؒ ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعیؒ (یکے از ائمہ اربعہ) بھی امام محمدؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔ امام شافعیؒ کے فضل و کمال، ان کے تفقہ اور بصیرت اور پایۂ اجتہاد سے کون اہلِ علم ہے جو واقف نہ ہو۔ فقہ اسلامی کے چار مشہور و معروف مذاہب میں ایک ان کا مذہب بھی ہے جس کے ماننے والے لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

ابو عبید ہرویؒ ابو عبید قاسم بن سلام ہرویؒ اپنے وقت کے بہت بڑے امام اور مجتہد گذرے ہیں، ان کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا، ان کی تحقیق و اجتہاد کا سکہ اہل علم کے دل پر بیٹھا ہوا تھا، یہ بھی امام محمدؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔

عمرو حرانیؒ امام محمدؒ کے مایۂ ناز شاگردوں میں عمرو بن ابی عمرو الحرانیؒ کا نام کسی طرح نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، کتاب و سنت پر اُن کی وسیع اور گہری نظر تھی،

Marfat.com

فقہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، ان کے علم و بصیرت کا سارے آفاق میں شہرہ تھا، نازک سے نازک مسائل کو آسانی سے حل کر کے رکھ دیتے تھے۔

محمد بن سماعہ تمیمیؒ امام صاحبؒ کے قابلِ فخر اصحاب و تلامیذ میں محمد بن سماعہ تمیمیؒ کا نام بھی ہے، یہ بھی اپنے وقت کے مجتہد اور امام گذرے ہیں۔

علی بن معبدؒ علی بن معبد شدّاد الرّقی اُن لوگوں میں سے ہیں، جنہوں نے "جامع کبیر" اور "جامع صغیر" کی روایت کی ہے، یہ بھی امام صاحبؒ کے شاگرد تھے۔

معلّی بن منصورؒ معلّی بن منصور الرازیؒ بھی اپنے زمانہ میں فقہ کے امام یکتا گذرے ہیں۔ فقہ کے ساتھ ساتھ قرآنِ کریم اور سنّتِ رسول اللہ پر بھی اُن کی وسیع نظر تھی اور اختلافاتِ فقہی کے بھی یہ پورے عالم تھے، انہوں نے بھی امام صاحبؒ کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا تھا۔

ابوبکر بن ابی مقاتلؒ ابوبکر بن ابی مقاتل بہت بڑے فقیہ تھے، اُنکے معاصرین بھی ان کا احترام کرتے تھے اور اُن کے پایۂ فضل وکمال کو تسلیم کرتے تھے۔ یہ ابن جریر طبریؒ کے استاد تھے، امام محمدؒ کے حلقۂ درس سے انہوں نے بھی پورا استفادہ کیا تھا۔

اسد بن فراتؒ اسد بن فرات القیروانیؒ کے پایۂ فضل وکمال اور علم و معرفت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ سحنونؒ کے استاذ تھے! امام مالکؒ کے فقہی مذہب کی تدوین میں بھی انہوں نے بڑا حصّہ لیا تھا، انہیں امام محمدؒ کی شاگردی پر فخر تھا۔

محمد بن مقاتلؒ محمد بن مقاتل الرازیؒ ابن جریر طبریؒ کے استاذ تھے اور اپنے زمانہ کے مانے ہوئے فقیہ اور مجتہد تھے، امام محمدؒ کے حلقۂ درس میں بیٹھ کر علم و آگہی کا یہ منصب بلند انہوں نے حاصل کیا تھا۔

یحییٰ بن معینؒ یحییٰ بن معین الغطفانیؒ فنِ جرح و تعدیل کے امام ہمام تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اسماء الرجال کی کتابیں اُن کی دقّتِ نظر، وسعتِ علم اور

Marfat.com

فکرِ بیباک کی ترجمان ہیں، علمائے حدیث ان کی رائے کے آگے سر جھکاتے ہیں اور اُن کے فیصلوں کو بے چون وچرا تسلیم کر لیتے ہیں۔ راویانِ حدیث کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کے متعلق انہوں نے جو فیصلہ کر دیا ہے وہ سند کی حیثیت رکھتا ہے اور اسے عام طور پر بلا حیل وحجت تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ امام یحیٰی بن معین بھی اُن لوگوں میں تھے جنہوں نے امام محمدؒ کی بارگاہِ علم میں بیٹھ کر کسبِ فیض کیا تھا۔

علی بن مسلمؒ علی بن مسلم طوسیؒ کا شمار بھی امام محمدؒ کے اصحاب وتلامذہ میں تھا۔

موسیٰ بن نصرؒ موسیٰ بن نصر الرازیؒ بھی باہمہ جلالتِ شان امام محمدؒ کے شاگردوں میں شامل تھے۔

شدّاد بن حکیمؒ شدّاد بن حکیم البلخیؒ اپنے زمانہ میں فقہ کے مانے ہوئے امام اور مجتہد تھے لیکن اپنے فن میں امامت اور اجتہاد کا یہ درجہ صاحبِ موصوف نے جس درسگاہ سے حاصل کیا تھا وہ امام محمدؒ کی درسگاہ تھی۔

حسن بن حربؒ امام صاحبؒ کے شاگردوں میں حسن بن حرب الرقیؒ کا بھی شمار تھا جن کے علم وفضل اور پایۂ عرفان وآگہی کا اہلِ علم کے حلقوں میں چرچا رہتا تھا۔

ابنِ جبلہؒ ابن جبلہ بھی امام محمدؒ کے دامنِ تربیت سے بہرہ ور ہو کر دنیائے علم میں آفتاب بن کر چمکے تھے۔

ابو العباس حمیدؒ ابو العباس حمیدؒ کے تفقہ اور عرفان کا تمام اکابر ومعاصر لوہا مانتے تھے، یہ بھی امام محمدؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔

ابو التوبہؒ ابو التوبہ ربیع بن نافع الحلبیؒ باہمہ فضل وکمال اس بات پر نازاں تھے کہ وہ امام محمدؒ کے شاگرد ہیں اور ان کے حلقۂ درس میں بیٹھ کر کسبِ فیض کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔

Marfat.com

عبیداللہ بن ابی حنیفہؒ عبیداللہ بن ابی حنیفہ دبوسیؒ کے لیے یہ فخر بس کرتا تھا کہ اُن کا شمار امام محمدؒ کے اصحاب میں ہوتا ہے۔

ابو بریدؒ ابو برید عمرو بن یزید الجرمیؒ بھی اس پر نازاں تھے کہ امام محمدؒ نے ان کی علمی تربیت میں حصہ لیا اور ان کے حلقۂ درس میں بیٹھ کر علم فقہ کے اسرار و رموز سے وہ (ابو برید) واقف ہوئے۔

مصعب بن عبداللہؒ مصعب بن عبداللہ الزبیریؒ کے علم وسیع اور فکرِ عمیق کے اعتراف جس طرح ان کے شاگردوں کو ہے اسی طرح ان کے اقران و اماثل کو بھی ہے، لیکن مصعبؒ کو اس پر فخر تھا کہ انہوں نے امام محمدؒ کی بارگاہِ علم میں بیٹھ کر وہ کچھ سیکھ لیا جو کہیں اور نہ ملا، انہوں نے اسی حلقۂ امام محمدؒ میں ملکۂ اجتہاد حاصل کیا اور فقہ کی باریکیوں پر عبور پیدا کیا، یہیں ان کی ذہنی تربیت ہوئی اور یہیں انہوں نے علم کا صحیح استعمال سیکھا۔

ایوب بن حسنؒ آپ نیشاپور کے رہنے والے تھے، حصولِ علم کے لیے یہ مختلف زاویوں اور حلقوں میں پہنچے اور جہاں سے جو ملا اُسے شوق و عقیدت سے حاصل کیا، لیکن اُن کی تشنگی کا مکمل علاج امام محمدؒ کے حلقۂ فیض ہی سے ہوا۔

خلف بن ایوبؒ خلف بن ایوب بلخیؒ کا مانے ہوئے اصحابِ علم میں شمار ہوتا تھا، یہ بھی امام محمدؒ کے شاگرد تھے۔

علی بن صبیحؒ امام محمدؒ کے شاگردوں میں علی بن صبیحؒ بھی ہیں جن کے فضل و کمال کا شہرہ دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا اور جن کے تفقہ کی دھوم تھی۔

عقیل بن عنبسہؒ یہ بھی امام محمدؒ کے شاگرد تھے اور ان کی جلالتِ علم کا اعتراف ہر شخص کو تھا۔

علی بن مہرانؒ یہ بھی امام صاحبؒ کے یگانۂ روزگار شاگردوں میں سے تھے۔

عمرو بن مہیرؒ ان کے ذوقِ تحقیق اور مرتبۂ فضل و کمال کو سب مانتے ہیں، ایک عرصہ تک یہ بھی امام محمدؒ کے حلقۂ درس میں شریک رہے۔

Marfat.com

یحییٰ بن اکثمؒ فقہ وحدیث کا کون طالب علم ہے جو یحییٰ بن اکثمؒ کے نام نامی واسمِ گرامی ان کے علمی مرتبہ اور فقہی پایہ سے واقف نہ ہو؟ انہوں نے بھی امام محمدؒ سے بہت کچھ حاصل کیا اور اس پر مفتخر بھی رہے۔

ابوعبدالرحمنؒ ابوعبدالرحمن المؤدبؒ جو آلِ شعیب کے تادیب کنندہ بھی تھے۔ امام محمدؒ کے شاگردانِ با اختصاص میں ایک خاص درجہ رکھتے تھے۔

علی بن حسنؒ علی بن حسن الرازیؒ امام محمدؒ کے نمایاں اور ممتاز اصحاب میں سے تھے۔

ہشام بن عبیداللہؒ ہشام بن عبیداللہ الرازیؒ کا علم وتفقہ رہینِ منت تھا امام محمدؒ کا۔

ابوجعفرؒ ابوجعفر احمد بن محمد بن مہران النسویؒ نے مؤطا کی روایت امام صاحبؒ ہی سے کی۔

شعیب بن سلیمانؒ شعیب بن سلیمان الکیسانیؒ نے امام صاحبؒ سے جو روایتیں کیں وہ "کیسانیات" کے نام سے مشہور ومعروفِ انام ہیں۔ اہلِ علم کے طبقہ میں انہیں غیر معمولی تفوق حاصل ہے۔ اصحابِ امام محمدؒ میں یہ بڑے بلند مرتبہ مانے جاتے ہیں۔

علی بن صالحؒ علی بن صالح الجرجانیؒ نے امام محمدؒ سے جو روایتیں کی ہیں "جرجانیات" کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔

اسماعیل بن توبہؒ اسماعیل بن توبہ القزوینیؒ نے امام محمدؒ سے "السیر الکبیر" کی روایت کی ہے۔

ابوبکر ابراہیمؒ ابوبکر ابراہیم بن رستم المروزیؒ نے امام محمدؒ سے جو روایتیں کی ہیں "النوادر" کے نام سے طبقاتِ اہلِ علم میں معروف ہیں۔

ابوزکریاؒ ابوزکریا یحییٰ بن صالح الوحاظی الحمصیؒ، امام بخاریؒ کے شامی اساتذہ میں سے ہیں لیکن یہ بھی امام محمدؒ کے حلقۂ درس وفیض سے مستفید ہو چکے ہیں، انکے

Marfat.com

تعارف کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ امام بخاریؒ کے شیخ تھے۔

ابو موسیٰؒ ابو موسیٰ عیسیٰ بن ابان البصریؒ نے امام محمدؒ سے جو روایتیں کیں وہ "الحجج علیٰ اھل المدینہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ ابو موسیٰؒ نے کئی کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں خاص اور اہم کتب یہ ہیں :۔

(۱) الحجج الکبیر (۲) الحجج الصغیر (۳) کتاب الرد علی المریسی والشافعی فی شروط قبولِ الاخبار۔

سفیان بن سحبانؒ "کتاب العلل" اور دوسری بلند مرتبت کتابوں کے مصنف سفیان بن سحبان البصریؒ بھی اصحاب امام محمدؒ میں سے تھے۔

محمد بن عمر واقدیؒ محمد بن عمر واقدیؒ نے بھی امام محمدؒ سے روایت کی ہے ، خود امام صاحبؒ نے بھی واقدیؒ سے روایت کی ہے ان کی روایتِ یک دیگر اقران و معاصرین میں عام اور معروف تھی۔

صفحاتِ بالا میں امام صاحبؒ کے اصحاب و تلامذہ میں سے جن چند سربرآوردہ شخصیتوں کا ذکر ہم نے کیا ہے ان سے با آسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام صاحبؒ کا حلقۂ درس و فیض کتنا وسیع تھا[1]

امام محمدؒ کا درسِ "مؤطا" اور طلبہ کا ازدحام اہلِ عراق میں غالباً حضرت امام محمدؒ پہلے شخص تھے جنہوں نے مدینہ منورہ میں تین برس تک رہ کر امام مالکؒ اور دوسرے شیوخِ مدینہ سے استفادہ اور کسبِ فیض کیا اور اُن کی مرویات کا ایک بڑا سرمایہ اپنے ساتھ عراق لائے اور اس زمانہ میں متعدد وجوہ کی بنا پر امام مالکؒ کی مرویات کو شہرت و امتیاز اور خصوصیت حاصل تھی، اس لیے امام محمدؒ نے بھی عراق میں ان کی روایتوں کا مستقل درس قائم کیا اور اس کے لیے ہفتہ میں ایک دن متعین کر دیا تاکہ وہ لوگ جو امام دارالہجرت کے پاس بذاتِ خود پہنچ کر

---

[1] بلوغ الامانی ص ۱۰۹

Marfat.com

استفادہ نہیں کر سکتے تھے وہ اُن کی مرویات سے مستفیض ہو سکیں۔ چنانچہ جس روز امام محمدؒ امام مالکؒ کی روایات کی تحدیث اور تدریس کرتے تھے اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ مجلس میں جگہ ناکافی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام محمدؒ نے حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اصحاب کے بارے میں کتنے بُرے ہو اور تم سے بڑھ کر اپنے اکابر اور مشائخ کا ناقدرشناس میں نے کسی کو نہیں دیکھا[1] جب میں تم سے امام مالکؒ کی مرویات بیان کرتا ہوں تو تمہارا ٹھٹھ کا ٹھٹھ لگ جاتا ہے، اور جب میں تم سے تمہارے اکابر کی مرویات بیان کرتا ہوں تو بادلِ نخواستہ شریک ہوتے ہو، صاف معلوم ہوتا ہے کہ بے ادبی سے آئے ہو[2]

امام محمدؒ "موطا" کا درس دیتے تو ہجوم سے راستے بند ہو جاتے

امام مالکؒ کی وفات کے بعد جب ان سے براہِ راست سماعِ حدیث کی امید منقطع ہو گئی تو یہ مجمع اور زیادہ بڑھنے لگا، اسد بن فراتؒ نے سفرِ عراق کے حالات بیان کیے پھر امام محمدؒ کے درسِ مؤطا کی کیفیت بھی بیان فرمائی ہے

---

[1] ذہبیؒ کے علاوہ ابن عدیؒ نے "کامل" میں اور ابن عبدالبرؒ نے "الانتقاء" میں بھی اس قسم کی روایتیں نقل کی ہیں، مگر یاد رہے کہ اس قسم کی روایات سے کوئی مخالفانہ یا معاندانہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ ائمہ عراق کی حدیثوں سے سارا عراق واقف اور آشنا تھا، وہ انہیں بار بار اور اچھی طرح سُن چکے تھے، پڑھ چکے تھے، وہ ان کے گھر کی چیز بن چکی تھی لہٰذا تجدید سماعت سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ لینا عین مقتضائے طبیعت اور موافق فطرت تھا۔ لیکن حضرت امام مالکؒ کی حدیثیں اور وہ بھی امام محمدؒ کی زبان سے غیر معمولی کشش اور رغبت کا سبب تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ایسے مواقع پر لوگ ٹوٹ پڑتے تھے اور ٹھٹھ کا ٹھٹھ لگ جاتا تھا۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ امام مالکؒ کے سفرِ آخرت نے اور بُعدِ مقام نے نہیں اور زیادہ تو جہ طلب بنا دیا تھا۔ اگر امام مالکؒ زندہ ہوتے اور اتنی دور بھی نہ ہوتے تو یہ کیفیت ہرگز نہ ہوتی، غم جب تازہ ہوتا ہے اور جس کا غم ہو وہ قریب بھی نہ ہو دور ہو تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے ــــ امام مالکؒ کی حدیثوں کی طرف اہلِ عراق کی رغبت و ازدحام اور حدیثِ علماءِ عراق سے کم رغبتی کا اصل راز یہی تھا کیونکہ امام محمدؒ موجود تھے اور پاس تھے اور ان سے ہر وقت سماعت ممکن تھی۔

[2] مناقب الامام ابی حنیفہؒ وصاحبیہ للذہبیؒ ص ۵۰

Marfat.com

اور جب امام محمدؒ کے درس میں کسی نے امام مالکؒ کی وفات کی خبر دی، اس مجلس اور اس کے بعد کے درس کی کیفیت بھی بیان فرمائی، چنانچہ ان سے روایت ہے کہ :۔

ـــــ ہم لوگ حضرت امام محمدؒ کی خدمت میں حاضر تھے اور اُن کا حلقۂ درس زوروں پر تھا کہ ایک شخص کودتا اور لوگوں کو پھلانگتا ہوا تیزی سے امام محمدؒ کے پاس پہنچا اور اس نے امام محمدؒ سے آہستہ سے کچھ کہا، اس کا پیغام سننے کے بعد امام محمدؒ نے بآوازِ بلند اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا اور فرمایا افسوس ہے وہ مصیبت ہم پر ٹوٹ پڑی ہے جس سے بڑی کوئی اور مصیبت نہیں ہو سکتی، امیر المؤمنین فی الحدیث امام مالکؒ اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ یہ الفاظ دوسرے لوگوں نے بھی سُنے، مجلس پر سناٹا چھا گیا اور لوگوں پر حُزن والم اور غم و صدمہ کی کیفیت طاری ہوگئی، اور یہ خبر بہت جلد عام ہوگئی اور تمام لوگوں کو اس کا صدمہ ہوا۔ اسد بن فراتؒ کا بیان ہے کہ اس کے بعد حالت یہ ہوگئی کہ امام محمدؒ، امام مالکؒ سے سُنی ہوئی حدیثوں کی جب روایت کرتے تو لوگ انبوہ در انبوہ جمع ہو جاتے اور لوگوں کی اس قدر بھیڑ ہو جاتی کہ دوسروں کے لیے راستہ چلنا بھی دشوار ہو جاتا اس لیے کہ امام مالکؒ کی حدیثوں اور مرویات سے لوگوں کی رغبت اور شغف میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا۔[1] ـــــ

رات کے وقت مجلسِ درس کا اہتمام

امام محمدؒ دن کے علاوہ رات کے وقت بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے تھے لیکن یہ درس عام نہیں ہوتا تھا بلکہ جو طلبہ دُور دراز سے خاص ذوق لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے پاس وقت کم ہوتا تھا تو ان کے لیے امام محمدؒ رات کے وقت مجلسِ درس مُنعقد کرتے تھے ـــــ چنانچہ اسد بن فراتؒ مدینہ منورہ سے عراق آئے اور یہاں آکر فقہاءِ حنفیہ بالخصوص امام محمدؒ سے وابستہ ہو گئے اور جلد ہی ان سے اختصاص اور قرب و خدمت کا مقام حاصل کر لیا۔ ایک موقع پر انہوں نے امام محمدؒ سے عرض کیا حضرت! میں ایک غریب الدیار مسافر طالب علم ہوں علم نفقہ تھوڑا ہے یہاں اس کا [illegible] دیا ارشاد ہوا

---

[1] بلوغ الامانی ص ۱۵، ۱۶

اور وہ بھی کسی اور سے نہیں صرف آپ سے، اور آپ کا تدریسی اور تعلیمی حال یہ ہے کہ ہر وقت عراقی طلبہ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں میرے لیے تو استفادہ مشکل ہے، امام محمدؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا: "دن کے وقت تم عام عراقی طلبہ کے ساتھ میرے حلقۂ درس میں سماع کیا کرو، باقی رہی رات تو وہ ساری کی ساری آپ کے لیے وقف کیے دیتا ہوں، شب کو میرے گھر پر رہا کرو میں تمہاری ساری کسر پوری کر دوں گا۔"[1]

رات کے درس میں بعض تلامذہ پر اونگھتے وقت پانی چھڑکنے کا اہتمام

اسد بن فراتؒ کا بیان ہے کہ امام محمدؒ کی اس شفقت نے مجھے حصولِ علم اور استفادہ و کسبِ فیض کا بہترین موقع مرحمت فرمایا صرف یہ نہیں کہ امام محمدؒ رات کو مجھے خصوصیت سے پڑھایا کرتے تھے بلکہ جب میں نے امام محمدؒ کے ہاں شب باشی شروع کر دی اور میں روزانہ رات کے وقت اُن کے ہاں چلا جایا کرتا تھا تو وہ اپنے بالاخانہ سے مجھے پڑھانے کے لیے جب اترتے تو پانی کا ایک پیالہ بھی ساتھ لاتے جو پانی سے لبالب بھرا ہوتا، اور قرأت و درس کا سلسلہ شروع کر دیتے جب رات زیادہ گذر جاتی اور میں اُونگھنے لگتا یا غنودگی طاری ہونے لگتی تو وہ پیالے سے پانی کا چلو لے کر مجھ پر چھڑک دیتے میں فوراً ہوشیار اور بیدار ہو جاتا اور پھر وہ سلسلۂ درس شروع کر دیتے، پھر جب مجھے اونگھ ستاتی یا غنودگی طاری ہوتی تو پھر وہ ایسا ہی کرتے، ایک عرصہ تک ہم دونوں کا یہ معمول رہا یہاں تک کہ میں نے گوہرِ مقصود حاصل کر لیا اور جو کچھ امام محمدؒ سے سیکھنا چاہتا تھا وہ سیکھ لیا۔[2]

اسد بن فراتؒ کے علاوہ امام محمدؒ نے امام شافعیؒ اور ابو عبیدؒ کے لیے بھی رات کو مخصوص طور پر وقت نکالا تھا۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ امام محمدؒ اپنے تلامذہ کے وقت کو کس قدر عزیز رکھتے تھے اور ان کے افادہ کے لیے کتنی مشقتیں برداشت کرتے تھے۔

تعلیم البنات کا اہتمام

کبھی کبھی امام محمدؒ کے پاس عورتیں بھی استفادہ کے لیے آیا کرتی تھیں، ان کے لیے بھی امام محمدؒ نے خصوصیت سے

---

[1] معالم الایمان جلد ۲ ص ۴ [2] ایضاً

Marfat.com

تعلیم و تدریس کا اہتمام کیا تھا۔ پردہ، عفت اور حیا محفوظ رہتی۔ کسی کے تصور میں بھی نہ آتا کہ یہاں عورتیں بھی پڑھنے آتی ہیں۔ آپ نے خصوصی انتظامات کے ساتھ ان کی تعلیم کیلئے رات کا وقت رکھا تھا۔

محمد بن سماعہؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ دس رومی لونڈیاں انشاء اور عربیت میں ماہر ہو کر (غالباً فقہ میں) ان سے استفادہ کے لیے آئی تھیں اور آپ نے اُن کے لیے تعلیم و تدریس کا خصوصی انتظام کیا تھا۔[۱]

کردریؒ نے بھی غالباً اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے دس رومیات (یورپین) عورتوں کو جو شرعی کنیز ہونے کی حیثیت رکھتی تھیں عربی زبان اور کتابت کی تعلیم دی تھی جو ان کی تدوین و ترتیب اور تحقیق و تحریر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔[۲]

تلامذہ کے ساتھ حسن سلوک اور مالی معاونت

تلامذہ کے ساتھ امام محمدؒ کا حسن تلطف اور حسن سلوک صرف درس و تدریس، وقت کی قربانی، تفہیم و تشریح میں تعب و مشقت اور وقت کا ایثار و قربانی یا دن کی محنت کے ساتھ ساتھ شب بیداری کے اہتمام تک محدود نہ تھا بلکہ روپیہ پیسہ، انفاق، مالی امداد اور اس سلسلہ میں طلبہ کی سرپرستی میں ان کا یہ وصف اور زیادہ نمایاں ہو جاتا تھا۔ خارج اوقات میں تدریس اور طلبہ کی علمی پیاس بجھانے کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ جب انہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ اس طالب علم کی جیب خالی ہو چکی ہے اور اس کے پاس جو کچھ تھا وہ خرچ کر چکا ہے تو انہوں نے ایسے شائق اور لائق تلامذہ کی مالی مدد کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اور ایسے واقعات اور معاملات اسد بن فراتؒ نے زیادہ ظاہر کیے ہیں۔ عام معاونت اور یومیہ تعاون کے علاوہ بعض اوقات بھرپور مدد بھی کر ڈالتے تھے۔

---

[۱] سیر الصحابہ جلد ۸ ص ۱۵۹ [۲] مناقب کردری

Marfat.com

اسد بن فراتؒ سے مالی معاونت

چنانچہ ایک مرتبہ امام محمدؒ نے اسد بن فراتؒ کو دیکھا کہ وہ حلقۂ درس میں بیٹھے ہیں، ناگاہ سبیل لگانے والے کی آواز آئی تو اسد بن فراتؒ جلدی سے اٹھ کر گئے اور پانی پی کر واپس حلقۂ درس میں آبیٹھے، اس پر امام محمدؒ نے پوچھا مغربی! تم سبیل کا پانی پیتے ہو؟ اسدؒ نے عرض کیا خدا آپ کو فلاح دے میں تو ابن السبیل ہوں۔ تو امام محمدؒ سمجھ گئے کہ ان کے پاس خرچہ ختم ہو گیا ہے تو رات کے وقت خادم کے ذریعہ ان کی خدمت میں اسّی دینار (سونے کے موجودہ بھاؤ کے اعتبار سے) یکمشت بھجوا کر ان کی مدد کی اور ان کی مشکلات رفع کرنے میں حصہ لیا۔[1] صرف یہ نہیں بلکہ حصولِ علم کے بعد جب اسد بن فراتؒ واپس جانے لگے تو یہ دیکھ کر کہ ان کے پاس زادِ راہ کے طور پر کچھ نہیں ہے، تو پھر حسبِ ضرورت اور حسبِ دلخواہ ان کی بھرپور مدد کی۔

ائمۂ علم میں سے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے امام محمدؒ سے زیادہ اپنے شاگردوں سے زیادہ حُسنِ سلوک کیا ہو، ان کی مالی دشواریاں رفع کی ہوں اور خود تکلیف اٹھا کر انہیں راحت پہنچائی ہو اور پیشانی پر بل بھی نہ آنے دیا ہو اور یہ سارے کام اس طرح انجام دیئے ہوں جیسے ان سے بڑھ کر لطف و لذت کسی اور کام میں ہے ہی نہیں۔

امام شافعیؒ سے تعلقِ خاطر اور مالی معاونت

امام شافعیؒ بھی امام محمدؒ کے تلمیذ ہیں اور ان کی کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اسد بن فراتؒ کی طرح امام شافعیؒ کے لیے بھی رات کے درس کا اہتمام کیا گیا تھا۔ درسی تعلیمی اور تربیتی شفقتوں کے ساتھ ساتھ امام شافعیؒ امام محمدؒ کی مالی معاونت میں بھی اپنا استحقاق پیدا کر چکے تھے۔

امام محمدؒ کا برتاؤ اپنے تلامذہ اور شاگردوں سے عام طور پر اور شاگردِ رشید امام شافعیؒ سے خاص طور پر انتہائی شفقت، محبت، رحم و کرم، رافت و مروت، بذل و عطا اور جود و سخا کا

---

[1] معالم الایمان فی تاریخ القیروان جلد ۲ ص ۵

Marfat.com

تعلق تھا وہ اپنے شاگردوں کی تکلیف دیکھ ہی نہیں سکتے تھے، خود دُکھ اٹھاتے تھے انہیں سکھ پہنچاتے تھے، خود تکلیف برداشت کرتے تھے ان کے لیے سامانِ راحت مہیا کرتے تھے، اپنی حاجات و ضروریات روک کر ان کے لیے اپنا مال و دولت بے دریغ خرچ کر ڈالتے تھے۔

امام محمدؒ اپنے جودوسخا کو پوشیدہ رکھتے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی اور کو جُودوسخا کا علم ہو، یہ بات صرف وہی جانتے تھے جو اُن کے زیرِ بار احسان رہتے تھے۔ امام محمدؒ کی دادودہش، بذل و عطا اور جُودوسخا سے متعلق بہت سی روایتیں کتب تاریخ میں مرقوم ہیں، سب پر خاص کر تلامذہ پر بے دریغ خرچ کرتے تھے اور امام شافعیؒ کی تو بہت زیادہ مالی مدد انہوں نے کی تھی مگر یہ بات انہیں گوارا نہ تھی کہ لوگ انہیں امورِ خیر میں خرچ کرتا دیکھیں، اس بات کو وہ زیادہ چشمِ مردم سے پنہاں رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

ذہبیؒ نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ ابو عبیدؒ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میں امام شافعیؒ سے اُس وقت ملا جب وہ امام محمدؒ کے حضور میں حاضر تھے، امام محمدؒ نے انہیں پچاس دینار دیئے اور اس سے پہلے بھی وہ انہیں پچاس درہم دے چکے تھے، اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر واقعی تم علم کے جویا ہو تو بس اس سے چمٹے رہو اس کا دامن چھوڑو نہیں۔ ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کو کہتے ہوئے سُنا ہے: "کہ میں نے محمد بن حسنؒ سے بہت کچھ سُنا اور لکھا ہے۔"

ابن سماعہؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام محمدؒ نے اپنے اصحاب اور تلامذہ سے تقریباً ایک ہزار درہم بطور چندہ جمع کیے اور یہ رقم امام شافعیؒ کو مختلف وقفوں میں دے دی گئی[1]

عراق کے زمانہ قیام میں ایک بار امام شافعیؒ قرض نہ ادا کر سکے تو اس سلسلہ میں گرفتار ہو کر نظر بند کر دیئے گئے، امام محمدؒ کو معلوم ہوا تو قرض خواہ کا قرض ادا کر کے انہیں رہا کرا دیا[2]

---

[1] جواہر مضیئہ جلد ۲ ص ۴۵ [2] مناقب کردری

Marfat.com

امام محمدؒ احسان و معاونت کے باوجود سائل رہتے تھے

امام محمدؒ دوسروں کے ساتھ حسنِ تلطف اور حسنِ سلوک کے وقت نہ تو احسان جتلاتے تھے اور نہ خود کو محسن تصور کرتے تھے بلکہ احسان ان کا ہوتا تھا جو امام محمدؒ کے حسنِ سلوک اور مالی معاونت کو قبول کر لیتا تھا حسنِ مروت اور حسنِ سلوک کے موقع پر وہ گویا کہ اس مصرعہ کا مصداق ہوا کرتے تھے ؏

کانك تعطيه الذی انت سائله

(ترجمہ) "جب تم کسی کو کچھ دیتے ہو تو اس کے سامنے (اپنی عاجزی اور کسرِ نفسی کی وجہ سے) ایسے معلوم ہوتے ہو کہ گویا تم خود ان سے مانگ رہے ہو۔"

امام محمدؒ کی سفارش سے امام شافعیؒ کی جان بخشی ہوئی

ہارون رشید کے دورِ حکومت میں امام شافعیؒ گرفتار ہوئے تو بعض مبغضین و حاسدین نے اس سلسلہ میں امام محمدؒ کو موردِ الزام ٹھہرانے کی کوشش کی اور یہ افسانہ تراشا کہ امام محمدؒ نے ہارون رشید کے دربار میں امام شافعیؒ کی شکایت کی ہو گی ـــــ ہم ذیل میں اس سلسلہ کا ایک دلچسپ واقعہ نقل کر دیتے ہیں جس سے اس قسم کے قصوں کی افسانوی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

ابن عماد حنبلیؒ حافظ ابن عبد البرؒ سے امام شافعیؒ کے تذکرہ میں نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام شافعیؒ علوی خاندان کے نو اشخاص کے ساتھ گرفتار کر کے بغداد لائے گئے، ہارون رشید اس وقت مقام رقہ میں تھا اس لیے یہ لوگ بغداد سے رقہ میں آئے اور ہارون کے سامنے پیش کیے گئے وہاں رقہ کے قاضی امام محمد بن الحسنؒ موجود تھے، یہ امام شافعیؒ کے مشفق استاذ اور محب تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ ہارون کے خلاف طعن کے الزام میں گرفتار ہو کر آ رہے ہیں تو بہت بے چین ہوئے کہ کیا کریں اور برابر اس کے منتظر رہے کہ یہ لوگ کب پیش ہوتے ہیں۔ پیشی کے بعد اور لوگ تو قتل کر دیئے گئے ایک علوی نوجوان اور امام شافعیؒ بچ گئے۔ جب اس نوجوان کی باری آئی تو اس نے کہا کہ میں

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا دعویٰ کرتا۔ لیکن اس کے بھی قتل کا حکم دے دیا گیا، اس نے کہا اگر آپ مجھے قتل ہی کرتے ہیں تو ذرا اتنی مہلت دیجئے کہ میں اپنی بوڑھی ماں کو خط لکھ دوں، اسے میرے حال کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ آخر اس کے بھی قتل کا حکم دے دیا گیا اس کے بعد پھر میرا نمبر آیا، مجھ سے بھی ہارون نے وہی بات دریافت کی جو اس علوی سے دریافت کی تھی۔ میں نے کہا اے امیرالمومنین! میں تو علوی نہیں ہوں، زبردستی ان کے ساتھ گرفتار کر کے لایا گیا ہوں، میں بنی عبدالمطلب میں سے ہوں اور اسی کے ساتھ کچھ علم میں بھی شُد بُد رکھتا ہوں، آپ کے یہ قاضی صاحب بھی ان سب باتوں سے واقف ہیں۔ ہارون رشید نے کہا اچھا! آپ محمد بن ادریسؒ ہیں؟ میں نے کہا اے امیرالمومنین جی ہاں! اس نے کہا محمد بن الحسنؒ نے مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے بعد محمد بن الحسنؒ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے محمدؒ! یہ کیا کہتے ہیں، کیا واقعہ یونہی ہے؟ انہوں نے کہا بے شک ایسا ہی ہے اور یہ بھی کہ علم کے باب میں ان کا پایہ بہت بلند ہے، جو شکایت ان کی کی گئی ہے ان کی شان سے بہت دور ہے۔ اس نے کہا اچھا اب تو آپ انہیں ہمراہ لیتے جائیے میں ان کے معاملہ میں ذرا غور کر لوں۔ امام محمدؒ مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور اس طرح وہی میری گلو خلاصی کا سبب ہوئے۔

اب اس قدر واضح تاریخی شہادت کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ امام محمدؒ نے ہارون رشید کے دربار میں ان کی خود شکایت کی ہوگی۔[۱]

امام شافعیؒ پر خصوصی نظر

امام محمدؒ کو اپنے دیگر لائق تلامذہ کی طرح امام شافعیؒ سے بھی خاص الخاص تعلق خاطر تھا وہ جب بھی امام محمدؒ سے ملنے آتے تو آپ اپنے ضروری کام از مشاغل چھوڑ کر ہمہ تن ان کی طرف متوجہ ہو جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امام محمدؒ کسی ضرورت سے دار الخلافہ جانے کے لیے اپنی تیاری مکمل کر چکے تھے کہ اچانک امام شافعیؒ آ گئے تو انہوں نے دار الخلافہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور پورے

---

[۱] ترجمان السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵۲

Marfat.com

دن امام محمدؒ ان کے ساتھ مشغول رہے[1]

امام محمدؒ کے احسانات سے بڑھ کر مجھ پر کسی کا احسان نہیں

امام شافعیؒ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے تحصیلِ علم کے بعد یمن گئے اور یہاں عباسی حکومت کے خلاف علویوں سے سازباز کے الزام میں گرفتار کر لیے گئے اور عراق لائے گئے، یہ واقعہ ۱۸۴ھ کا ہے، پھر یہ الزام رفع ہوا اور بری ہو گئے تو دوبارہ علم کی طرف متوجہ ہوئے اور امام محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دامنِ علم سے وابستہ ہو گئے اور پوری یکسوئی اور انہماک کے ساتھ ان سے علمِ فقہ حاصل کرنے لگے۔ اس محنت و ریاضت، ذوق و شوق اور جوشِ کار نے ان کی صلاحیت کو اجاگر کیا، استعداد پختہ ہو گئی اور جانفشانی کی بدولت جلد انہیں رفعت و منزلت کا مقام حاصل کر لیا۔ امام محمدؒ نے ان کی صلاحیتوں کو دیکھ کر ان سے تعلق خاطر بڑھا دیا اور وہ یہاں تک کہ ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے ان کی خدمت میں ایک منظوم عریضہ لکھا ۔

قل لمن لم ترعینی مثلہ

من رآہ قد رأى من قبلہ

العلم یتھى اھلہ ان یمنعوہ اھلہ

لعلہ یبذلہ لاھلہ لعلہ

(ترجمہ) "آپ ان سے فرمادیں جن کی مثل آج تک میری آنکھ نے نہیں دیکھی وہ تو ایسی عظیم شخصیت ہیں جس نے بھی انہیں دیکھا گویا کہ ان سے پہلے کے تمام اسلاف کو دیکھ لیا۔

علم اہل علم کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ علم کو اہلیت والوں سے روکے رکھیں، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ علم کی تقسیم اور اضافہ کریں اور وہ صحیح معنوں میں اہلیت والوں کے پاس پہنچ جائے۔"

مقصد یہ تھا کہ اپنی گرانقدر تالیفات کچھ مدت کے لیے عاریۃً بھیجدیں تاکہ ان سے نقل کی جا سکے، تو امام محمدؒ نے بغیر کسی تردد کے بڑی مسرت سے وہ کتابیں ان کی خدمت میں بجائے عاریۃً کے ہدیۃً بھیجدیں[2]

---

[1] مناقب کردری ص۴۲۲ [2] ایضاً

Marfat.com

یہ وہ دور تھا جب کتابت وطباعت اور اشاعت وحفاظت اور نسخوں کی کثرت کے موجودہ مروجہ طریقے رائج نہیں ہوئے تھے، کسی کو کوئی کتاب ہدیتہً دے دینا موجودہ دور کی مطبوعہ کتابوں کا ایک بڑا کتب خانہ دینے سے زیادہ مشکل کام تھا۔

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام شافعیؒ نے امام مالکؒ کی زیارت کی تھی وکیعؒ اور ابنِ عُیینہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے مگر اپنے اشعار میں انہوں نے امام محمدؒ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے، نیز امام شافعیؒ ان شعراء کی طرح بھی نہ تھے جو آمدِ سخن میں جھوٹی سچی ہر طرح کی بات کہہ جاتے ہیں، مبالغہ جن کا شعار ہوتا ہے جو اپنے الفاظ کا وزن محسوس کیے بغیر جو چاہتے ہیں کہہ جاتے ہیں، امام شافعیؒ تو ان لوگوں میں سے تھے جو تول کر بات کرتے ہیں، وہی کہتے ہیں جو اُن کے دل میں ہوتا ہے نہ وہ جھوٹ بولتے ہیں نہ مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں، جن کے قلب وزبان میں پوری ہم آہنگی اور یکسانیت ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ کی اس حیثیت اور واقعیت کے پیشِ نظر ان اشعار کی وُقعت اور بھی بڑھ جاتی ہے جو انہوں نے امام محمدؒ کو منظوم خط میں لکھے تھے۔

بہرحال امام محمدؒ کی ان شفقتوں، عنایات، توجہات اور خصوصی تعاون و تعلقات اور احسانات کی بناء پر امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے:

ليس لاحد على منة فى العلم واسباب الدنيا ما لمحمدؒ على[1]	علم اور دنیاوی اسباب کے سلسلہ میں مجھ پر امام محمدؒ کا جتنا احسان ہے اتنا کسی دوسرے کا نہیں۔

شوافعؒ پر واجب ہے

انہی احسانات اور امام شافعیؒ کی خصوصی تربیت کے پیشِ نظر ابن عبدالبرؒ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت تک کیلئے ہر شافعی المسلک پر واجب ہے کہ وہ امام محمدؒ کا ممنون رہے اور ان کی مغفرت کی دُعا کرتا رہے[2]

---

[1] مناقب کردری ص ۱۴۳ [2] شذرات الذہب جلد ۲

Marfat.com

امام محمدؒ سے امام شافعیؒ نے بارِ شتر افادات کو مرتب کیا

ابن ابی حاتم رب... سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

حملت عن محمد بن الحسن حمل بختی لیس علیہ الا سماعی۔ ؎۱

میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے محمد بن حسنؒ سے ایک بارِ شتر علم حاصل کیا یہ سارا علم سماعی تھا۔

اس بارِ شتر میں عمومی اور خاص امتیازی سماعتیں دونوں قسم کی مندرج تھیں اپنے تلامذہ کے ساتھ یہ مخصوص برتاؤ، حسنِ سلوک، امام ابو حنیفہؒ کے بعد امام محمدؒ کے سوا کسی اور امام میں نظر نہیں آتا، یہ بات انہی دونوں بزرگوں پر ختم ہو گئی ــــ صرف یہ نہیں بلکہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کے علوم کی تحصیل میں ہمہ تن توجہ کی، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ:۔

انفقت علی کتب محمد بن الحسن ستین دینارا ثم تدبرتها فوضعت الی جنب کل مسئلة حدیثا ؎۲

میں نے امام محمدؒ کی کتابوں پر ساٹھ دینار صرف کیے پھر میں نے غور و فکر کے ساتھ ان کا مطالعہ کیا اور ہر مسئلہ کے پہلو بہ پہلو کوئی حدیث بھی درج کر دی۔

امام شافعیؒ کی تاریخی شہادت

امام شافعیؒ نے قریب سے امام محمدؒ کو دیکھا اور بقول حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے کہ اگر استاذ کی لیاقت، عظمت اور اس کے علم کا اندازہ لگانا چاہو تو اس کے تلامذہ اور طلبہ کی رائے معلوم کر لو کہ انہوں نے قریب سے اپنے استاذ کو دیکھا ہوتا ہے وہی اس کی تقریر سے مطمئن ہوتے ہیں یا غیر مطمئن رہتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے جب امام محمدؒ کو قریب سے دیکھا، اس کے ساتھ قربت و معیت اور استفادہ و معاملت کا تعلق آیا تو بے اختیار یہ شہادت دی اور اسے تاریخ میں محفوظ کرا لیا کہ:۔

؎۱ بلوغ الامانی ص۲۲ و مناقب امام ابی حنیفہؒ ؎۲ ایضاً و مناقب ابی حنیفہؒ و صاحبیہ ص۴۸

Marfat.com

ما رایت اعقل ولا افقه ولا ازهد ولا اورع ولا احسن نطقاً ولا ایراداً من محمد ابن الحسن [1]

میں نے امام محمدؒ سے بڑھ کر عقلمند، فقیہ، زاہد اور متقی و پرہیزگار کوئی دوسرا نہیں پایا اور نہ ان جیسی جامع اور دلنشین گفتگو کرنے کسے دیکھا۔

ذہبیؒ اپنی کتاب میں ادریس بن یوسف القراطیسیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نے خود امام شافعیؒ کو اپنے کانوں سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ:۔

ما رایت اعلم بکتاب اللہ من محمدؒ کانہ علیہ نزل [2]

میں نے امام محمدؒ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم اور ماہر نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ کتاب انہی پر نازل ہوئی ہے۔

تدریس میں خندہ جبینی اور کشادہ روی کا مبارک وطیرہ

عام طور پر طلبہ کو اس کا اندازہ زیادہ ہوتا ہے اور تاریخی تذکروں میں بھی یہ چیز محفوظ چلی آرہی ہے کہ بعض اساتذہ طلبہ کے سوالات اور مسائل میں کریدکرنے سے گھبراتے اور چیں بجبیں ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات غضب اور غصہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے، مار دھاڑ کے بھی دلچسپ قصے نقل ہوتے آئے ہیں لیکن امام محمدؒ کی یہ خاص خصوصیت تھی کہ وہ عمیق سے عمیق سوال اور دقیق سے دقیق مسائل میں بھی ردّ و قدح کرنے سے چیں بجبیں نہیں ہوتے تھے، ان کے چہرے پر شکن نہیں آتی تھی بلکہ حد درجہ خندہ پیشانی اور کشادہ روی سے تمام سوالات کا جواب دیتے تھے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ:۔

وما ناظرت احداً الا تغیر وجھہ ما خلا محمد بن الحسن [3]

میں نے جس سے بھی کوئی مسئلہ دریافت کیا اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا لیکن محمد بن حسنؒ اس سے مستثنیٰ تھے۔

---

[1] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی ص۵۲ [2] ایضاً ص۴۹ [3] ایضاً و تاریخ بغداد جلد ۲ ص۱۷۲

Marfat.com

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے جس سے بھی کوئی دقیق مسئلہ دریافت کیا میں نے دیکھا کہ اس کی پیشانی پر شکن آ گئی لیکن امام محمدؒ کا حال اس سے جدا تھا۔

بالکل اسی طرح کی ایک روایت ابن عبدالبرؒ نے بھی نقل کی ہے، لکھتے ہیں کہ:۔

ربیع بن سلیمان نے بیان کیا کہ میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب کسی شخص سے کسی مسئلے کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا تو اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار ضرور پیدا ہوئے لیکن محمد بن حسنؒ نے سوال کا جواب دیتے وقت کبھی بھی ناگواری کا اظہار اپنے چہرے سے نہیں ہونے دیا۔[1]

امام شافعیؒ کو امام محمدؒ سے استفادہ پر فخر تھا

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب تک امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کے درس میں شرکت نہیں کی ایک فقیہ کی حیثیت سے ان کا ذکر کہیں بھی نظر نہیں آتا ـــــ واقعہ یہ ہے کہ وہ امام محمدؒ کی بارگاہ سے فقہ میں درک و کمال حاصل کرنے کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے گئے وہاں جا کر فقہ اہل حجاز کو اس روشنی میں دیکھا جو یہاں سے اپنے ساتھ لے کر گئے تھے اور اس فن میں اتنا ملکہ حاصل کر لیا کہ مرتبۂ اجتہاد پر فائز ہو گئے۔ امام محمد کے انتقال کے کئی سال بعد امام شافعیؒ عراق واپس عراق آئے، یہ واقعہ ۱۹۵ھ کا ہے اور امام محمدؒ کی وفات کو سات سال گذر چکے تھے، وہ دو سال تک عراق میں قیام پذیر رہے اور یہاں اپنے قدیم فقہی مسلک کی نشر و ترویج میں مشغول رہے یہیں انہوں نے مشہور کتاب "الحجہ" تالیف کی۔

بہرحال امام شافعیؒ کو اس بات پر فخر تھا کہ وہ امام محمدؒ کے شاگرد ہیں انہیں اس پر بھی ناز تھا کہ وہ اپنی عمر عزیز کا معقول حصہ اس رجل عظیم وجلیل کے دامن سے وابستگی میں صرف کیا ہے۔ امام شافعیؒ کا دل امام محمدؒ کی عظمت و جلالت شان سے مملو تھا ان کی نظر میں کسی اہل علم کا وہ مرتبہ نہیں تھا جو امام محمدؒ کا تھا، وہ امام محمدؒ کو صرف فقہ کا امام نہیں تسلیم کرتے تھے بلکہ انہیں حدیث میں بھی یکتا اور فہم قرآن میں بھی بے ہمتا سمجھتے تھے۔

---

[1] الانتقاء ص ۶۹

Marfat.com

امام محمدؒ کا اپنے شاگرد امام شافعیؒ کے ساتھ مباحثہ اور قدر افزائی

طلبہ اور تلامذہ سے تعلقات شفقت اور معاونت کے متعدد واقعات تذکرہ نگاروں نے لکھے ہیں جن سے امام محمدؒ کے سیرت و کردار اور احوال و سوانح کے کئی پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً امام محمدؒ طلبہ کے مباحثوں اور علمی مناظروں سے دلچسپی لیتے اور ان کی زبردست حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اپنے تلامذہ کے ساتھ ان کا طرز عمل بے حد شفقت و محبت پر مبنی تھا اور وہ انہیں آگے بڑھانے اور عروج حاصل کرنے میں زیادہ سے زیادہ مدد دیتے تھے اور ان کی کوشش تھی کہ ان کی صلاحیتیں ابھریں، ان کی اہلیتوں کا ڈنکا بجے اور ان کو زیادہ سے زیادہ فروغ اور عروج حاصل ہو۔

ابن ابی حاتمؒ نے حمیدیؒ کی روایت سے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ جس زمانہ میں امام شافعیؒ امام محمد بن الحسنؒ کی بارگاہِ فیض سے استفادہ کر رہے تھے اور ان کے دامن علم و کمال سے وابستہ تھے، اس دور کی روایت خود امام شافعیؒ کی زبانی یہ ہے کہ: میں پوری یکسوئی اور انہماک و استغراق کے ساتھ امام محمدؒ کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہتا تھا جو کچھ ان سے سنتا تھا اسی وقت لکھ لیتا تھا، ان کی تمام باتیں مجھے ازبر تھیں، درس سے فارغ ہو کر جب وہ تشریف لے جاتے تھے تو میں ان کے دوسرے اصحاب اور تلامذہ سے بعض مسائل میں مناظرہ کرنے لگتا تھا۔ ایک روز امام محمدؒ نے مجھ سے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میرے اصحاب اور بعض تلامذہ کے ساتھ مناظرہ کرتے رہتے ہو؟ میں خاموش رہا کیا جواب دیتا۔ پھر خود امام محمدؒ نے فرمایا "شاہد" اور "یمین" کے مسئلہ میں آؤ مجھ سے مناظرہ کرو۔" میں بھلا اپنے استاذ سے مناظرہ کی جرأت کہاں سے لاتا! میں نے انکار کر دیا۔[1]

---

[1] امام شافعیؒ نے اپنے استاذ امام محمدؒ سے مناظرہ کرنے سے جو انکار کر دیا تھا اسکی وجہ یہی تھی بھلا جو شاگرد اپنے استاذ کا اس درجہ ممنون کرم ہو کہ اس سے ایک بار نہیں بار بار علم حاصل کیا ہو جس پر استاذ کی شفقت اور محبت بیش از بیش رہی ہو وہ کیونکر استاذ کے سامنے خم ٹھونک کر میدانِ مناظرہ میں اتر سکتا تھا؟ پھر اس زمانہ میں یہ معمول بھی تھا کہ استاذ اور شاگرد میں مناظرہ ایک نئی اور اجنبی سی بات تھی لیکن استاذ کے حکم سے مجبور ہو کر بالآخر مناظرہ کر لینے اور مباحثہ میں حصہ لینے کا ناخوشگوار فریضہ انہوں نے انجام دے دیا۔

Marfat.com

ن انہوں نے میرے انکار کو تسلیم نہیں کیا اور اصرار کیا کہ مذکورہ مسائل میں ان سے مناظرہ کروں، آخر ان کے اصرار سے مجبور ہو کر میں نے حکم کی تعمیل کی یعنی مناظرہ شروع کر دیا پھر کیا ہوا! کوئی بدمزگی یا گستاخی کا تصور بھی نہ تھا ـــــ خود امام شافعیؒ کی زبانی سنیئے، فرماتے ہیں:

"میرے مناظرہ اور طرزِ تکلم سے امام محمد اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے یہ ساری تفصیل خلیفہ ہارون رشید کے کانوں تک پہنچا دی، امیر المؤمنین بھی اس سے بہت محظوظ اور لطف اندوز ہوئے اور میری قدر افزائی بھی کی"[۱]

اس قصہ کے آخری جملوں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کی بارگاہ میں امام محمدؒ کی بڑی وقعت اور قدر و منزلت تھی اور ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ یا اشارات بھی بڑی قدر و قیمت کے ساتھ تولے جاتے تھے۔

انتباہ! فتنہ پردازوں اور بعض مفسدین کے لیے سب سے زیادہ دلچسپ اور حیرت انگیز وہ مناظرے اور سفرنامے ہیں جو امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہوتے چلے آئے ہیں اور جن کی اشاعت پر ایک خاص طبقہ خطیر رقم خرچ کرتا چلا آیا ہے، مگر ہم نے علامہ زاہد الکوثریؒ کی وسعتِ نظر اور تحقیقات و تنقیدات کے پیشِ نظر انہیں ترک کر دیا ہے۔ ان میں ایک حکایت تو اس مناظرہ کی ہے جو امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان خلیفہ ہارون رشید کے مواجہہ میں ہوا جس میں دونوں نے خوب خوب ایک دوسرے کے خلاف طلاقتِ لسانی اور طنز و ذہانت کے جوہر دکھائے۔ دوسری حکایت اس مناظرہ کی ہے جو امام شافعیؒ نے رقہ کے مقام پر امام محمدؒ کے ساتھ کیا۔

ان دونوں واقعات اور مناظروں و مباحثوں کی حکایات سراسر کذب و دجل اور دروغگوئی پر مبنی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان عداوت، بے ادبی، گستاخی اور کینہ و بغض پایا جاتا تھا۔ والعیاذ باللہ ـــــ حالانکہ حقیقت واقعہ کچھ اور ہے، دونوں کے درمیان روابط اور مراسم کی کیفیت کیا تھی؟ اس کا اندازہ بڑی آسانی

---

[۱] بلوغ الامانی ص ۲۲

Marfat.com

کے ساتھ "کتاب الحج" کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے جو امام محمدؒ کی لکھی ہوئی ہے اور جس میں امام شافعیؒ کے بارے میں کلماتِ حسن موجود ہیں، یا "کتاب الام" کے مطالعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے جو امام شافعیؒ کی تالیف ہے اور جس میں امام محمدؒ کے بارے میں عقیدت اور عظمت سے بھرے ہوئے شاندار الفاظ موجود ہیں۔ نیز ابن حجرؒ کی کتاب "مناقب الشافعیؒ" میں بھی امام محمدؒ کے وہ الفاظ مل سکتے ہیں جو انہوں نے امام شافعیؒ کے بارے میں تعریف اور تحسین کے طور پر استعمال فرمائے، ان دونوں ائمہ عظام کے خیالات و آراء ایک دوسرے کے بارے میں معلوم کرنے کے بعد کوئی شخص ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا تصور نہیں کرسکتا کہ امام شافعیؒ امام محمدؒ کے خلاف جاسکتے ہیں اور بھرے درباروں میں رو در رو مناظرہ کرکے ان کے ایک حریف کی حیثیت اختیار کرسکتے ہیں۔

اسی طرح بعض کتب میں امام شافعیؒ کے دو سفرناموں کا تذکرہ بھی ہوتا چلا آیا ہے جن کا بڑا حصہ موضوع اور باقی متلبس ہے، ابن حجرؒ نے ان کے راوی کو دروغگو، کذاب اور اس سفرنامے کی تردید کی ہے[1]

سفرناموں میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو امام شافعیؒ سے حسد اور رقابت تھی، وغیرہ۔ حالانکہ گذشتہ واقعات اور ہر سہ حضرات کے باہمی تعلقات سے یہ افواہی چیزیں قطعی طور پر مسترد اور فہم وعقل سے بالاتر ہیں۔ دونوں کہانیاں خود ساختہ ہیں جن کا حقیقتِ واقعہ سے دور کا بھی تعلق نہیں، یہ دونوں داستانیں توام (جڑواں) ہیں شکل وصورت اور اصل حقیقت کے اعتبار سے یکساں ہیں۔

زہد وعبادت اور مجاہدہ وریاضت

امام محمدؒ جہاں بحرالعلوم تھے، کوہِ فضل وکمال تھے، علومِ گوناگوں کے ماہر تھے، جہاں ان کی صفات وحسنات اور فضائل وکمالات تحسین وستائش اور اعتراف واقرار سے ماوراء تھے، جہاں انہوں نے اپنی ملت کا دامن جواہر عالی سے بھر دیا وہاں بلوغ وشعور

---

[1] توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس ص

Marfat.com

کی منزل پر پہنچنے کے بعد وہ زندگی کے آخری سانس تک، صرف خدا کے دین کی خدمت کرتے رہے زبان سے بھی، قلم سے بھی، دل سے بھی اور دماغ سے بھی اور اس خدمت کا اجر اور اس سعادت کی توفیق خدا کے سوا انہوں نے کسی اور سے نہیں چاہی، اس لیے انہوں نے صالحیت اختیار کی، عابد اور شب زندہ دار بنے، ذکر و فکر اور تلاوت و عبادت کا اہتمام کیا، زہد و قناعت تو گویا ان کی فطرت تھا، ایک رات میں ایک تہائی قرآن مجید کی تلاوت کر ڈالتے تھے، انہوں نے رات کے تین حصے کر رکھے تھے، ایک حصہ سونے اور آرام کے لیے تھا دوسرا حصہ نماز اور عبادت اور بارگاہِ قدسی میں سجدہ ریزی کے لیے، اور تیسرا حصہ پڑھنے پڑھانے کے لیے۔

شیخ عبداللہؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے بارہا کوشش کی کہ جس خشوع و خضوع کے ساتھ امام محمدؒ معمولاً نماز ادا کرتے ہیں میں ایک ہی بار اس طرح کی نماز ادا کر لوں لیکن میں اس سے عاجز رہا۔

بکر بن محمد العمیؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن سماعہؒ اور عیسٰی بن ابانؒ (دونوں اپنے وقت کے شیوخ اور محدث تھے) نے حسن و خوبی سے نماز پڑھنا امام محمدؒ سے سیکھا تھا [1]

محمد بن کاملؒ فرماتے ہیں کہ میں نے زہد و ورع میں امام محمدؒ کو بہت زیادہ بلند پایہ پایا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ جیسا زاہد اور پرہیزگار نہیں دیکھا۔[2]

اکابر علماء اور مشائخ آپ کے علم و فضل کے اعتراف کے ساتھ ساتھ کمالِ زہد و عبادت کا بھی اعتراف کرتے تھے اور ان کے تقویٰ اور اخلاص کی داد دیتے تھے۔ امام محمدؒ خود کچھ ایسے عبقری تھے کہ اپنے عمل و کردار اور اخلاص و احساس اور عبودیت سے دوسروں کو اپنے فضل و کمال کے اعتراف پر مجبور کر دیتے تھے۔

---

[1] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی صفحہ ۵۹ و مناقب کردری و بلوغ الامانی

[2] بلوغ الامانی صفحہ ۵۶ و مناقب کردری

Marfat.com

حافظہ تو ایسا ہی ہوتا ہے

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی وفات کے بعد امام محمدؒ نے امام ابویوسفؒ کا دامن فیض پکڑ لیا اور فقہ وحدیث کی تحصیل وتکمیل میں ان ہی کے ہو رہے۔ امام محمدؒ امام ابویوسفؒ کے شاگرد رشید تھے۔ انہوں نے امام ابویوسفؒ سے بہت کچھ حاصل کیا۔ ہر علم کی تحصیل اور تکمیل کی، فقہ کی بھی، حدیث کی بھی اور اصول کی بھی۔ انہوں نے امام ابویوسفؒ کے درس اور مجلس افادہ میں رہ کر ایک سبق یہ بھی حاصل کیا کہ اپنی فکر وبصیرت اور بصارت پر جمود نہیں آنے دیا اور نہ کسی کا تسلط قبول کیا، انہوں نے تمام مسائل میں آخری رائے اختیار کرنے سے قبل تدبر اور اپنے فکر وضمیر سے مشورہ ضرور کیا۔ یہی وجہ تھی کہ تحقیق ومسائل میں ان کا اپنے استاذ امام ابویوسفؒ سے اختلاف بھی آیا، یہ رائے کا اختلاف تھا، فکر وضمیر کا اختلاف تھا مگر مخالفت نہیں تھی۔ انہوں نے اپنے استاذ سے استفادہ کے دوران یا بعد میں اعتراضات ضرور کیے مگر عناد نہیں تھا۔ بعض مواقع پر احتراز کے لیے بھی مجبور تھے مگر اعراض سے گریز کیا۔ امام محمدؒ اخلاص، طلب صادق اور حسن عمل کی دولت سے مالامال تھے۔ اخلاص اختلاف کو پاکیزہ بنا دیتا ہے، طلب صادق اعتراض کو وزنی بنا دیتی ہے اور حسن عمل احتراز میں بے نفسی پیدا کر دیتا ہے، امام محمدؒ کی زندگی اس کی عملی تفسیر تھی۔

اسمٰعیل بن حمادؒ راوی ہیں کہ امام محمدؒ اپنے استاذ امام ابویوسفؒ کی خدمت میں درس کے لیے صبح صبح پہنچ جایا کرتے تھے، ایک روز تشریف لائے اور ہم لوگ مسائل زیر درس میں بحث وگفتگو کر رہے تھے کہ امام ابویوسفؒ نے ان مسائل میں سے جو ان کے آنے سے پیشتر پڑھائے جا چکے تھے ایک مسئلہ پر ان سے سوال کیا، امام محمدؒ نے جواب دیا مگر یہ جواب اس درس کے خلاف تھا جو ابھی امام ابویوسفؒ دے چکے تھے چنانچہ امام ابویوسفؒ نے کہا "تم غلط کہتے ہو مسئلہ یوں نہیں ہے"، امام محمدؒ نے جواب دیا "میں نے جو کچھ عرض کیا مسئلہ اسی طرح ہے اور جس طرح آپ نے ارشاد فرمایا ہے اس طرح نہیں ہے"، بڑی دیر تک شاگرد (امام محمدؒ) اور استاذ (امام ابویوسفؒ) میں اسی طرح ردوکد اور مباحثہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ اصل کتاب طلب کر لی گئی تو اس میں جواب وہی نکلا جو امام محمدؒ

Marfat.com

کہہ رہے تھے یہ دیکھ کر امام ابو یوسفؒ نے فرمایا :۔

ھکذا یکون الحفظ [1] | حافظ تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ایک علمی مباحثہ

محمد بن عبد السلامؒ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے، ان کے والد نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نے امام ابو یوسفؒ سے ایک مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق جواب مرحمت فرمایا، اس کے بعد میں نے وہی مسئلہ امام محمدؒ سے دریافت کیا تو انہوں نے جو جواب دیا وہ امام ابو یوسفؒ کے جواب سے مخالف تھا، امام محمدؒ نے اپنے جواب کے بارے میں دلائل بھی بیان فرمائے۔ تو میں نے انکی خدمت میں عرض کیا حضرت! امام ابو یوسفؒ تو اس مسئلہ میں آپ سے مختلف ہیں، کیا بہتر ہوتا کہ آپ دونوں جمع ہو کر اس مسئلہ پر افہام و تفہیم سے کام لیتے تو اصل حقیقت کی تنقیح بھی ہو جاتی۔ چنانچہ دونوں مسجد میں گئے اور مسئلہ مذکورہ پر گفتگو شروع کر دی اور باہمی سوال و جواب اور بحث و مناظرہ شروع ہوا، ابتداء میں تو قدرے بات سمجھ آ رہی تھی مگر اس کے بعد دونوں حضرات کا باہمی تکلم اور علمی مباحثہ اس قدر غامض اور دقیق پہلوؤں پر حاوی تھا کہ ہم ان کی آواز تو سنتے تھے مگر بات نہیں سمجھتے تھے [2]

امام ابو یوسفؒ کی شہادت کہ امام محمدؒ سب سے بڑے عالم ہیں

معلی بن مقصودؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ سے (جبکہ وہ منصب قضا پر فائز تھے) میری ملاقات ہو گئی، انہوں نے مجھے دیکھ کر فرمایا "کیوں معلی آجکل تم کس کے دامن علم سے وابستہ ہو؟" میں نے جواب میں عرض کیا "امام محمد بن الحسنؒ کے دامن علم سے وابستہ ہوں" امام ابو یوسفؒ نے فرمایا :۔

الزمہ فانہ اعلم الناس [3] | رہاں ہاں پر ان کے دامن سے چمٹے رہو کہ آجکل وہ سب سے بڑے عالم ہیں۔

---

[1] بلوغ الامانی ص ۳۶،۳۵ [2] مناقب کردری ص ۴۳۱ [3] بلوغ الامانی ص ۳۶

کچھ عرصہ بعد پھر میری امام ابو یوسفؒ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے سوال کیا: "آجکل تم کس سے فیضِ علمی حاصل کر رہے ہو؟" میں نے عرض کیا: "بس امام محمدؒ سے"۔ یہ سُنکر امام ابو یوسفؒ نے فرمایا بہت اچھا کر رہے ہو۔

الزمه فانه من اعلم الناس [1]	ان کے دامن سے چمٹے رہو وہ بلند مرتبت عالموں میں سے ایک ہیں۔

ان دونوں ملاقاتوں میں امام ابو یوسفؒ نے امام محمدؒ کے بارے میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان میں فرق ہے، پہلی مرتبہ انہیں سب سے بڑا عالم قرار دیا اور دوسری مرتبہ بڑے عالموں میں ایک انہیں بھی مانا ہے۔ رائے کی اس تبدیلی کا سبب شاید منصبِ قضا سے متعلق دونوں بزرگوں کی بے لطفی تھی۔

مسندِ قضا کے مقابلہ میں امام محمدؒ کو مسندِ علم زیادہ عزیز تھی

دونوں کے درمیان بے لطفی اور بدمزگی کے واقعات میں بعض مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے تحقیق اور معیار کی کسوٹی پر پرکھے بغیر زیبِ داستان کے لیے خوب بے سروپا روایات اور حکایات بیان کی ہیں، مگر واقعہ ایسا نہیں ہے جیسے لوگ بیان کرتے ہیں۔ دراصل بات یہ تھی کہ ایک مرتبہ عمال حکومت نے امام ابو یوسفؒ سے مشورہ کیا کہ رقہ میں کس شخص کو قاضی مقرر کیا جائے؟ امام ابو یوسفؒ نے جواب دیا کہ "میرے علم میں اس منصب کے لیے موزوں ترین آدمی صرف ایک ہی ہے اور وہ محمد بن الحسنؒ ہیں جو آجکل کوفہ میں مقیم ہیں، اگر میری اس رائے سے اتفاق ہو تو انہیں کوفہ سے بلا کر یہ منصب سونپ دیا جائے ـــــ چنانچہ امام محمدؒ کو کوفہ سے بغداد طلب کر لیا گیا، وہ جب بغداد تشریف لائے تو امام ابو یوسفؒ سے ملے اور سوال کیا کہ "میں کس مقصد کے تحت طلب کیا گیا ہوں؟" امام ابو یوسفؒ نے بتایا کہ رقہ میں قاضی مقرر کرنے کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ کیا گیا، میں نے آپ کا نام دے دیا اور اس سے میرا مقصد یہ

---

[1] بلوغ الامانی ص ۳۶

Marfat.com

تھا کہ خدائے عزّوجل نے کوفہ اور بصرہ میں ہماری فقہ اور ہمارے علم کو اچھی طرح رائج اور شائع کر دیا ہے بلکہ سارے مشرق میں ہمارا علم پھیلا ہوا ہے، اب میری خواہش ہے کہ اس رقہ کے ناحیہ میں بھی ایسا ہی ہو اور آپ کے ذریعے خدا ہمارے علم کو وسعت عطا فرمائے اور اس کے بعد پھر دوسرے مقامات پر بھی۔

امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کی باتیں سُنکر فرمایا: "مجھے تو اس کی کوئی آرزو نہیں"۔ امام ابو یوسفؒ نے کہا "لیکن آپ تو سرکاری طور پر بلائے گئے ہیں میں نے کب بلایا ہے؟" پھر دونوں سواری پر بیٹھ کر یحییٰ بن خالد برمکی کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور یحییٰ نے اسی مجلس میں امام محمدؒ کو رقہ کا پروانۂ قضا دے دیا۔[1] امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان تلخی اور بدمزگی کا سبب یہی واقعہ تھا۔

ذہبیؒ نے بھی لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مابین تلخی کا اصل سبب جاہ و منصب نہ تھا بلکہ یہ تھا کہ امام محمدؒ جاہ و منصب کی طرف کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے اور اس سے دور رہنا چاہتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ اپنے علمی مشاغل جاری رکھیں، پڑھیں اور پڑھائیں، مسندِ قضا کے مقابلے میں انہیں اپنی مسندِ علم زیادہ عزیز تھی، وہ کسی قیمت پر بھی اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھے، وہ اپنے استاذِ گرامی امامِ اعظم ابو حنیفہؒ کی طرح صرف علم اور تعلیم ہی کے لیے وقف رہنا چاہتے تھے لیکن ان کی یکسوئی میں امام ابو یوسفؒ حائل ہوئے اور رقہ کے منصبِ قضا کے لیے ان کا نام حکومت کے سامنے پیش کر کے انہیں مسندِ علم سے دور کرنے کا سبب بنے، اس بات کا انہیں زندگی بھر صدمہ رہا اور جب تک زندہ رہے وہ اس زخم کی ٹیس محسوس کرتے رہے۔ یہی سبب تھا جس سے انہیں امام ابو یوسفؒ سے بے لطفی ہو گئی تھی۔[2]

---

[1] بلوغ الامانی ص ۳۷ [2] امام سرخسیؒ نے "سیر کبیر" کی شرح میں یہ لکھ دیا ہے کہ امام محمدؒ نے اپنی کتاب میں امام ابو یوسفؒ کا نام تک لینا گوارا نہ کیا، یہ وہ زمانہ تھا جب دونوں حضرات کے درمیان نفرت جڑ پکڑ چکی تھی اور جہاں کہیں امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ سے روایتِ حدیث کے سلسلہ میں بے نیاز نہیں رہ سکتے تھے تو انہوں نے وہاں اخبرنی الثقہ

(باقی حاشیہ ص ۲۱۵ پر)

Marfat.com

علماء امراء کے دربار میں یا امراء علماء کی چوکھٹ پر؟

اسلاف میں بہت سی ہستیاں ایسی ملیں گی جنہوں نے اپنے فضل و کمال کے باوجود حکومت کا کوئی عہدہ قبول نہیں کیا اور نہ اُمراء اور سلاطین کی صحبت کو پسند کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ بسا اوقات سلاطین اور ارکانِ دولت کے دباؤ سے انہیں ایسا کام کرنا پڑتا تھا جو اُن کے ضمیر اور حمیتِ دینی کے خلاف ہوتا تھا، اس طرح ان کی زندگی کے سارے زہد و اتقاء پر پانی پھر جاتا تھا۔ امام ابو یوسفؒ نے کچھ خاص وجوہ کی بناء پر عہدۂ قضاء قبول کر لیا تھا مگر امام محمدؒ، عبداللہ بن مبارکؒ اور امام زفرؒ حکومت سے کوئی تعلق قائم کرنا پسند نہیں کرتے تھے ——— آخر پر امام محمدؒ نے عہدۂ قضاء قبول کر لیا تھا، اس میں زیادہ تر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۴ سے) کہا ہے مگر علامہ زاہد الکوثریؒ نے سرخسیؒ کی اس قسم کی روایات کو خرافات کا مجموعہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ہمارے دل میں سرخسیؒ کی غیر معمولی عزت اور وقعت ہے اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ علم کا پہاڑ تھے، مسائل اور مباحثِ فقہیہ میں انہوں نے جس ذہانت و فراست، وسعتِ نظر، وسعتِ علم، بلند فکری اور رسائی ذہن کا ثبوت دیا ہے۔ ان جیسی اعلیٰ اور ارفع شخصیت سے یہ کسی طرح ممکن ہی نہ تھا کہ وہ ایسی بے بنیاد اور بے اصل بات درج کریں مگر اسیرِ زنداں ہونے سے قبل انہوں نے یہ واقعہ کہاں پڑھا ہوگا یا سنا ہوگا جو اُن کے ذہن میں چپک گیا اور دورانِ اسیری یہ کتاب لکھواتے وقت تحقیق کیے بغیر نوکِ زبان پر آ گیا۔ علامہ زاہد الکوثریؒ نے اس موقعہ پر خوب دلچسپ بات لکھی ہے کہ: "بات شاید یہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کو یہ منظور ہی نہیں کہ اس کی کتاب (قرآن مجید) کے سوا کوئی اور کتاب غلطی سے محفوظ رہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ مزنیؒ سے فرمایا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ مزنیؒ نے بار بار امام شافعیؒ کی خدمت میں ان کی کتاب "الرسالۃ" تصحیح و اصلاح کی غرض سے پیش کی۔ ہر مرتبہ امام صاحبؒ نے اس میں کچھ نہ کچھ تبدیلی کی۔ آخر ایک مرتبہ غصہ میں آ کر ارشاد فرمایا "ہٹاؤ! اللہ تعالیٰ کو شاید منظور ہی نہیں ہے کہ اس کی کتاب (قرآن مجید) کے سوا کوئی اور کتاب غلطی سے مبرا ہو"۔

یہی بات امام سرخسیؒ کی کتاب جو "سیر کبیر" کی شرح ہے، کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ خدا کو یہ منظور ہی نہیں ہے کہ قرآنِ کریم کے علاوہ کوئی اور کتاب غلطی سے پاک ہو۔ مزید تفصیل "بلوغ الامانی صفحہ ۳۵ تا ۳۹" میں ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

ان کے استاذ امام ابویوسفؒ کا اشارہ تھا۔ امام ابویوسفؒ امام محمدؒ کے استاذ تھے، وہ اپنے استاذ کا اجلال اور احترام حد درجہ ملحوظ رکھتے تھے، قضا کا منصب قبول کر لینے پر استاذ نے شاگرد کو مجبور کر لیا تھا [1] اور یہ اوائل کے زمانہ کا قصہ ہے جب رقہ [2] کی قضا کا منصب پیش کیا گیا اور بظاہر یہ کوئی معیوب بات نہ تھی، پھر بھی امام محمدؒ کی طبعی افتاد اور قضا و منصب سے نفرت و فرار کے خلاف تھی جو دونوں کے درمیان طویل رنجش کا سبب بنی کیونکہ امام محمدؒ کو عہدۂ قضا حد درجہ ناگوار تھا، وہ مسندِ علم ترک کر کے مسندِ قضا پر آنا پسند نہیں کرتے تھے کہ اس سے مجلسِ علمی کی رونق ماند پڑنے کا اندیشہ تھا، وہ اربابِ عدالت کے سربراہ تو بنا دیئے گئے مگر وہ اپنی فطری افتاد اور طبعی میلان کی بناء پر وہ اپنی ساری سرگرمیاں اپنے استاذ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرح صرف نشرِ علم میں صرف کر دینا چاہتے تھے، وہ یہ بات سختی سے ناپسند کرتے تھے کہ علماء حکومت کے دست و بازو بنیں اور جاہ و منصب اختیار کریں، وہ اسے علم کی توہین سمجھتے تھے کہ علماء امیر و وزیر اور سلطان کے دربار میں جائیں اور ان کے احکام و فرامین کی متابعت کریں ان کے نزدیک خود بارگاہِ علم و اجلال کا تقاضا یہ تھا کہ وہ وقت کے حکمران، ملوک و سلاطین، امراء اور وزراء سر جھکا کر حاضر ہوں اور اس طرح علم کی خدمت میں عقیدت اور خراجِ تحسین پیش کریں۔

---

[1] مگر اس سے یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ امام ابویوسفؒ کس قدر اپنے شاگرد امام محمدؒ پر شفیق تھے، ان کی ترقی کے خواہاں اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں تھے۔ اس سے اصل مقصد امام ابویوسفؒ کا یہ تھا جیسا کہ انہوں نے دورانِ گفتگو میں بھی فرمایا تھا کہ اس طرح امام محمدؒ کے علم و فضل سے لوگ مستفید اور متمتع ہوں گے، ان کا علم نئے نئے ناحیوں اور گوشوں میں پہنچے گا۔ [2] یہ ساحلِ فرات کا ایک شامی شہر ہے، حلب سے چار دن کی راہ پر واقع تھا، تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ طبریؒ نے لکھا ہے کہ بغداد میں ہارون رشید کی طبیعت اچھی نہیں رہتی تھی حتیٰ کہ اس وجہ سے اپنے دادا کے بسائے ہوئے شہر کو وہ "بخار" کہتا تھا اس لیے ہارون زیادہ تر رقہ میں ہی رہتا تھا۔ بعضوں نے اس کی شکایت بھی کی تو ہارون نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ بلاشبہ بغداد میرے باپ دادا کی جگہ ہے اور مجھے اس سے نفرت نہیں ہے لیکن میں نے شام کے قریب رقہ کو اسلیے پسند کیا ہے کہ شام ہی میں بنی امیہ کے شجرِ ملعونہ کی جڑ ہے۔ ہارون کے عہد میں رقہ کو چونکہ بہت اہمیت حاصل ہو گئی تھی اسلیے خصوصی طور پر اس شہر کا قاضی ہارون نے ایک ایسے شخص کو مقرر کیا جس کا درجہ علم و فضل اور تمام دوسرے مقامات میں قاضی ابویوسفؒ کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں دوسرے درجہ پر تھا۔

Marfat.com

ہارون رشید کے دربار میں امام محمدؒ کا نعرۂ مستانہ

جب علماء اور قضاۃ خلیفۂ وقت کی چشم و ابرو کا اشارہ پاکر خدا کو فراموش کرکے اور موت سے بے خوف ہوکر شرع اسلامی کے خلاف فتوے دے رہے تھے اور ان کی زبانیں ہارون کے سامنے اظہارِ حق کے لیے گنگ تھیں، وہ صرف امام محمدؒ ہی تھے جنہوں نے بغیر کسی جھجک، کسی تامل اور کسی رعب و دہشت کا اظہار کیے بغیر صاف کہا اور برملا کہا "اے خلیفہ! تو جو کچھ کر رہا ہے اور کرنا چاہتا ہے شرع اسلامی اس کی تائید ہرگز نہیں کرتی: تیرا اقدام شرع اسلامی کے یکسر منافی ہے"۔ اور پھر اس حق گوئی کی پاداش میں امام محمدؒ نے بارگاہِ خلافت کا معتوب ہونا بڑی بشاشت اور جرأت سے گوارا کیا۔

تاریخی پس منظر

قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب امام ابو یوسفؒ وفات پاگئے تو ان کے بعد قاضی القضاۃ کا منصب ابوالبختری کو دے دیا گیا، انہوں نے امام محمدؒ کو قضا سے معزول کرادیا اور فتویٰ دینے کی پابندی لگوادی، اس کا پس منظر مختلف کتابوں میں تذکرہ نگاروں نے قدرے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ ایک ہی نقل کیا ہے۔ علامہ زاہد الکوثریؒ نے زیادہ تفصیل سے لکھ دیا ہے کہ امام محمدؒ کو جس جرم کی اس قدر سخت سزا دی گئی وہ ان کی حق گوئی، عزیمت اور احقاقِ حق کا بے مثال تاریخی کردار تھا۔ ہوا یوں کہ یحییٰ بن عبداللہ طالبیؒ کو خلیفہ نے امان دے دی، یحییٰ طالبی خلیفہ کی اس امان سے مطمئن ہوکر بے خطر آگئے تو انہیں گرفتار کرلیا گیا اور امان توڑ کر اس بے چارے کے لیے قتل کا حکم صادر کردیا گیا۔ ابوالبختری نے جو امام ابو یوسفؒ کے بعد قاضی القضاۃ بنادیئے گئے تھے[1] انہوں

---

[1] وہب بن وہب ابوالبختری موجودہ دور کے بیوروکریٹس اور نوکر شاہی کی طرح شاہ مرضی کا آدمی تھا۔ ہارون جب کسی کام کو کرنا چاہتا اور اس کے جواز یا عدم جواز میں اس کو شبہ ہوتا تو قاضی وہب اس موقعہ پر یہ کرتا کہ اسی وقت اپنے دماغ سے تراش کر ایسی حدیث ہارون کو سنا دیتا جس سے اس فعل کا جواز ثابت ہو۔ لکھا ہے کہ ایک روز ہارون بغداد میں کبوتر اڑا رہا تھا، اتنے میں قاضی وہب بھی آگئے۔ ہارون نے پوچھا کیا کبوتر بازی کے بارے میں کوئی روایت آپ کے پاس ہے؟ بے محابا اس شخص نے کہنا شروع کردیا: "مجھ سے ہشام بن عروہ نے روایت بیان کی ہے کہ ہشام سے ان کے والد

(باقی حاشیہ ص ۲۱۸ پر)

Marfat.com

نے نقضِ امان کا فتویٰ دے دیا۔

امام محمدؒ کی دیانتداری اور جرأتِ حق گوئی!

مگر امام محمدؒ جنہوں نے عہدۂ قضا بادلِ نخواستہ قبول کیا تھا اور ان کی خواہش کو اس میں ذرہ بھی دخل نہ تھا، اس لیے وہ جب تک اس عہدہ پر فائز رہے بڑی دیانت داری سے بلا کسی رُو رعایت کے اس کے فرائض سرانجام دیتے رہے، انہوں نے کبھی بھی اپنے فیصلے میں خلیفۂ وقت یا ارکانِ دولت کی پرواہ نہیں کی —— چنانچہ ان کے قاضی ہونے کے کچھ عرصہ بعد جب یحییٰ طالبی[لے] کی امان کا قصہ دربار میں پیش ہوا تو امام محمدؒ نے بغیر کسی لالچ اور

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۷ سے) عروہ سے روایت کرتے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان سے یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبوتر بازی کرتے تھے۔" (خطیب جلد ۸ ص ۴۵۳) —— بعض اوقات ایسی صورتیں بھی پیش آتی تھیں کہ وقتی ضرورت سے قاضی وہب کوئی حدیث گھڑ کر بیان کر دیتے لیکن "دروغ گو را حافظہ نباشد" بعد میں بھول جاتے تھے۔

لے اسی زمانے میں جب امام محمدؒ رقہ کے قاضی تھے حکومتِ عباسیہ کے لیے ایک نئے خطرے نے دیلم کے کوہستانوں سے سر اٹھایا۔ وہ یحییٰ بن عبداللہ جو نفسِ زکیہ کا بھائی تھا اور اس کی مہم کی ناکامی کے بعد مختلف علاقوں میں روپوش ہوتے ہوئے بالآخر دیلم پہنچا اور بتدریج اس علاقے میں ایسا اقتدار حاصل کر لیا کہ عباسی حکومت اب اس سے اغماز اختیار نہیں کر سکتی تھی اور ہارون ان کی قوت سے اتنا متاثر ہوا کہ فضل بن یحییٰ برمکی کو ۵۰ ہزار کی فوج دے کر اس کے مقابلہ کے لیے بھیجدیا، فضل نے وہاں کے بڑے بڑوں میں کافی رقم تقسیم کی اور مذاکرات کر کے یحییٰ کو اس پر آمادہ کر لیا کہ ان کو خود ہارون رشید اپنے ہاتھ سے امان لکھ کر بھیجدے گا تو میں خود کو فضل کے حوالے کر دوں گا۔ ہارون کو اطلاع ہوئی اُس کی تو دل کی یہی مراد تھی، ہارون رشید نے امان نامہ لکھا اور سر برآوردہ بزرگوں کے دستخطوں سے مزین کر کے بیش بہا تحفوں اور ہدایا کے ساتھ فضل کے پاس روانہ کر دیا، یحییٰ نے خود کو فضل کے حوالے کر دیا، فضل نے بیحد تعظیم اور اکرام کیا، خود ہارون نے بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا اور ان کی ساری ضرورتوں کی خود براہ راست نگرانی کرتا تھا، لیکن بعد میں کچھ دراندازوں کی دسیسہ کاریوں سے ہارون کی طبیعت یحییٰ کی طرف سے بتدریج بدل گئی، پھر اس کے ساتھ کیا کچھ کیا؟ یہ بڑی طویل داستان ہے، اس کی ایک جھلک ہم نے اوپر کے واقعات میں درج کر دی ہے البتہ نفسِ زکیہ مرحوم اور ان کی تحریک اور انقلابی پروگرام کے بارے میں احقر نے اپنی کتاب "دفاع امام اعظم ابو حنیفہؒ، باب ۱۱ میں تفصیل سے مضمون لکھ دیا ہے، شائقین اس کا تاریخی اور تفصیلی پس منظر وہاں دیکھ لیں۔

Marfat.com

خوف لومۃ لائم کے اظہارِ حق میں کوئی باک محسوس نہیں کیا ـــــ خود بیان فرماتے ہیں کہ: "جب خلیفہ ہارون رشید رقہ میں آیا تو امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اس نے مجھے طلب کیا، میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا خلیفہ کے دربار میں حسن بن زیاد، ابوالبختری وہب بن وہب (جو امام ابویوسفؒ کے بعد قاضی القضاۃ بنائے گئے تھے) پہلے سے حاضر تھے۔ خلیفہ نے استفتاء (اور اصل غرض اس کی تائید مطلوب تھی) کی صورت میں وہ امان نامہ ہمارے سامنے پیش کر دیا جو اس نے یحییٰ طالبی کو عطا کیا تھا، خلیفہ نے یہ امان نامہ سب سے پہلے میری طرف بڑھایا ـــــ

امن معاہدہ کی شرعی حیثیت

میں نے اسے پڑھا تو خلیفہ کو (بھری مجلس میں) خدا سے اور یومِ آخرت سے ڈرایا اور انہیں واضح طور پر بتا دیا کہ یہ امان موکد ہے، کسی بھی حیلہ اور بہانہ سے اس کا توڑنا ازروئے شریعتِ اسلامیہ ناجائز اور نادرست ہے اور اس کی پابندی خلیفہ کے لیے ضروری ہے۔ تو خلیفہ امام محمدؒ سے جھگڑنے لگا وہ یحییٰ کے گذشتہ باغیانہ عمل کو پیش کر کے ان کو مجرم قرار دینا چاہتا تھا۔ غالباً اسی کا جواب تھا جو امام محمدؒ نے ہارون سے کہا: "میں پوچھتا ہوں کہ حکومت سے باغی ہو کر جن لوگوں نے جنگ کی ہو لیکن بعد کو تائب ہو جائیں اور انہیں امان دے دی جائے تو کیا کیا وہ محفوظ اور مامون نہیں ہو جائیں گے"؟

امام محمدؒ اظہارِ حق میں خلیفہ کے جاہ و جلال کے بجائے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال پر نظر کیے ہوئے تھے ورنہ خلیفہ کی تلواریں چمک رہی تھیں، جلاد اشارے کے منتظر تھے۔ نطع[1] لینی

---

[1] نطع: چمڑے کے فرش کو کہتے ہیں، اس چمڑے پر اُس شخص کو بٹھا دیتے تھے جسے قتل کرنا مقصود ہوتا تھا تاکہ خون کے چھینٹے زمین پر نہ پڑنے پائیں کیونکہ یہ بات منحوس سمجھی جاتی تھی اور خیال یہ تھا کہ اگر مقتول کے خون کے چھینٹے زمین پر پڑیں گے تو وہ بادشاہ ختم ہو جائے گا، اس کی بادشاہت مٹ جائے گی لہٰذا نطع یعنی چمڑے کے ایک چوڑے فرش پر مقتول کو بٹھاتے تھے تاکہ گردن مارنے کے بعد خون کا جو فوارہ بھی اس کی گردن سے اُبلے اس کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرنے پائے۔

Marfat.com

چمڑے کا فرش بچھادیا جاچکا تھا اور جلاد برہنہ تلواریں لیے اس کے سر پر کھڑے کر دیئے گئے تھے گویا اس انداز سے سب کو یہ بتایا جارہا تھا کہ یحییٰ طالبی کا انجام تو سب دیکھ رہے ہیں جو اس کی تائید کریں گے وہ بھی اس انجام کے لیے خود کو تیار کرلیں، ادھر یحییٰ کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا کہ یہ دیکھو خلیفہ ہارون ہے جس نے مجھے پہلے امان دی تھی اور اب خود اسے توڑ کر مجھے قتل کرا رہا ہے۔

کرۂ ارض کے سب سے بڑے فقیہ کا فتویٰ

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب امام محمدؒ نے خلیفہ ہارون رشید کے سامنے صحتِ امان کا فتویٰ دے دیا اور اسے امان شکنی سے روکا، خدا اور یوم آخرت کا ڈر سنایا، اور ابوالبختری نے امان شکنی کا فتوےٰ دے دیا اور خلیفہ کو مشورہ دیا کہ یحییٰ کی گردن اڑادے، تو اُس وقت یحییٰ طالبی نطع پر بیٹھے ہوئے تھے اور خلیفہ سے کہہ رہے تھے۔

اُے امیر المؤمنین! محمد بن الحسنؒ کے فتوے پر غور کیجئے جو فقہ میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں وہ اُس امان کی صحت کا فتویٰ دے رہے ہیں جو آپ نے دی تھی، ابوالبختری کے فتویٰ پر آپ کیوں دھیان دے رہے ہیں بھلا یہ کیا جانے کہ فقہ کیا ہے اور فتویٰ کسے کہتے ہیں؟ اس کا باپ تو مدینہ میں ڈھول بجایا کرتا تھا، ذرا اس کی پیٹھ کھول کر تو دیکھئے کوڑوں کے نشانوں سے بھری ہوئی ہے، مدینہ کے حمام کے سارے دلاک اس سے واقف ہیں اور اس وقت کرۂ ارض کا سب سے بڑا فقیہ جو ہے آپ اس کے فتوےٰ سے اعراض کر رہے ہیں۔ؔ[1]

امام محمدؒ راوی ہیں کہ میری گفتگو سنکر ہارون رشید برہم ہوا اور امان نامہ میرے ہاتھ سے چھین کرلے لیا اور حسن بن زیاد کی طرف بڑھادیا، حسن بن زیاد نے پڑھا اور کمزور الفاظ میں اور اس قدر پست آواز اور آہستہ سے اپنی رائے ظاہر کی کہ مجھے شبہ ہے کہ وہ سُنی بھی جاسکتی تھی یا نہیں، بہرحال انہوں نے صرف اتنا کہا کہ "ھذا امان[2] یہ امان ہے"۔

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری ص ۱۲۷ [2] ایضاً ص ۱۲۶

Marfat.com

نوکر شاہی کا ظالمانہ کردار

ہارون رشید نے وہ امان نامہ حسن بن زیاد سے چھین لیا اور قاضی ابوالبختری کی طرف بڑھایا، ابوالبختری نے پڑھا اور پڑھ کر کہنے لگا، یہ یحییٰ طالبی نہایت برا شخص ہے نہ رعایت کا مستحق ہے نہ امان کا، اس نے نظم اور امن مملکت کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی، اس نے مسلمانوں کا خون بہایا، اس غدار نے یہ کیا اور وہ کیا وغیرہ، لہٰذا یہ ہرگز امان کا مستحق نہیں ہے۔ یہ کہہ کر جوشِ وفاداری میں ابوالبختری نے اپنے موزے میں ہاتھ ڈالا، میں دیکھ رہا تھا کہ اس نے موزہ سے چھری نکالی پھر اس چھری سے امان نامہ قطع کر دیا اور امان نامہ کے وہ کٹے ہوئے ٹکڑے خادم کے حوالے کر دیئے، پھر خلیفہ ہارون رشید کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا "اس شخص کو قتل کر دیجئے اس کا خون میں اپنی گردن پر لیتا ہوں"[1] اس واقعہ (یحییٰ کے قتل)[2] کے بعد مجلس برخاست ہو گئی اور ہم اُٹھ آئے۔

امام محمدؒ کا ہارون رشید سے مناظرہ

ہلال بن یحییٰ کے واسطہ سے طحاویؒ نے مذکورہ واقعہ میں اس قدر اضافہ نقل کیا ہے کہ ہارون رشید امام محمدؒ کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے کہا بے شک یہ امان نامہ ہے لیکن میں نے اسے نہیں لکھا ہے، میں نے تو فقط ایک آدمی کو حکم دیا اس نے لکھ دیا۔ امام محمدؒ نے ہارون رشید کی اس بات کے جواب میں کہا کہ اگر واقعی یہ صورتِ مسئلہ کسی عام شخص کے ساتھ پیش آئے تو وہ حانث نہیں ہو گا جب تک کہ خود اس کا ارتکاب نہ کرے لیکن اگر سلطانِ دوراں یا حاکمِ وقت ایسا کرے تو وہ از روئے شرع حانث قرار پائے گا کیونکہ لکھنے والا تعمیلِ حکم پر مجبور تھا لہٰذا اس کی ذمہ داری سلطان یا حاکم ہی پر ہو گی۔ اس کے برعکس ایک عام آدمی اگر کسی شخص سے لکھنے

---

[1] طبری جلد ۱ صفحہ ۵۷ [2] مگر علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کی رائے یہ ہے کہ امام محمدؒ کے فتوے کی وجہ سے ہارون رشید کو یحییٰ طالبی کے قتل کی ہمت نہ ہو سکی خطیبؒ نے ہارون رشید کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں "خدا کی قسم! اگر میرے نزدیک اس شخص کا قتل جائز ہوتا تو میں ضرور اس کی گردن اڑا دیتا، اور میں قسم کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ میں نے نہ اس کو زہر خود پلایا ہے نہ کسی دوسرے سے پلوایا ہے۔ خود طبعی موت سے فوت ہوا" (تاریخ بغداد جلد ۱۴ صفحہ ۱۱۱)

Marfat.com

کو کہے تو وہ مجبور نہیں ہے، اسے اختیار ہے جی چاہے تو لکھ دے یا نہ لکھے لیکن سلطان اور حاکم کی بات تو نہیں ٹالی جا سکتی۔

امام محمدؒ کی حق گوئی اور ہارون رشید کی ہاتھا پائی

امام محمدؒ کی یہ تقریر سُنکر خلیفہ غضبناک ہو گیا اور اس نے پھر جو کچھ امام محمدؒ کے ساتھ کیا تاریخ نے اسے بھی محفوظ کر لیا ہے۔ لکھا ہے کہ ہارون رشید نے امام محمدؒ کو غصّہ کی نگاہ سے دیکھا اور کہا "تم ہی جیسے لوگوں سے شہ پا پا کر یہ لوگ بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں" اور آپے سے باہر ہو گیا، دوات جو سامنے رکھی ہوئی تھی اٹھا کر امام محمدؒ کے منہ پر ہارون رشید نے دے ماری جس سے ان کا چہرہ زخمی ہو گیا[1]

فتویٰ اور مسائل کے بیان پر پابندی

بہرحال بات ختم ہو گئی، امام محمدؒ گھر واپس لوٹے، خلیفہ کا قاصد ان کے پاس حق گوئی کی پاداش میں خلیفہ کا پیغام لایا کہ "امیر المؤمنین نے حکم صادر فرمایا ہے کہ اب آپ آئندہ کے لیے فتویٰ نہ دیں اور نہ کوئی مسئلہ بیان کریں" امام محمدؒ خلیفہ کے حکم کی تعمیل پر مجبور تھے فتویٰ دینا اور مسائل بیان کرنا چھوڑ دیا۔

امام محمدؒ پر شاہی عتاب حبسِ بے جا اور خانہ تلاشی!

محمد بن سماعہ کی روایت ہے کہ یحییٰ طالبی کے واقعہ کے بعد امام محمدؒ خلیفہ کے معتوب قرار پائے، فتویٰ نویسی اور مسائل کے جوابات بیان کرنے سے روک دیئے گئے، قصرِ شاہی کے ایک مکان میں نظر بند کر دیئے گئے، اور اس پر مستزاد یہ کہ خلیفہ نے حکم دے دیا کہ امام محمدؒ کی کتابوں کی خوب اچھی طرح چھان بین کی جائے، اسے یہ خطرہ تھا کہ کہیں امام محمدؒ کی کتب میں ایسا مواد تو نہیں ہے جو طالبین (یعنی اولادِ علیؓ) کو بغاوت اور خروج پر آمادہ کرے۔

امام محمدؒ نے ابن سماعہؒ سے جو اس نازک گھڑی میں ان کے ساتھ تھے، خود ان سے کی

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری ص ۱۲۷ و مناقب کردری ص ۳۷

Marfat.com

روایت کے مطابق ان سے کہا "جلدی کرو! قبل اس کے کہ میں یہاں سے روانہ ہوں تم میری قیام گاہ پر پہنچ جاؤ اور میری کتابوں کی اچھی طرح محافظت اور نگہبانی کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ میری کتابوں میں ایسی باتیں شامل کر دیں جو ان میں نہیں ہیں"! ابن سماعہؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور ان کی کتابوں کی خوب اچھی طرح چھان بین کی کہ آیا خلیفہ ہارون رشید کے نقطہ نظر سے ان کتابوں میں کوئی بات تو نہیں ہے جو واقعی قابلِ اعتراض ہو اور کسی نئی آفت کا سبب بن جائے۔

امام محمدؒ کے کتب خانہ کو خوب اچھی طرح کھنگال ڈالنے کے بعد بھی مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی، البتہ ایک مجموعہ نظر آیا جو حضرت علیؓ کے فضائل پر مشتمل تھا، اسی اثنا میں خلیفہ ہارون رشید کے لوگ آ گئے، انہوں نے بھی امام محمدؒ کے کتب خانہ کو خوب اچھی طرح الٹا پلٹا، جب فضائل کے اس مجموعہ پر ان کی نظر پڑی تو اسے اٹھا کر خلیفہ کی خدمت میں لے گئے، ہارون رشید نے اس مجموعہ پر نظر ڈالی تو کہا "ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ مواد موجود ہے"![1]

احساسِ ندامت اور مقامِ عزیمت

صیمریؒ نے عبداللہ بن عبدالرحمن سے روایت نقل کی ہے کہ: خلیفہ کے دربار میں جب یحییٰ طالبیؒ کی امان کا مسئلہ درپیش تھا، اس موقعہ پر میں بھی وہاں موجود تھا، امام محمدؒ کی جرأت و حق گوئی، شجاعت و اعلاء کلمۃ اللہ اور خلیفہ ہارون رشید کی کیفیت دیکھ رہا تھا، جب امام محمدؒ خلیفہ کے دربار سے باہر آئے تو میں نے دیکھا وہ رونے لگے اور شدتِ گریہ سے ان کی عجیب حالت ہو گئی، میں نے امام محمدؒ سے عرض کیا اے ابو عبداللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آج کے الم انگیز حادثہ کے باعث ــــ الم انگیز حادثہ سے میری مراد یہ تھی کہ امام محمدؒ نے بڑی جرأت کے ساتھ خلیفہ ہارون کی مرضی کے خلاف فتویٰ دیا تھا تو ہارون نے انہیں تند و تیز نظروں

---

[1] مناقب کردری ص۴۲۷

Marfat.com

سے دیکھا اور غضبناک انداز سے کہا "تمہارے اس فتوے سے اس باغی کا حوصلہ بڑھے گا اور اس کی مثال دیکھ کر دوسرے باغی بھی ہم پر خروج اور چڑھائی کریں گے"۔ اور اس سوال کے جواب میں امام محمدؒ کا گریہ اور بھی زیادہ شدید ہوگیا، آنسو بہہ بہہ کر ان کے چہرے اور لباس پر گر رہے تھے۔ انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم! خلیفہ کے اس طعن، اس ناز بیا رویہ اور برتاؤ پر جو اس نے میرے ساتھ برتا مجھے رونا نہیں آرہا ہے۔ میں نے پوچھا آخر پھر اس گریہ کا سبب بھی تو کچھ ہوگا؟ امام محمدؒ نے ارشاد فرمایا "میں چوٹ کی وجہ سے نہیں رو رہا، میں اپنی ایک بہت بڑی کوہ ہمتی اور تقصیر پر رو رہا ہوں" میں نے عرض کیا آپ سے کون سی کوتاہی ہوئی؟ امام محمدؒ نے روتے ہوئے فرمایا: "مجھ سے قصور یہ ہوا کہ میں اس مقام پر فائز ہوسکتا تھا جس پر آج خدا کی اس زمین پر کوئی نہیں، لیکن افسوس وہ نادر موقع میرے ہاتھ سے جاتا رہا" میں نے عرض کیا اس سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ کس مرتبہ کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں؟ امام محمدؒ نے بڑے ارمان اور حسرت کے ساتھ کہا "جب قاضی ابوالبختری نے یحییٰ طالبی کے قتل کا فتویٰ دیا تھا اور ہارون رشید کو از روئے شریعت امان شکنی کی اجازت دی تھی تو مجھے اس سے پوچھنا چاہیئے تھا کہ تیرے اس قول کی بنیاد کیا ہے؟ اپنے قول کی تائید میں کوئی حجت بھی اپنے پاس رکھتا ہے؟ کیا تیرا یہ قول دلیل سے مدلل اور برہان سے مبرہن ہے؟ اگر ہے تو تیری دلیل اور برہان کیا ہے؟ مجھے اس وقت تک اس سے بحث کرنی چاہیئے تھی جب تک اسے ساکت اور لاجواب نہ کر دیتا اور اس کے قول کا فساد ثابت نہ کر دیتا"[1]

بظاہر یہ ندامت تھی، کوتاہی اور تقصیر کا اعتراف تھا مگر درحقیقت یہ عزیمت کا وہ بلند مقام ہے جو امام محمدؒ جیسے ازلی منتخبوں اور نیک بختوں کو ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

ہارون رشید کی والدہ نے امام محمدؒ کی رہائی فتویٰ اور بیان مسائل کی سفارش کی

اتفاق سے کچھ عرصہ کے بعد ام جعفر (ہارون رشید کی والدہ) نے ایک وقف قائم کرنے کا ارادہ کیا وہ اس

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری ص ۱۲۷ و ص ۱۳۱

Marfat.com

کے ساتھ "کتاب الحج" کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے جو امام محمدؒ کی لکھی ہوئی ہے اور جس میں امام شافعیؒ کے بارے میں کلماتِ حسن موجود ہیں، یا "کتاب الام" کے مطالعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے جو امام شافعیؒ کی تالیف ہے اور جس میں امام محمدؒ کے بارے میں عقیدت اور عظمت سے بھرے ہوئے شاندار الفاظ موجود ہیں۔ نیز ابن حجرؒ کی کتاب "مناقب الشافعیؒ" میں بھی امام محمدؒ کے وہ الفاظ مل سکتے ہیں جو انہوں نے امام شافعیؒ کے بارے میں تعریف اور تحسین کے طور پر استعمال فرمائے، ان دونوں ائمہ عظام کے خیالات و آراء ایک دوسرے کے بارے میں معلوم کرنے کے بعد کوئی شخص ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا تصور نہیں کر سکتا کہ امام شافعیؒ امام محمدؒ کے خلاف جا سکتے ہیں اور بھرے درباروں میں رو در رو مناظرہ کر کے ان کے ایک حریف کی حیثیت اختیار کر سکتے ہیں۔

اسی طرح بعض کتب میں امام شافعیؒ کے دو سفرناموں کا تذکرہ بھی ہوتا چلا آیا ہے جن کا بڑا حصہ موضوع اور باقی متلبس ہے، ابن حجرؒ نے ان کے راوی کو دروغگو، کذاب اور اس سفرنامے کی تردید کی ہے۔[1]

سفرناموں میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کو امام شافعیؒ سے حسد اور رقابت تھی، وغیرہ۔ حالانکہ گذشتہ واقعات اور ہر سہ حضرات کے باہمی تعلقات سے یہ افواہی چیزیں قطعی طور پر مسترد اور فہم و عقل سے بالاتر ہیں۔ دونوں کہانیاں خود ساختہ ہیں جن کا حقیقتِ واقعہ سے دور کا بھی تعلق نہیں، یہ دونوں داستانیں توام (جڑواں) ہیں شکل و صورت اور اصل حقیقت کے اعتبار سے یکساں ہیں۔

زہد و عبادت اور مجاہدہ و ریاضت

امام محمدؒ جہاں بحر العلوم تھے، کوہِ فضل و کمال تھے، علومِ گوناگوں کے ماہر تھے، جہاں ان کی صفات و حسنات اور فضائل و کمالات تحسین و ستائش اور اعتراف و اقرار سے ماوراء تھے، جہاں انہوں نے اپنی ملت کا دامن جواہر عالی سے بھر دیا وہاں بلوغ و شعور

---

[1] توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس ص۸

Marfat.com

کی منزل پر پہنچنے کے بعد وہ زندگی کے آخری سانس تک، صرف خدا کے دین کی خدمت کرتے رہے زبان سے بھی، قلم سے بھی، دل سے بھی اور دماغ سے بھی اور اس خدمت کا اجر اور اس سعادت کی توفیق خدا کے سوا انہوں نے کسی اور سے نہیں چاہی، اس لیے انہوں نے صالحیت اختیار کی، عابد اور شب زندہ دار بنے، ذکر و فکر اور تلاوت و عبادت کا اہتمام کیا، زہد و قناعت تو گویا ان کی فطرت تھا، ایک رات میں ایک تہائی قرآن مجید کی تلاوت کر ڈالتے تھے، انہوں نے رات کے تین حصے کر رکھے تھے، ایک حصہ سونے اور آرام کے لیے تھا دوسرا حصہ نماز اور عبادت اور بارگاہِ قدسی میں سجدہ ریزی کے لیے، اور تیسرا حصہ پڑھنے پڑھانے کے لیے۔

شیخ عبداللہؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے بارہا کوشش کی کہ جس خشوع و خضوع کے ساتھ امام محمدؒ معمولاً نماز ادا کرتے ہیں میں ایک ہی بار اس طرح کی نماز ادا کر لوں لیکن میں اس سے عاجز رہا۔

بکر بن محمد العمیؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن سماعہؒ اور عیسٰی بن ابانؒ (دونوں اپنے وقت کے شیوخ اور محدث تھے) نے حسن و خوبی سے نماز پڑھنا امام محمدؒ سے سیکھا تھا [1]

محمد بن کاملؒ فرماتے ہیں کہ میں نے زہد و ورع میں امام محمدؒ کو بہت زیادہ بلند پایہ پایا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ جیسا زاہد اور پرہیز گار نہیں دیکھا۔[2]

اکابر علماء اور مشائخ آپ کے علم و فضل کے اعتراف کے ساتھ ساتھ کمالِ زہد و عبادت کا بھی اعتراف کرتے تھے اور ان کے تقویٰ اور اخلاص کی داد دیتے تھے۔ امام محمدؒ خود کچھ ایسے عبقری تھے کہ اپنے عمل و کردار اور اخلاص و احساس اور عبودیت سے دوسروں کو اپنے فضل و کمال کے اعتراف پر مجبور کر دیتے تھے۔

---

[1] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی صفحہ ۵۹ ومناقب کردری وبلوغ الامانی

[2] بلوغ الامانی صفحہ ۵۶ ومناقب کردری

Marfat.com

حافظہ تو ایسا ہی ہوتا ہے

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی وفات کے بعد امام محمدؒ نے امام ابویوسفؒ کا دامن فیض پکڑ لیا اور فقہ و حدیث کی تحصیل و تکمیل میں ان ہی کے ہو رہے۔ امام محمدؒ امام ابویوسفؒ کے شاگرد رشید تھے۔ انہوں نے امام ابویوسفؒ سے بہت کچھ حاصل کیا۔ ہر علم کی تحصیل اور تکمیل کی' فقہ کی بھی، حدیث کی بھی اور اصول کی بھی۔ انہوں نے امام ابویوسفؒ کے درس اور مجلس افادہ میں رہ کر ایک سبق یہ بھی حاصل کیا کہ اپنی فکر و بصیرت اور بصارت پر جمود نہیں آنے دیا اور نہ کسی کا تسلط قبول کیا، انہوں نے تمام مسائل میں آخری رائے اختیار کرنے سے قبل تدبر اور اپنے فکر و ضمیر سے مشورہ ضرور کیا۔ یہی وجہ تھی کہ تحقیق و مسائل میں ان کا اپنے استاذ امام ابویوسفؒ سے اختلاف بھی آیا، یہ رائے کا اختلاف تھا، فکر و ضمیر کا اختلاف تھا مگر مخالفت نہیں تھی۔ انہوں نے اپنے استاذ سے استفادہ کے دوران یا بعد میں اعتراضات ضرور کیے مگر عناد نہیں تھا۔ بعض مواقع پر احتراز کے لیے بھی مجبور تھے مگر اعراض سے گریز کیا۔ امام محمدؒ اخلاص، طلب صادق اور حسن عمل کی دولت سے مالا مال تھے۔ اخلاص اختلاف کو پاکیزہ بنا دیتا ہے، طلب صادق اعتراض کو وزنی بنا دیتی ہے اور حسن عمل احتراز میں بے نفسی پیدا کر دیتا ہے، امام محمدؒ کی زندگی اس کی عملی تفسیر تھی۔

اسمٰعیل بن حمادؒ راوی ہیں کہ امام محمدؒ اپنے استاذ امام ابویوسفؒ کی خدمت میں درس کے لیے صبح صبح پہنچ جایا کرتے تھے، ایک روز تشریف لائے اور ہم لوگ مسائل سے زیر درس میں بحث و گفتگو کر رہے تھے کہ امام ابویوسفؒ نے ان مسائل میں سے جو ان کے آنے سے پیشتر پڑھائے جا چکے تھے ایک مسئلہ پر ان سے سوال کیا، امام محمدؒ نے جواب دیا مگر یہ جواب اس درس کے خلاف تھا جو ابھی امام ابویوسفؒ دے چکے تھے چنانچہ امام ابویوسفؒ نے کہا "تم غلط کہتے ہو مسئلہ یوں نہیں ہے۔" امام محمدؒ نے جواب دیا "میں نے جو کچھ عرض کیا مسئلہ اسی طرح ہے اور جس طرح آپ نے ارشاد فرمایا ہے اس طرح نہیں ہے۔" بڑی دیر تک شاگرد (امام محمدؒ) اور استاذ (امام ابویوسفؒ) میں اسی طرح رد و کد اور مباحثہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ اصل کتاب طلب کر لی گئی تو اس میں جواب وہی نکلا جو امام محمدؒ

Marfat.com

کہہ رہے تھے یہ دیکھ کر امام ابو یوسفؒ نے فرمایا:۔

هکذا یکون الحفظ لہ | حافظ تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ایک علمی مباحثہ

محمد بن عبد السلامؒ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے' ان کے والد نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نے امام ابو یوسفؒ سے ایک مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق جواب مرحمت فرمایا، اس کے بعد میں نے وہی مسئلہ امام محمدؒ سے دریافت کیا تو انہوں نے جو جواب دیا وہ امام ابو یوسفؒ کے جواب سے مخالف تھا، امام محمدؒ نے اپنے جواب کے بارے میں دلائل بھی بیان فرمائے۔ تو میں نے انکی خدمت میں عرض کیا حضرت! امام ابو یوسفؒ تو اس مسئلہ میں آپ سے مختلف ہیں، کیا بہتر ہو تاکہ آپ دونوں جمع ہو کر اس مسئلہ پر افہام و تفہیم سے کام لیتے تو اصل حقیقت کی تنقیح بھی ہو جاتی۔ چنانچہ دونوں مسجد میں گئے اور مسئلہ مذکورہ پر گفتگو شروع کر دی اور باہمی سوال و جواب اور بحث و مناظرہ شروع ہوا، ابتداء میں تو قدرے بات سمجھ آ رہی تھی مگر اس کے بعد دونوں حضرات کا باہمی تکلم اور علمی مباحثہ اس قدر غامض اور دقیق پہلوؤں پر حاوی تھا کہ ہم ان کی آواز تو سنتے تھے مگر بات نہیں سمجھتے تھے ۲؎

امام ابو یوسفؒ کی شہادت کہ امام محمدؒ سب سے بڑے عالم ہیں

معلیٰ بن منصورؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ سے (جبکہ وہ منصب قضا پر فائز تھے) میری ملاقات ہو گئی، انہوں نے مجھے دیکھ کر فرمایا "کیوں معلیٰ آجکل تم کس کے دامنِ علم سے وابستہ ہو؟" میں نے جواب میں عرض کیا "امام محمد بن الحسنؒ کے دامنِ علم سے وابستہ ہوں" امام ابو یوسفؒ نے فرمایا:۔

الزمہ فانہ اعلم الناس ۳؎ | (ہاں ہاں) ان کے دامن سے چمٹے رہو کہ آجکل وہ سب سے بڑے عالم ہیں۔

۱؎ بلوغ الامانی ص ۳۵، ۳۶ ۲؎ مناقب کردری ص ۴۳۱ ۳؎ بلوغ الامانی ص ۳۶

Marfat.com

کچھ عرصہ بعد پھر میری امام ابویوسفؒ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے سوال کیا: "آجکل تم کس سے فیضِ علمی حاصل کر رہے ہو؟" میں نے عرض کیا: "بس امام محمدؒ سے!" یہ سنکر امام ابویوسفؒ نے فرمایا بہت اچھا کر رہے ہو:

الزمه فانه من اعلم الناس [1]	ان کے دامن سے چمٹے رہو وہ بلند مرتبت عالموں میں سے ایک ہیں۔

ان دونوں ملاقاتوں میں امام ابویوسفؒ نے امام محمدؒ کے بارے میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان میں فرق ہے، پہلی مرتبہ انہیں سب سے بڑا عالم قرار دیا اور دوسری مرتبہ بڑے عالموں میں ایک انہیں بھی مانا ہے۔ رائے کی اس تبدیلی کا سبب شاید منصبِ قضا سے متعلق دونوں بزرگوں کی بے لطفی تھی۔

مسندِ قضا کے مقابلہ میں امام محمدؒ کو مسندِ علم زیادہ عزیز تھی

دونوں کے درمیان بے لطفی اور بدمزگی کے واقعات میں بعض مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے تحقیق اور معیار کی کسوٹی پر پرکھے بغیر زیبِ داستان کے لیے خوب بے سروپا روایات اور حکایات بیان کی ہیں، مگر واقعہ ایسا نہیں ہے جیسے لوگ بیان کرتے ہیں۔ دراصل بات یہ تھی کہ ایک مرتبہ عمالِ حکومت نے امام ابویوسفؒ سے مشورہ کیا کہ رقہ میں کس شخص کو قاضی مقرر کیا جائے؟ امام ابویوسفؒ نے جواب دیا کہ: "میرے علم میں اس منصب کے لیے موزوں ترین آدمی صرف ایک ہی ہے اور وہ محمد بن الحسنؒ ہیں جو آجکل کوفہ میں مقیم ہیں، اگر میری اس رائے سے اتفاق ہو تو انہیں کوفہ سے بلا کر یہ منصب سونپ دیا جائے ـــــ چنانچہ امام محمدؒ کو کوفہ سے بغداد طلب کر لیا گیا، وہ جب بغداد تشریف لائے تو امام ابویوسفؒ سے ملے اور سوال کیا کہ "میں کس مقصد کے تحت طلب کیا گیا ہوں؟" امام ابویوسفؒ نے بتایا کہ رقہ میں قاضی مقرر کرنے کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ کیا گیا، میں نے آپ کا نام دے دیا اور اس سے میرا مقصد یہ

---

[1] بلوغ الامانی ص ۳۶

Marfat.com

تھا کہ خدائے عزوجل نے کوفہ اور بصرہ میں ہماری فقہ اور ہمارے علم کو اچھی طرح رائج اور شائع کر دیا ہے بلکہ سارے مشرق میں ہمارا علم پھیلا ہوا ہے، اب میری خواہش ہے کہ اس رقہ کے ناحیہ میں بھی ایسا ہی ہو اور آپ کے ذریعے خدا ہمارے علم کو وسعت عطا فرمائے اور اس کے بعد پھر دوسرے مقامات پر بھی۔

امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کی باتیں سُنکر فرمایا "مجھے تو اس کی کوئی آرزو نہیں" امام ابو یوسفؒ نے کہا "لیکن آپ تو سرکاری طور پر بلائے گئے ہیں میں نے کب بلایا ہے" پھر دونوں سواری پر بیٹھ کر یحییٰ بن خالد برمکی کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور یحییٰ نے اسی مجلس میں امام محمدؒ کو رقہ کا پروانۂ قضا دے دیا[1] امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان تلخی اور بدمزگی کا سبب یہی واقعہ تھا۔

ذہبیؒ نے بھی لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مابین تلخی کا اصل سبب جاہ و منصب نہ تھا بلکہ یہ تھا کہ امام محمدؒ جاہ و منصب کی طرف کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے اور اس سے دور رہنا چاہتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ اپنے علمی مشاغل جاری رکھیں، پڑھیں اور پڑھائیں، مسندِ قضا کے مقابلے میں انہیں اپنی مسندِ علم زیادہ عزیز تھی، وہ کسی قیمت پر بھی اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھے، وہ اپنے استاذِ گرامی امامِ اعظم ابو حنیفہؒ کی طرح صرف علم اور تعلیم ہی کے لیے وقف رہنا چاہتے تھے لیکن ان کی یکسوئی میں امام ابو یوسفؒ حائل ہوئے اور رقہ کے منصبِ قضا کے لیے ان کا نام حکومت کے سامنے پیش کر کے انہیں مسندِ علم سے دور کرنے کا سبب بنے، اس بات کا انہیں زندگی بھر صدمہ رہا اور جب تک زندہ رہے وہ اس زخم کی ٹیس محسوس کرتے رہے۔ یہی سبب تھا جس سے انہیں امام ابو یوسفؒ سے بے لطفی ہو گئی تھی[2]

---

[1] بلوغ الامانی ص ۳۷ [2] امام سرخسیؒ نے "سیر کبیر" کی شرح میں یہ لکھ دیا ہے کہ امام محمدؒ نے اپنی کتاب میں امام ابو یوسفؒ کا نام تک لینا گوارا نہ کیا، یہ وہ زمانہ تھا جب دونوں حضرات کے درمیان نفرت جڑ پکڑ چکی تھی اور جہاں کہیں امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ سے روایتِ حدیث کے سلسلہ میں بے نیاز نہیں رہ سکتے تھے تو انہوں نے وہاں اخبرنی الثقہ (باقی حاشیہ ص ۲۱۵ پر)

Marfat.com

علماء امراء کے دربار میں یا امراء علماء کی چوکھٹ پر؟

اسلاف میں بہت سی ہستیاں ایسی ملیں گی جنہوں نے اپنے فضل وکمال کے باوجود حکومت کا کوئی عہدہ قبول نہیں کیا اور نہ اُمراء اور سلاطین کی صحبت کو پسند کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ بسا اوقات سلاطین اور ارکانِ دولت کے دباؤ سے انہیں ایسا کام کرنا پڑتا تھا جو اُن کے ضمیر اور حمیتِ دینی کے خلاف ہوتا تھا، اس طرح ان کی زندگی کے سارے زہد و اتقاء پر پانی پھر جاتا تھا۔ امام ابویوسفؒ نے کچھ خاص وجوہ کی بناء پر عہدۂ قضاء قبول کر لیا تھا مگر امام محمدؒ، عبداللہ بن مبارکؒ اور امام زفرؒ حکومت سے کوئی تعلق قائم کرنا پسند نہیں کرتے تھے ——— آخر پر امام محمدؒ نے عہدۂ قضاء قبول کر لیا تھا، اس میں زیادہ تر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۴ سے) کہا ہے مگر علامہ زاہد الکوثریؒ نے سرخسیؒ کی اس قسم کی روایات کو خرافات کا مجموعہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ہمارے دل میں سرخسیؒ کی غیر معمولی عزت اور وقعت ہے اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ علم کا پہاڑ تھے، مسائل اور مباحثِ فقیہہ میں انہوں نے جس ذہانت و فراست، وسعتِ نظر، وسعتِ علم، بلند فکری اور رسائی ذہن کا ثبوت دیا ہے۔ ان جیسی اعلیٰ اور ارفع شخصیت سے یہ کسی طرح ممکن ہی نہ تھا کہ وہ ایسی بے بنیاد اور بے اصل بات درج کریں مگر اسیرِ زنداں ہونے سے قبل انہوں نے یہ واقعہ کہاں پڑھا ہوگا یا سنا ہوگا جو اُن کے ذہن میں چپک گیا اور دورانِ اسیری یہ کتاب لکھواتے وقت تحقیق کیے بغیر نوکِ زبان پر آ گیا۔ علامہ زاہد الکوثریؒ نے اس موقع پر خوب دلچسپ بات لکھی ہے کہ "بات شاید یہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کو یہ منظور ہی نہیں کہ اس کی کتاب (قرآن مجید) کے سوا کوئی اور کتاب غلطی سے محفوظ رہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ مزنیؒ سے فرمایا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ مزنیؒ نے بار بار امام شافعیؒ کی خدمت میں ان کی کتاب "الرسالہ" تصحیح و اصلاح کی غرض سے پیش کی۔ ہر مرتبہ امام صاحبؒ نے اس میں کچھ نہ کچھ تبدیلی کی۔ آخر ایک مرتبہ غصہ میں آ کر ارشاد فرمایا "ہٹاؤ! اللہ تعالیٰ کو شاید منظور ہی نہیں ہے کہ اس کی کتاب (قرآن مجید) کے سوا کوئی اور کتاب غلطی سے مبرا ہو"۔

یہی بات امام سرخسیؒ کی کتاب جو "سیر کبیر" کی شرح ہے، کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ خدا کو یہ منظور ہی نہیں ہے کہ قرآنِ کریم کے علاوہ کوئی اور کتاب غلطی سے پاک ہو۔ مزید تفصیل "بلوغ الامانی صفحہ ۳۵ تا ۳۹" میں ملاحظہ فرمایئے۔

Marfat.com

ان کے استاذ امام ابو یوسفؒ کا اشارہ تھا۔ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ کے استاذ تھے، وہ اپنے استاذ کا اجلال اور احترام حد درجہ ملحوظ رکھتے تھے، قضا کا منصب قبول کر لینے پر استاذ نے شاگرد کو مجبور کر لیا تھا ۔[1] اور یہ اوائل کے زمانہ کا قصہ ہے جب رقہ[2] کی قضا کا منصب پیش کیا گیا اور بظاہر یہ کوئی معیوب بات نہ تھی، پھر بھی امام محمدؒ کی طبعی افتاد اور قضاء و منصب سے نفرت و فرار کے خلاف تھی جو دونوں کے درمیان طویل رنجش کا سبب بنی کیونکہ امام محمدؒ کو عہدۂ قضا حد درجہ ناگوار تھا، وہ مسندِ علم ترک کر کے مسندِ قضا پر آنا پسند نہیں کرتے تھے کہ اس سے مجلسِ علمی کی رونق ماند پڑنے کا اندیشہ تھا، وہ ارباب عدالت کے سربراہ تو بنا دیئے گئے مگر وہ اپنی فطری افتاد اور طبعی میلان کی بناء پر وہ اپنی ساری سرگرمیاں اپنے استاذ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی طرح صرف نشرِ علم میں صرف کر دینا چاہتے تھے، وہ یہ بات سختی سے ناپسند کرتے تھے کہ علماء حکومت کے دست و بازو بنیں اور جاہ و منصب اختیار کریں، وہ اسے علم کی توہین سمجھتے تھے کہ علماء امیر و وزراء اور سلطان کے دربار میں جائیں اور ان کے احکام و فرامین کی متابعت کریں ان کے نزدیک خود بارگاہِ علم و اجلال کا تقاضا یہ تھا کہ وہ وقت کے حکمران، ملوک و سلاطین، امراء اور وزراء سر جھکا کر حاضر ہوں اور اس طرح علم کی خدمت میں عقیدت اور خراجِ تحسین پیش کریں۔

---

[1] مگر اس سے یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ امام ابو یوسفؒ کس قدر اپنے شاگرد امام محمدؒ پر شفیق تھے، ان کی ترقی کے خواہاں اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں تھے۔ اس سے اصل مقصد امام ابو یوسفؒ کا یہ تھا جیسا کہ انہوں نے دورانِ گفتگو میں بھی فرمایا تھا کہ اس طرح امام محمدؒ کے علم و فضل سے لوگ مستفید اور متمتع ہوں گے، ان کا علم نئے نئے ناحیوں اور گوشوں میں پہنچے گا۔ [2] یہ ساحلِ فرات کا ایک شامی شہر ہے، حلب سے چار دن کی راہ پر واقع تھا تجارت کا بڑا مرکز تھا، طبریؒ نے لکھا ہے کہ بغداد میں ہارون رشید کی طبیعت اچھی نہیں رہتی تھی حتّٰی کہ اس وجہ سے اپنے دادا کے بسائے ہوئے شہر کو وہ "بخار" کہتا تھا اس لیے ہارون زیادہ تر رقہ میں ہی رہتا تھا بعضوں نے اس کی شکایت بھی کی تو ہارون نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ بلاشبہ بغداد میرے باپ دادا کی جگہ ہے اور مجھے اس سے نفرت نہیں ہے لیکن میں نے شام کے قریب رقہ کو اسلیے پسند کیا ہے کہ شام ہی میں بنی امیہ کے شجرِ ملعونہ کی جڑ ہے۔ ہارون کے عہد میں رقہ کو چونکہ بہت اہمیت حاصل ہو گئی تھی اسلیے خصوصی طور پر اس شہر کا قاضی ہارون نے ایک ایسے شخص کو مقرر کیا جس کا درجہ علم و فضل اور تمام دوسرے مقامات میں قاضی ابو یوسفؒ کے بعد امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں دوسرے درجہ پر تھا۔

Marfat.com

ہارون رشید کے دربار میں امام محمدؒ کا نعرۂ مستانہ

جب علماء اور قضاۃ خلیفۂ وقت کی چشم و ابرو کا اشارہ پاکر خدا کو فراموش کر کے اور موت سے بے خوف ہو کر شرع اسلامی کے خلاف فتوے دے رہے تھے اور ان کی زبانیں ہارون کے سامنے اظہارِ حق کے لیے گنگ تھیں، وہ صرف امام محمدؒ ہی تھے جنہوں نے بغیر کسی جھجک، کسی تامل اور کسی رعب و دہشت کا اظہار کیے بغیر صاف کہا اور برملا کہا کہ "اے خلیفہ! تو جو کچھ کر رہا ہے اور کرنا چاہتا ہے شرع اسلامی اس کی تائید ہرگز نہیں کرتی: تیرا اقدام شرع اسلامی کے یکسر منافی ہے۔" اور پھر اس حق گوئی کی پاداش میں امام محمدؒ نے بارگاہِ خلافت کا معتوب ہونا بڑی بشاشت اور جرأت سے گوارا کیا۔

تاریخی پس منظر

قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب امام ابو یوسفؒ وفات پاگئے تو ان کے بعد قاضی القضاۃ کا منصب ابو البختری کو دے دیا گیا، انہوں نے امام محمدؒ کو قضا سے معزول کرا دیا اور فتویٰ دینے کی پابندی لگوا دی، اس کا پس منظر مختلف کتابوں میں تذکرہ نگاروں نے قدرے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ ایک ہی نقل کیا ہے علامہ زاہد الکوثریؒ نے زیادہ تفصیل سے لکھ دیا ہے کہ امام محمدؒ کو جس جرم کی اس قدر سخت سزا دی گئی وہ ان کی حق گوئی، عزیمت اور احقاقِ حق کا بے مثال تاریخی کردار تھا۔ ہوا یوں کہ یحییٰ بن عبد اللہ طالبیؒ کو خلیفہ نے امان دے دی، یحییٰ طالبی خلیفہ کی اس امان سے مطمئن ہو کر بے خطر آ گئے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا اور امان توڑ کر اس بے چارے کے لیے قتل کا حکم صادر کر دیا گیا۔ ابو البختری [1] جو امام ابو یوسفؒ کے بعد قاضی القضاۃ بنا دیئے گئے تھے، انہوں

---

[1] وہب بن وہب ابو البختری موجودہ دور کے بیورو کریٹس اور نوکر شاہی کی طرح شاہ مرضی کا آدمی تھا۔ ہارون جب کسی کام کو کرنا چاہتا اور اس کے جواز یا عدم جواز میں اس کو شبہ ہوتا تو قاضی وہب اس موقعہ پر یہ کرتا کہ اسی وقت اپنے دماغ سے تراش کر ایسی حدیث ہارون کو سنا دیتا جس سے اس فعل کا جواز ثابت ہو۔ لکھا ہے کہ ایک روز ہارون بغداد میں کبوتر اڑا رہا تھا، اتنے میں قاضی وہب بھی آ گئے۔ ہارون نے پوچھا کیا کبوتر بازی کے بارے میں کوئی روایت آپ کے پاس ہے؟ بے محابا اس شخص نے کہنا شروع کر دیا "مجھ سے ہشام بن عروہ نے روایت بیان کی ہے کہ ہشام سے ان کے والد

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۸ پر)

Marfat.com

نے نقصِ امان کا فتویٰ دے دیا۔

امام محمدؒ کی دیانتداری اور جرأت حق گوئی!

مگر امام محمدؒ جنہوں نے عہدۂ قضا با دلِ نخواستہ قبول کیا تھا اور ان کی خواہش کو اس میں ذرہ بھی دخل نہ تھا، اس لیے وہ جب تک اس عہدہ پر فائز رہے بڑی دیانت داری سے بلا کسی رُو رعایت کے اس کے فرائض سرانجام دیتے رہے، انہوں نے کبھی بھی اپنے فیصلے میں خلیفۂ وقت یا ارکانِ دولت کی پرواہ نہیں کی — چنانچہ ان کے قاضی ہونے کے کچھ عرصہ بعد جب یحییٰ طالبیؒ[1] کی امان کا قصہ دربار میں پیش ہؤا تو امام محمدؒ نے بغیر کسی لالچ اور

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۷ سے) عروہ سے روایت کرتے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان سے یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبوتر بازی کرتے تھے۔" (خطیب جلد ۸ ص ۴۵۳) —— بعض اوقات ایسی صورتیں بھی پیش آتی تھیں کہ وقتی ضرورت سے قاضی وہب کوئی حدیث گھڑ کر بیان کر دیتے لیکن "دروغ گو را حافظہ نباشد" بعد میں بھول جاتے تھے۔

[1] اسی زمانے میں جب امام محمدؒ رقّہ کے قاضی تھے حکومتِ عباسیہ کے لیے ایک نئے خطرے نے دیلم کے کوہستانوں سے سر اٹھایا۔ وہ یحییٰ بن عبداللہ جو نفسِ زکیہ کا بھائی تھا اور اس کی مہم کی ناکامی کے بعد مختلف علاقوں میں روپوش ہوتے ہوئے بالآخر دیلم پہنچا اور بتدریج اس علاقے میں ایسا اقتدار حاصل کر لیا کہ عباسی حکومت اب اس سے اغماز اختیار نہیں کر سکتی تھی اور ہارون ان کی قوت سے اتنا متاثر ہؤا کہ فضل بن یحییٰ برمکی کو ۵۰ ہزار کی فوج دے کر اس کے مقابلہ کے لیے بھیجدیا، فضل نے وہاں کے بڑے بڑوں میں کافی رقم تقسیم کی اور مذاکرات کر کے یحییٰ کو اس پر آمادہ کر لیا کہ ان کو خود ہارون رشید اپنے ہاتھ سے امان لکھ کر بھیجدے گا تو میں خود کو فضل کے حوالے کر دوں گا۔ ہارون کو اطلاع ہوئی اُس کی تو دل کی یہی مراد تھی، ہارون رشید نے امان نامہ لکھا اور سربرآوردہ بزرگوں کے دستخطوں سے مزین کر کے بیش بہا تحفوں اور ہدایا کے ساتھ فضل کے پاس روانہ کر دیا، یحییٰ نے خود کو فضل کے حوالے کر دیا، فضل نے بیحد تعظیم اور اکرام کیا، خود ہارون نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور ان کی ساری ضرورتوں کی خود براہ راست نگرانی کرتا تھا لیکن بعد میں کچھ دراندازوں کی دسیسہ کاریوں سے ہارون کی طبیعت یحییٰ کی طرف سے بتدریج بدل گئی، پھر اس کے ساتھ کیا کچھ کیا؟ یہ بڑی طویل داستان ہے، اس کی ایک جھلک ہم نے اوپر کے واقعات میں درج کر دی ہے البتہ نفس زکیہ مرحوم اور ان کی تحریک اور انقلابی پروگرام کے بارے میں احقر نے اپنی کتاب "دفاع امام اعظم ابوحنیفہؒ، باب ۱۱ میں تفصیل سے مضمون لکھ دیا ہے، شائقین اس کا تاریخی اور تفصیلی پس منظر وہاں دیکھ لیں۔

Marfat.com

خوف لومۃ لائم کے اظہارِ حق میں کوئی باک محسوس نہیں کیا ـــــــ خود بیان فرماتے ہیں کہ "جب خلیفہ ہارون رشید رقہ میں آیا تو امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اس نے مجھے طلب کیا، میں اس کی خدمت میں حاضر ہُوا خلیفہ کے دربار میں حسن بن زیاد، ابوالبختری وہب بن وہب (جو امام ابو یوسفؒ کے بعد قاضی القضاۃ بنائے گئے تھے) پہلے سے حاضر تھے۔ خلیفہ نے استفتاء (اور اصل غرض اس کی تائید مطلوب تھی) کی صورت میں وہ امان نامہ ہمارے سامنے پیش کر دیا جو اس نے یحییٰ طالبی کو عطا کیا تھا، خلیفہ نے یہ امان نامہ سب سے پہلے میری طرف بڑھایا ـــــــ

امن معاہدہ کی شرعی حیثیت

میں نے اسے پڑھا تو خلیفہ کو (بھری مجلس میں) خدا سے اور یوم آخرت سے ڈرایا اور انہیں واضح طور پر بتا دیا کہ یہ امان موکد ہے، کسی بھی حیلہ اور بہانہ سے اس کا توڑنا ازروئے شریعتِ اسلامیہ ناجائز اور نادرست ہے اور اس کی پابندی خلیفہ کے لیے ضروری ہے۔ تو خلیفہ امام محمدؒ سے جھگڑنے لگا وہ یحییٰ کے گذشتہ باغیانہ عمل کو پیش کر کے ان کو مجرم قرار دینا چاہتا تھا۔ غالباً اسی کا جواب تھا جو امام محمدؒ نے ہارون سے کہا، میں پوچھتا ہوں کہ حکومت سے باغی ہو کر جن لوگوں نے جنگ کی ہو لیکن بعد کو تائب ہو جائیں اور انہیں امان دے دی جائے تو کیا کیا وہ محفوظ اور مامون نہیں ہو جائیں گے"؟

امام محمدؒ اظہارِ حق میں خلیفہ کے جاہ وجلال کے بجائے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال پر نظر کیے ہوئے تھے ورنہ خلیفہ کی تلواریں چمک رہی تھیں، جلاد اشارے کے منتظر تھے۔ نطعؔ[1] یعنی

---

[1] نطع : چمڑے کے فرش کو کہتے ہیں، اس چمڑے پر اُس شخص کو بٹھا دیتے تھے جسے قتل کرنا مقصود ہوتا تھا تاکہ خون کے چھینٹے زمین پر نہ پڑنے پائیں کیونکہ یہ بات منحوس سمجھی جاتی تھی اور خیال یہ تھا کہ اگر مقتول کے خون کے چھینٹے زمین پر پڑیں گے تو وہ بادشاہ ختم ہو جائے گا، اس کی بادشاہت مٹ جائے گی لہٰذا نطع یعنی چمڑے کے ایک چوڑے فرش پر مقتول کو بٹھاتے تھے تاکہ گردن مارنے کے بعد خون کا جو فوارہ بھی اس کی گردن سے اُبلے اس کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرنے پائے۔

Marfat.com

چمڑے کا فرش بچھا دیا جا چکا تھا اور جلاد برہنہ تلواریں لیے اس کے سر پر کھڑے کر دیئے گئے تھے گویا اس انداز سے سب کو یہ بتایا جا رہا تھا کہ یحییٰ طالبی کا انجام تو سب دیکھ رہے ہیں جو اس کی تائید کریں گے وہ بھی اس انجام کے لیے خود کو تیار کر لیں، ادھر یحییٰ کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا کہ یہ دیکھو خلیفہ ہارون ہے جس نے مجھے پہلے امان دی تھی اور اب خود اسے توڑ کر مجھے قتل کرا رہا ہے۔

کرۂ ارض کے سب سے بڑے فقیہ کا فتویٰ

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب امام محمدؒ نے خلیفہ ہارون رشید کے سامنے صحتِ امان کا فتویٰ دے دیا اور اسے امان شکنی سے روکا، خدا اور یوم آخرت کا ڈر سنایا، اور ابو البختری نے امان شکنی کا فتویٰ دے دیا اور خلیفہ کو مشورہ دیا کہ یحییٰ کی گردن اڑا دے۔ تو اس وقت یحییٰ طالبی نطع پر بیٹھے ہوئے تھے اور خلیفہ سے کہہ رہے تھے۔

"اے امیر المومنین! محمد بن الحسنؒ کے فتوے پر غور کیجئے جو فقہ میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں وہ اس امان کی صحت کا فتویٰ دے رہے ہیں جو آپ نے دی تھی، ابو البختری کے فتویٰ پر آپ کیوں دھیان دے رہے ہیں بھلا یہ کیا جانے کہ فقہ کیا ہے اور فتویٰ کسے کہتے ہیں؟ اس کا باپ تو مدینہ میں ڈھول بجایا کرتا تھا، ذرا اس کی پیٹھ کھول کر تو دیکھئے کوڑوں کے نشانوں سے بھری ہوئی ہے، مدینہ کے حمام کے سارے دلاک اس سے واقف ہیں اور اس وقت کرۂ ارض کا سب سے بڑا فقیہ جو ہے آپ اس کے فتوے سے اعراض کر رہے ہیں"[1]

امام محمدؒ راوی ہیں کہ میری گفتگو سنکر ہارون رشید برہم ہوا اور امان نامہ میرے ہاتھ سے چھین کر لے لیا اور حسن بن زیاد کی طرف بڑھا دیا، حسن بن زیاد نے پڑھا اور کمزور الفاظ میں اور اس قدر پست آواز اور آہستہ سے اپنی رائے ظاہر کی کہ مجھے شبہ ہے کہ وہ سنی بھی جا سکتی تھی یا نہیں، بہر حال انہوں نے صرف اتنا کہا کہ "ھٰذا امان"[2] یہ امان ہے"

---

[1] اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ للصیمری ص ۱۲۷ [2] ایضاً ص ۱۲۶

Marfat.com

نوکر شاہی کا ظالمانہ کردار

ہارون رشید نے وہ امان نامہ حسن بن زیاد سے چھین لیا اور قاضی ابوالبختری کی طرف بڑھایا، ابوالبختری نے پڑھا اور پڑھ کر کہنے لگا، یہ یحییٰ طالبی نہایت برا شخص ہے نہ رعایت کا مستحق ہے نہ امان کا، اس نے نظم اور امن مملکت کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی، اس نے مسلمانوں کا خون بہایا، اس غدار نے یہ کیا اور وہ کیا وغیرہ، لہٰذا یہ ہرگز امان کا مستحق نہیں ہے۔ یہ کہہ کر جوشِ وفاداری میں ابوالبختری نے اپنے موزے میں ہاتھ ڈالا، میں دیکھ رہا تھا کہ اس نے موزے سے چھری نکالی پھر اس چھری سے امان نامہ قطع کر دیا اور امان نامہ کے وہ کٹے ہوئے ٹکڑے خادم کے حوالے کر دیئے، پھر خلیفہ ہارون رشید کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا "اس شخص کو قتل کر دیجئے اس کا خون میں اپنی گردن پر لیتا ہوں"[1] اس واقعہ (یحییٰ کے قتل)[2] کے بعد مجلس برخاست ہو گئی اور ہم اُٹھ آئے۔

امام محمدؒ کا ہارون رشید سے مناظرہ

ہلال بن یحییٰ کے واسطہ سے طحاویؒ نے مذکورہ واقعہ میں اس قدر اضافہ نقل کیا ہے کہ ہارون رشید امام محمدؒ کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے کہا بے شک یہ امان نامہ ہے لیکن میں نے اسے نہیں لکھا ہے، میں نے تو فقط ایک آدمی کو حکم دیا اس نے لکھ دیا۔ امام محمدؒ نے ہارون رشید کی اس بات کے جواب میں کہا کہ اگر واقعی یہ صورتِ مسئلہ کسی عام شخص کے ساتھ پیش آئے تو وہ حانث نہیں ہو گا جب تک کہ خود اس کا ارتکاب نہ کرے لیکن اگر سلطانِ دوراں یا حاکمِ وقت ایسا کرے تو وہ از روئے شرع حانث قرار پائے گا کیونکہ لکھنے والا تعمیلِ حکم پر مجبور تھا لہٰذا اس کی ذمہ داری سلطان یا حاکم ہی پر ہو گی۔ اس کے برعکس ایک عام آدمی اگر کسی شخص سے لکھنے

---

[1] طبری جلد ۱ صفحہ ۵۷ [2] مگر علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کی رائے یہ ہے کہ امام محمدؒ کے فتوے کے وجہ سے ہارون رشید کو یحییٰ طالبی کے قتل کی ہمت نہ ہو سکی خطیبؒ نے ہارون رشید کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں "خدا کی قسم! اگر میرے نزدیک اس شخص کا قتل جائز ہوتا تو میں ضرور اس کی گردن اڑا دیتا اور میں قسم کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ میں نے نہ اس کو زہر خود پلایا ہے نہ کسی دوسرے سے پلوایا ہے۔ (خود طبعی موت سے فوت ہوا)" (تاریخ بغداد جلد ۱۴ ص ۱۱۱)

Marfat.com

کو کہے تو وہ مجبور نہیں ہے، اسے اختیار ہے جی چاہے تو لکھ دے یا نہ لکھے لیکن سلطان اور حاکم کی بات تو نہیں ٹالی جا سکتی۔

امام محمدؒ کی حق گوئی اور ہارون رشید کی ہاتھا پائی

امام محمدؒ کی یہ تقریر سُنکر خلیفہ غضبناک ہو گیا اور اس نے پھر جو کچھ امام محمدؒ کے ساتھ کیا تاریخ نے اسے بھی محفوظ کر لیا ہے۔ لکھا ہے کہ ہارون رشید نے امام محمدؒ کو غصّہ کی نگاہ سے دیکھا اور کہا "تم ہی جیسے لوگوں سے شہ پا کر یہ لوگ بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں" اور آپے سے باہر ہو گیا، دوات جو سامنے رکھی ہوئی تھی اٹھا کر امام محمدؒ کے منہ پر ہارون رشید نے دے ماری جس سے ان کا چہرہ زخمی ہو گیا۔[1]

فتویٰ اور مسائل کے بیان پر پابندی

بہر حال بات ختم ہو گئی، امام محمدؒ گھر واپس لوٹے، خلیفہ کا قاصد ان کے پاس حق گوئی کی پاداش میں خلیفہ کا پیغام لایا کہ "امیر المومنین نے حکم صادر فرمایا ہے کہ اب آپ آئندہ کے لیے فتویٰ نہ دیں اور نہ کوئی مسئلہ بیان کریں" امام محمدؒ خلیفہ کے حکم کی تعمیل پر مجبور تھے فتویٰ دینا اور مسائل بیان کرنا چھوڑ دیا۔

امام محمدؒ پر شاہی عتاب حبس بے جا اور خانہ تلاشی!

محمد بن سماعہ کی روایت ہے کہ یحییٰ طالبی کے واقعہ کے بعد امام محمدؒ خلیفہ کے معتوب قرار پائے، فتویٰ نویسی اور مسائل کے جوابات بیان کرنے سے روک دیئے گئے، قصرِ شاہی کے ایک مکان میں نظر بند کر دیئے گئے، اور اس پر مستزاد یہ کہ خلیفہ نے حکم دے دیا کہ امام محمدؒ کی کتابوں کی خوب اچھی طرح چھان بین کی جائے، اسے یہ خطرہ تھا کہ کہیں امام محمدؒ کی کتب میں ایسا مواد تو نہیں ہے جو طالبین (یعنی اولادِ علیؓ) کو بغاوت اور خروج پر آمادہ کرے۔

امام محمدؒ نے ابن سماعہؒ سے جو اس نازک گھڑی میں ان کے ساتھ تھے، خود ان کی

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری ص ۱۲۷ و مناقب کردری ص ۱۴۷

Marfat.com

روایت کے مطابق ان سے کہا "جلدی کرو! قبل اس کے کہ میں یہاں سے روانہ ہوں تم میری قیام گاہ پر پہنچ جاؤ اور میری کتابوں کی اچھی طرح محافظت اور نگہبانی کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ میری کتابوں میں ایسی باتیں شامل کر دیں جو ان میں نہیں ہیں۔" ابن سماعہؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور ان کی کتابوں کی خوب اچھی طرح چھان بین کی کہ آیا خلیفہ ہارون رشید کے نقطہ نظر سے ان کتابوں میں کوئی بات تو نہیں ہے جو واقعی قابلِ اعتراض ہو اور کسی نئی آفت کا سبب بن جائے۔

امام محمدؒ کے کتب خانہ کو خوب اچھی طرح کھنگال ڈالنے کے بعد بھی مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی، البتہ ایک مجموعہ نظر آیا جو حضرت علیؓ کے فضائل پر مشتمل تھا، اسی اثنا میں خلیفہ ہارون رشید کے لوگ آ گئے، انہوں نے بھی امام محمدؒ کے کتب خانہ کو خوب اچھی طرح الٹا پلٹا، جب فضائل کے اس مجموعہ پر ان کی نظر پڑی تو اسے اٹھا کر خلیفہ کی خدمت میں لے گئے، ہارون رشید نے اس مجموعہ پر نظر ڈالی تو کہا "ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ مواد موجود ہے[1]"۔

احساسِ ندامت اور مقامِ عزیمت

صیمریؒ نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے روایت نقل کی ہے کہ: خلیفہ کے دربار میں جب یحییٰ طالبیؒ کی امان کا مسئلہ درپیش تھا، اس موقعہ پر میں بھی وہاں موجود تھا، امام محمدؒ کی جرأت و حق گوئی، شجاعت و اعلاء کلمۃ اللہ اور خلیفہ ہارون رشید کی کیفیت دیکھ رہا تھا، جب امام محمدؒ خلیفہ کے دربار سے باہر آئے تو میں نے دیکھا وہ رونے لگے اور شدتِ گریہ سے ان کی عجیب حالت ہو گئی، میں نے امام محمدؒ سے عرض کیا اے ابوعبداللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آج کے الم انگیز حادثہ کے باعث ـــ الم انگیز حادثہ سے میری مراد یہ تھی کہ امام محمدؒ نے بڑی جرأت کے ساتھ خلیفہ ہارون کی مرضی کے خلاف فتویٰ دیا تھا تو ہارون نے انہیں تند و تیز نظروں

---

[1] مناقب کردری ص۴۳۷

Marfat.com

سے دیکھا اور غضبناک انداز سے کہا: "تمہارے اس فتوے سے اس باغی کا حوصلہ بڑھے گا اور اس کی مثال دیکھ کر دوسرے باغی بھی ہم پر خروج اور چڑھائی کریں گے"۔ اور اس سوال کے جواب میں امام محمدؒ کا گریہ اور بھی زیادہ شدید ہو گیا، آنسو بہہ بہہ کر ان کے چہرے اور لباس پر گر رہے تھے۔ انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم! خلیفہ کے اس طعن، اس ناز بیا رویہ اور برتاؤ پر جو اس نے میرے ساتھ برتا مجھے رونا نہیں آ رہا ہے۔ میں نے پوچھا آخر پھر اس گریہ کا سبب بھی تو کچھ ہو گا؟ امام محمدؒ نے ارشاد فرمایا: "میں چوٹ کی وجہ سے نہیں رو رہا، میں اپنی ایک بہت بڑی کوہ ہمتی اور تقصیر پر رو رہا ہوں"۔ میں نے عرض کیا آپ سے کون سی کوتاہی ہوئی؟ امام محمدؒ نے روتے ہوئے فرمایا: "مجھ سے قصور یہ ہوا کہ میں اس مقام پر فائز ہو سکتا تھا جس پر آج خدا کی اس زمین پر کوئی نہیں، لیکن افسوس وہ نادر موقع میرے ہاتھ سے جاتا رہا"۔ میں نے عرض کیا اس سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ کس مرتبہ کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں؟ امام محمدؒ نے بڑے ارمان اور حسرت کے ساتھ کہا: "جب قاضی ابوالبختری نے یحییٰ طالبی کے قتل کا فتویٰ دیا تھا اور ہارون رشید کو از روئے شریعت امان شکنی کی اجازت دی تھی تو مجھے اس سے پوچھنا چاہیئے تھا کہ تیرے اس قول کی بنیاد کیا ہے؟ اپنے قول کی تائید میں کوئی حجت بھی اپنے پاس رکھتا ہے؟ کیا تیرا یہ قول دلیل سے مدلل اور برہان سے مبرہن ہے؟ اگر ہے تو تیری دلیل اور برہان کیا ہے؟ مجھے اس وقت تک اس سے بحث کرنی چاہیئے تھی جب تک اسے ساکت اور لاجواب نہ کر دیتا اور اس کے قول کا فساد ثابت نہ کر دیتا"[1]۔

بظاہر یہ ندامت تھی، کوتاہی اور تقصیر کا اعتراف تھا مگر درحقیقت یہ عزیمت کا وہ بلند مقام ہے جو امام محمدؒ جیسے ازلی منتخبوں اور نیک بختوں کو ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

ہارون رشید کی والدہ نے امام محمدؒ کی رہائی فتویٰ اور بیان مسائل کی سفارش کی

اتفاق سے کچھ عرصہ کے بعد ام جعفر (ہارون رشید کی والدہ) نے ایک وقف قائم کرنے کا ارادہ کیا وہ اس

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری ص ۱۲۷ و ص ۱۳۱

Marfat.com

یحیٰی بن صالح الوحاظیؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام محمدؒ کے ساتھ مجھے حج کرنے کا موقع ملا، جب ہم منیٰ میں پہنچے تو میں نے اچانک امام ابوالہیثم الواسطیؒ سے (حضرت خالد بن عبداللہ) کو دیکھا تو ان کی مجلس میں حاضر خدمت ہوا، اُن کی علمی شہرت اور دینی عظمت کے پیشِ نظر بہت سے اصحاب حدیث جمع ہو گئے اور انبوہ عظیم بن گیا اور اس مجمع اور انبوہ کے لوگوں کی باتوں سے انہیں تکلیف پہنچی اور فرمانے لگے۔ اگر ان لوگوں سے کسی فقہی مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو کوئی جواب نہ بن پڑتا۔ میں خاموش نہ رہ سکا، عرض کیا حضرت! خدا تعالیٰ آپ کا بھلا کرے، سوال کیجئے ممکن ہے کہ اس گروہ میں کوئی ایسا آدمی بھی ہو جو ہر سوال کا شافی جواب دے سکے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے فوراً اس کا جواب عرض کر دیا۔ تو انہوں نے میرے جواب کو بیحد پسند کیا اور ارشاد فرمایا۔

ممن علمت هذا؟	عزیز! یہ علم تم نے کس سے سیکھا ہے۔

میں نے جواب میں عرض کیا۔

من محمد بن الحسن و هو حاج معك [1]	امام محمدؒ سے جنہوں نے آپ کے ساتھ ہی تو حج کیا ہے۔

یہ سُنکر امام الہیثمؒ نے فرمایا عزیز! جب مراسم حج سے فراغت ہو جائے تو مجھے امام محمدؒ کی خدمت میں لے چلنا۔ چنانچہ حج سے فراغت کے بعد میں امام ابوالہیثمؒ کو امام محمدؒ کی خدمت میں لے گیا۔ جب امام محمدؒ نے انہیں اپنی مجلس میں آتے ہوئے دیکھا تو پیشوائی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی شایانِ شان تعظیم و تکریم کی۔"

حکومت وہ نہیں جو دولت و منصب اور فوج و لشکر کے زور سے کی جائے، فوج اور پولیس کے سہارے قائم رکھی جائے۔ حکومت وہ ہے جو بغیر کسی لشکر و سپاہ کے لوگوں کے دلوں پر کی جائے، جو کبھی بھی زوال آشنا نہ ہو جس سے کسی کو اندیشہ بھی نہ ہو۔ شہنشاہیت

---

[1] بلوغ الامانی ص ۴۵

Marfat.com

اور جلالت وعظمت تو امام محمدؒ کی تھی کہ امام ابو الہیثمؒ جیسا عظیم شخص خود چل کر ان سے ملنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

بشر بن ولیدؒ نے امام محمدؒ کے تلامذہ کے سوالات سے تنگ آکر حلقۂ افادہ ترک کر دیا

عباسیوں کے دورِ خلافت میں دنیوی ترقی، وسعتِ سلطنت اور عروج کمال اپنے آخری نقطہ پر پہنچ چکا تھا مگر دینی زوال سے اس کی جڑیں کھوکھلی ہو رہی تھیں۔ اور تو اور علماء تک کا یہ حال تھا کہ قربِ سلطان کے لیے بیتاب رہتے تھے، دربارِ خلافت میں پہنچنے کے بعد ان کی زبان بدل جاتی تھی، علماء جانشینِ رسولؐ ہوتے ہیں اور حق کی حمایت ان کا فریضۂ منصبی ہوتا ہے، مگر بعض بدنصیب ایسے بھی تھے کہ زر و گوہر نے ان کی زبانیں خرید لی تھیں، قوت و شوکت نے انہیں مرعوب کر لیا تھا، تلوار کی چمک نے انہیں ضمیر فروشی اور حق فروشی پر مجبور کر لیا تھا۔ مگر اس دور میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو جلال علم اور جمال کردار سے علماء حق کی تاریخ دعوت وعزیمت کے تسلسل کو قائم رکھے ہوئے تھے، امام محمدؒ ان کے امام اور سرخیل ہیں، جو قاضی القضاۃ کی مسند پر مسجد کی چٹائی والی مسندِ تدریس کو ترجیح دیتے تھے اور اس پر انہیں فخر و ناز ہوا کرتا تھا۔

حمید ابو العباسؒ کی روایت ہے کہ بغداد میں جمعہ کے روز مسجد میں حلقۂ درس ہوا کرتا تھا۔ اُس وقت کے مشہور عالم اور مقبول مدرس علامہ بشر بن ولیدؒ درس دیا کرتے تھے، حلقہ خوب جما رہتا تھا، اُن کی موجودگی میں طلبہ کسی دوسری جانب نگاہ اٹھانا بھی پسند نہیں کرتے تھے، ان کے درس و افادات کا یہ سلسلہ مسلسل اسی مسجد میں کافی عرصہ چلتا رہا اور ہم طلبہ اس میں باقاعدگی سے شریک ہو کر بھرپور استفادہ کرتے رہے کہ اچانک ایک روز امام محمدؒ رقہ سے تشریف لائے، طلبہ میں بات مشہور ہو گئی، ہم اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مسائل حاصل کرنے لگے، ان سے مسائل کی تعلیم حاصل کر کے بشر بن ولیدؒ کے پاس آتے اور پھر ان سے درس کے دوران سوالات کرتے، ہماری اس حرکت سے انہیں تکلیف پہنچتی، وہ اس پر بُرا مناتے اور ہمارے اس رویّہ کو ناپسند کرتے تھے، لیکن

Marfat.com

جب یہ سلسلہ برابر جاری رہا تو انھوں نے اپنے حلقۂ افادہ اور مجلسِ درس میں آنا ترک کردیا۔

طحاوی کی روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرانؒ سے سُنا، وہ کہہ رہے تھے کہ ایک روز میں نے بشر بن عبدالولیدؒ کو دیکھا کہ وہ میرے والد کے پاس آئے اور امام محمدؒ کا ذکر نامناسب اور ناشائستہ الفاظ میں کرنے لگے، میرے والد نے اُن سے کہا۔

لا تفعل یا ابا الولید! ثم قال لہٗ قد اعفاك اللہ عزوجل عن جوابہا لہ	ابوالولیدؒ! ایسی باتیں نہ کرو اور تمہیں اس پر خوش ہونا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں جوابات دینے کی زحمت سے بچالیا۔

یہ بشر بن ولید بھی مکتبہ حنفیہ کے ایک گوہر شب چراغ تھے، امام ابویوسفؒ کے راوی تھے۔ یہ وہی بشرؒ ہیں جن سے ابویعلی موصلیؒ نے امام ابویوسفؒ کی کتابوں کی سماعت کی تھی، یہ امام ابویوسفؒ کے بڑے چہیتے اور محبوب شاگرد تھے مگر امام محمدؒ کی تو شان ہی نرالی تھی۔

تحقیق اور تدقیقِ مسائل میں امام محمدؒ کا مرتبہ امام ابویوسفؒ سے بڑھا ہوا تھا

ایک مرتبہ بعض حاسدین و مبغضین نے حسن بن ابی مالکؒ کے سامنے امام محمدؒ کے مسائلِ فقہیہ بیان کیے اور تعریضاً ان کی کمزوری اور نقص وضعف کی طرف اشارہ کرنا چاہا، تو حسن بن مالکؒ جو امام محمدؒ کے ہم درس تھے، امام ابویوسفؒ کے شاگرد تھے اور مخصوص تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ حسن بن مالکؒ امام ابویوسفؒ کے شاگردوں میں بہت زیادہ فقہ کے جاننے والے تھے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

بہرحال حسن بن مالکؒ نے جب ان کی باتیں سنیں تو ارشاد فرمایا: "امام ابویوسفؒ بھی بڑے محقق تھے لیکن تحقیق و تدقیق کی جو شدت امام محمدؒ کے ہاں پائی جاتی ہے وہ امام ابویوسفؒ کے ہاں نظر نہیں آتی"۔ ۲؎

۱؎ بلوغ الامانی ص۶۲ ۲؎ ایضاً

Marfat.com

رائے واجتہاد اور ائمہ احناف کا مؤقف

اُجتہاد اسلام کی خصوصیت ہے، دُوسرے ادیان ومذاہب میں نہ اجتہاد کا حکم ہے اور نہ اجتہاد کا اصول۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے وہ انسانی ضروریات واحتیاجات پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مہر نہیں لگانا چاہتا۔ بنیادی مسائل اور اصولی قواعد تو بے شک ہر اعتبار سے تغیر وتبدل سے آشنا نہیں ہوسکتے، لیکن اس کے باوجود اجتہاد کا دروازہ کھلا ہُوا ہے، اس لیے کہ وقت کے ساتھ ساتھ انسان کے احوال و کوائف میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے، ضروریات اور احتیاجات بدلتی رہتی ہیں! اس انقلابِ احوال کو اسلام نظر انداز نہیں کرسکتا تھا اس لیے اجتہاد کی اجازت دی لیکن اجتہاد کی کچھ شرائط ہیں، ہر شخص اجتہاد نہیں کرسکتا اور مجتہد کے لیے بھی کچھ شرائط ہیں ہر شخص مجتہد نہیں بن سکتا؛ [1]

اجتہاد کے سلسلہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ کا مؤقف کیا تھا؟ اور وہ کس قدر درست اور صحیح تھا؟ اس سلسلہ میں ذیل میں حضرت امام محمدؒ کا مفصل بیان پیشِ خدمت ہے:۔

سلیمان بن اشعث الکیسانیؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم امام محمدؒ کی مجلس افادہ میں استفادہ کر رہے تھے، انہوں نے ہمیں املا لکھوائی اور اس میں یہ بھی لکھوایا کہ ”جب کسی مسئلہ میں لوگ باہمی اختلاف کرنے لگیں اور رائے مختلف ہو تو ایک فقیہ اسے حرام قرار دے گا اور دوسرا حلال، اور یہ دونوں چیزیں ان کی حدودِ اجتہاد میں داخل ہیں، اور دونوں فقیہ اس میں اپنی فقہ ورائے اور اجتہاد کی وسعت بھر کوشش بھی کریں، تب بھی درست، صحیح وصواب، اور حق تو اللہ کے نزدیک ایک ہی ہے تاہم دونوں مجتہد اس پر مکلّف ہیں کہ وہ اصول اور دلائل کی روشنی میں مقدور اور وسعت بھر اجتہاد کریں حتیٰ کہ صواب کو پہنچ جائیں، دونوں امکان بھر سعی پر مکلّف ہیں، اب اگر مجتہد کا

---

[1] اقتباس از دفاع امام ابوحنیفہؒ صـ۳۵۲

Marfat.com

اجتہاد ورائے صحیح ہے اور مسئلہ میں اس نے اس حق کو پالیا ہے جو عنداللہ مطلوب ہے تو اس نے وہ فتویٰ دے دیا ہے جو اس کے نزدیک بھی حق ہے اور اللہ کے نزدیک بھی حق ہے تو گویا اس نے اپنا فرض پورا کر دیا اور اجتہاد کا حق ادا کر دیا، لیکن اگر اس نے مقدور بھر اجتہاد و رائے کی سعی اور کوشش کی لیکن حق تک نہ پہنچ سکا اور عنداللہ صواب کے مطابق فیصلہ نہ دے سکا، فیصلہ میں غلطی کی اور جو فتویٰ دیا وہ مبنی بر صواب نہ تھا تب بھی خدا کے ہاں اس کا جو فرض تھا اور جس پر وہ مکلف کیا گیا تھا وہ اس نے پورا کر دیا، وہ بری الذمہ ہے اور اس غلطی پر اس کو ویسا ہی ثواب ملے گا جو صحیح اجتہاد پر موعود ہے —

پس اگر اب کوئی اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کسی چیز کو ایک فقیہ نے حرام قرار دیا ہے اور دوسرا فقیہ اسے حلال قرار دیتا ہے اور حلال و حرام کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور اللہ کے نزدیک یہ دونوں چیزیں درست اور موجب اجر و ثواب ہیں اور دونوں کے اجتہاد کا ثمرہ (حلت و حرمت) بھی صواب ہے، لہٰذا ایک ہی چیز حلال بھی ہو اور حرام بھی، تو یہ غلط خیال ہے اور اس کی بنیاد غلط فہمی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست اور صواب یہ ہے کہ جو لوگ کسی کام کے لیے مکلف کیے گئے ہوں یعنی ذمہ دار قرار دیئے گئے ہوں وہ پوری دیانت اور صداقت کے ساتھ اجتہاد کی کوشش کریں اور اپنے امکان اور استطاعت کے مطابق اپنا فریضہ انجام دینے کی سعی کریں پس اگر ان میں اس کے باوجود کسی شخص سے رائے قائم کرنے اور فتویٰ دینے میں لغزش ہوئی ہے تو وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ اس نے اجتہاد کیا اور جس چیز پر مکلف تھا اپنی سعی اور کوشش سے اس کا حق ادا کر دیا اس لیے اللہ عز وجل کے نزدیک تمام باتوں میں صواب صرف امکان بھر سعی اور کوشش ہے (اور اس کے نتیجہ میں حق صرف ایک ہی ہے کہ وہ حلت ہو گی یا حرمت) یہی وجہ ہے کہ صحیح اور غلط دونوں قسم کے اجتہاد پر اجر ملتا ہے۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کا قول ہے اور یہی ہم بھی کہتے ہیں [1]

---

[1] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی ص۵۳ وبلوغ الامانی ص۶-۴۷

بعض نادانوں نے ضد و تعصب اور جہالت و ناواقفیت میں امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کو مصوبہ (وہ لوگ جو دونوں صورتوں کی تصویب کرتے ہیں) قرار دیا اور اس الزام کو اس قدر تکرار سے دُہرایا کہ خود جھوٹ باندھنے والوں کو بھی اپنے مفروضہ پر سچ کا یقین ہونے لگا، مگر امام محمدؒ نے جس طرح مسئلہ اجتہاد کی توضیح میں حنفی اصول کی توضیح کر دی ہے اس کے بعد اربابِ علم و دانش اور دانا سمجھتے ہیں کہ مصوبہ کا الزام لگانے والے کہاں سے بول رہے ہیں اور ان کی ڈور کا سرا کن کے ہاتھ میں ہے۔

احباب سے بے تکلّفی اور سادگی و ملنساری

اس سے قبل بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ امام محمدؒ وزارتِ عدل کے منصب جلیل پر فائز ہوئے، قاضی القضاۃ کا سب سے بڑا منصب ان کے قدموں میں تھا، مقام و رتبہ اور سرکاری حیثیت کچھ کم نہ تھی، دولت اور دنیا کی ریل پیل تھی، حشم و خدم ابروئے چشم کے منتظر رہتے تھے، مگر بایں ہمہ امام محمدؒ زر و گوہر کو کنکر اور پتھر سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے، وہ اپنی جان خدا تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر چکے تھے اور اسی سودے پر خوش تھے، ان کی استقامت اور عزیمت کے پیشِ نظر وہ کسی قیمت پر بھی حق کے راستہ سے روگرداں نہیں کرائے جا سکتے تھے۔ امام محمدؒ صحن مسجد، مجلسِ درس اور دربارِ سلطانی میں یکساں طور پر سکون اور اطمینان کے ساتھ کلمۂ حق کہنے کے عادی تھے اور اس کے نتائج اور انجام سے قطعاً بے پرواہ رہتے تھے، عزیمت و عظمت کی اس قدر بلندیوں پر ان کا نشیمن تھا، تاہم جاہ و منصب کی بلند منزلوں پر پہنچنے اور حاکمانہ زندگی بسر کرنے کے باوجود اُنکے انداز و اطوار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، ان کی سادگی و ملنساری، ان کی دوستی و تواضع، ان کا عجز و انکسار، ان کے بے تکلف دوست و احباب، ان کے ساتھ رفاقت اور باہمی معاملات اور ان کے انداز و اطوار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، ان کی سادگی اور ملنساری ویسی ہی تھی بلکہ پرانے ملنے والوں اور نیازمندوں کے ساتھ تو یہ اختصاص تھا کہ حاجب اور دربان کی روک ٹوک کے بغیر وہ ان کے پاس پہنچ جاتے تھے اور جب تک چاہتے تھے بیٹھے رہتے تھے اور مسائل و معاملات پر گفتگو کر کے ان کے افکار و آراء سے

Marfat.com

واقفیت بہم پہنچاتے اور معلومات حاصل کرتے تھے۔

طحاویؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن علیؒ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ ایک مرتبہ میرے والد نے اثنائے گفتگو میں امام محمدؒ کا ذکر کرتے ہوئے اور ان کی سیرت و کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

میں رقہ گیا، وہاں امام محمدؒ منصب قضا پر فائز تھے میں ان کے دروازے پر پہنچا، میں نے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی، لیکن حاجب (دربان) نے منع کر دیا، میں واپس چلا آیا، پھر کافی عرصہ تک رقہ میں قیام پذیر رہا لیکن وہاں نہیں گیا۔

اسی اثنا میں ایک مرتبہ میں شہر میں گھوم رہا تھا کہ امام محمدؒ اپنی سواری پر بیٹھے نظر آئے، وہ قاضی شہر کے لباس میں ملبوس تھے، انہوں نے جب مجھے دیکھا تو میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھے بلایا اور اصرار کر کے اپنے ساتھ اپنی قیام گاہ پر لے گئے۔

جب قیام گاہ پر پہنچے تو اپنے کمرے میں چلے گئے، ذرا دیر بعد میری طلبی ہوئی، امام صاحبؒ نے پوچھا: "تم اتنے دن سے آئے ہوئے ہو اور میرے پاس نہیں آئے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کافی دن سے تم یہاں مقیم ہو۔"

میں نے جواب دیا "میں آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوا لیکن حاجب نے مجھے شرفِ زیارت حاصل کرنے کا موقع نہ دیا، حالانکہ میں اسی طرح آیا تھا جس طرح اس وقت آیا کرتا تھا جب آپ منصبِ قضا پر فائز نہیں ہوئے تھے۔"

یہ سنکر امام محمدؒ مغموم اور متاسف نظر آنے لگے، پھر فرمایا: "میرے کس حاجب نے تمہیں میرے پاس آنے سے روکا تھا؟"

میں نے سوچا یہ ضرور اس حاجب کو سزا دیں گے، لہٰذا میں نے جواب دیا "اب میں اسے کیا پہچانوں؟ بہر حال کوئی حاجب ہی تھا۔"

امام صاحبؒ میرا مقصد سمجھ گئے، انہوں نے فرمایا: "اگر تم اس حاجب کی نشاندہی نہ کرو گے تو میں سارے حاجبوں کو برطرف کر دوں گا۔"

میں نے عرض کیا "یہ تو آپ ظلم کریں گے کہ جس حاجب نے مجھے روکا ہے اس

Marfat.com

کے علاوہ دوسرے حاجبوں کو بھی سزا دیں۔"

یہ سنکر امام صاحبؒ نے جملہ حاجبوں کو طلب کیا اور آئندہ مجھے روکنے سے منع کر دیا، پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا "تم جب چاہو آؤ کوئی روک ٹوک نہیں کی جائے گی، آکر اس پردے کے سامنے کھڑے ہو جاؤ جس کے پیچھے بیٹھ کر میں کام کیا کرتا ہوں، یہاں پہنچکر ذرا کھنکھار لیا کرو اور سلام کیا کرو، اگر میں اس حالت میں ہوں گا کہ تمہیں بلالوں، تو اندر بلالوں گا لیکن اگر اس حالت میں نہ ہوا تو تمہیں روک دوں گا، پھر بے شک تم واپس جا سکتے ہو۔"

اس کے بعد میرا یہ معمول ہو گیا کہ جب چاہتا امام صاحبؒ کے دولت کدے پر پہنچ جاتا۔ بہت سے لوگ اذنِ حاضری کے منتظر کھڑے ہوتے اور دربان ان کے روک ٹوک کر رہے ہوتے مگر مجھ سے کوئی کچھ نہ کہتا۔ میں سیدھا پردے تک پہنچ جاتا، کھنکھارتا، پھر سلام کرتا، اکثر ایسا ہوتا کہ میری کھنکھار سنکر امام صاحبؒ فرماتے: "ابو محمدؒ آجاؤ"۔ میں اندر چلا جاتا اور جب تک جی چاہتا بیٹھتا اور باتیں کرتا۔ کبھی کبھی جب وہ بہت مصروف ہوتے تو فرما دیتے: "ابو محمدؒ! اس وقت نہیں!" تو میں واپس چلا جاتا۔

عیسیٰ بن ابانؒ معترض تھے جب درسی افادات سُنے تو امام محمدؒ کے ہو رہے

امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ حدیث پر اتنا ہی عبور و دسترس اور اتنی ہی وسیع نظر رکھتے تھے جس قدر کہ ایک بالغ نظر محدّث کی ہونی چاہیئے، اور ہے بھی یوں کہ کتابِ الٰہی اور حدیثِ نبوی کے حقائق اور معارف پر اگر آدمی کی نظر نہ ہو تو وہ فقیہ بن ہی نہیں سکتا، البتہ یہ بات ضرور تھی کہ حضرات ائمہ احنافؒ الفاظ سے زیادہ معنیٰ پر نظر رکھتے تھے۔

ائمہ احنافؒ کے بارے میں بعض حلقے جو معاندانہ پروپیگنڈے کی اُدھار کھائے بیٹھے ہیں اور لکھ لکھ کر یا بول بول کر لوگوں کو یہ باور کراتے رہتے ہیں کہ احناف کا حدیث

؎ بلوغ الامانی ص۴۷

Marfat.com

سے کوئی ربط و تعلق نہ تھا بلکہ یہ لوگ مخالفِ حدیث تھے۔ یہ کس قدر غلط اور بے بنیاد بات ہے، اس کا اندازہ آپ اس ایک واقعہ سے لگالیں جو صیمریؒ نے امام محمد بن سماعہؒ کی زبانی نقل کیا ہے:۔

ایک مرتبہ عیسیٰ بن ابانؒ[1] ہمارے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، جب ان پر میری نظر پڑی تو میں دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگا کہ یا اللہ! امام محمد بن الحسنؒ کو یہاں بھیج دے کیونکہ ان لوگوں نے ہمارے بارے میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ ہم حدیث کے مخالف ہیں، عیسیٰؒ تو بہت بڑے محدث تھے اور ان کا شمار بہترین حفاظ حدیث میں ہوتا تھا۔ اتفاق سے ایک روز انہوں نے صبح کی نماز ہمارے ساتھ پڑھی، اسی روز امام محمدؒ نے درس دینا تھا، چنانچہ میں نے غنیمت جانا اور عیسیٰؒ کے ساتھ ہولیا، ایک لمحہ کے لیے بھی میں نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ہم امام محمدؒ کی درسگاہ میں پہنچ گئے، ان کے درسی افادات سنے، جب امام محمدؒ درس سے فارغ ہوئے تو میں نے عیسیٰ بن ابانؒ کو ان کے قریب کر دیا اور تعارف کراتے

---

[1] عیسیٰ بن ابانؒ علم کے پہاڑ تھے "کتاب الحجۃ علیٰ اہل المدینہ" کی امام محمد بن الحسنؒ سے روایت کی ہے، انہوں نے ایک کتاب بھی تالیف کی جس کا نام "الحج الصغیر" ہے، اس کتاب میں انہوں نے عیسیٰ بن ہارون ہاشمیؒ کے خیالات و آراء کا رد کیا ہے جس زمانہ میں مامون طلب حدیث کر رہا تھا اسی زمانہ میں عیسیٰ بن ہارونؒ بھی طلب حدیث میں ان کے رفیق تھے۔ ہاشمیؒ نے درحقیقت امام ابو حنیفہؒ کے رد میں لکھی اور اس میں دعویٰ یہ تھا کہ امام ابو حنیفہؒ احادیث صحیحہ کے خلاف عمل کرتے ہیں خود مامون بھی اس کتاب سے متاثر تھا اور وہ علماء وقت سے کہتا تھا کہ وہ کتاب ہاشمی کے معیار اور پایۂ استناد کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کریں تو اسمٰعیل بن حمادؒ، بشرؒ اور یحییٰ بن اکثمؒ نے اس کے رد میں کتابیں لکھیں لیکن کوئی ایک کتاب بھی مامون کو متاثر نہ کر سکی، البتہ ان کتابوں میں سب سے زیادہ جس کتاب کو مامون نے پسند کیا وہ عیسیٰ بن ابانؒ کی "الحج الصغیر" تھی۔ (اخبار ابی حنیفہؒ و اصحابہ للصیمریؒ) عیسیٰ بن ابانؒ کی اس کے علاوہ دیگر مصنفات بھی ہیں ان میں ایک "الحج الکبیر فی الرد علی الشافعیؒ" بھی ہے۔ یہ کتاب بھی اتنی اہم اور معرکۃ الآراء ثابت ہوئی کہ اسکے بعد امام شافعیؒ عراق میں قیام نہ کر سکے کیونکہ اب ان کیلئے "قدیم" کی نشر و اشاعت کا کوئی امکان باقی نہیں رہ گیا تھا الغرض امام عیسیٰ بن ابان علم فقہ کے پہاڑ تھے جس کی بلندی اور عظمت کے سامنے سب سر جھکاتے تھے۔ (بلوغ الامانی ص ۴۹)

Marfat.com

ہوئے عرض کیا حضرت! یہ آپ کے برادر زادہ عیسیٰؒ ہیں جو ابان بن صدقہ کے برخوردار ہیں بڑے ذہین، ذکی اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین حافظ ہیں، میں انہیں آپ کی خدمت میں لانا چاہتا تھا مگر یہ انکار پر اصرار کرتے رہے اور یہ کہہ کر بات ٹال جاتے تھے کہ :-

انتم تخالفون الحدیث ۱	تم لوگ (احناف) حدیث کے مخالف ہو۔

امام محمدؒ نے یہ سنا تو عیسیٰؒ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیوں عزیز! کس بنیاد پر تم نے ہمارے بارے میں یہ رائے قائم کر رکھی ہے کہ ہم حدیث کی مخالفت کرتے ہیں؟ جب تک اصل واقعہ کی تمہیں براہِ راست واقفیت نہ ہوتی اور تم نے بالمشاہدہ خود ہی کوئی ایسی بات جو حدیث کی مخالفت میں ہوتی نہ سن لی ہوتی تمہیں اتنا بڑا الزام نہیں عائد کرنا چاہیئے تھا؟

عیسیٰ بن ابانؒ نے امام محمدؒ کا ارشاد سنا تو دل میں شکوک و شبہات اور جو سوالات تھے وہ زبان پر لے آئے، لکھا ہے کہ :-

فسألہ یومئذٍ عن خمسۃ و عشرین باباً من الحدیث۔	عیسیٰ بن ابانؒ نے امام محمدؒ سے حدیث کے پچیس ۲۵ ابواب دریافت کیے۔

تو امام محمدؒ بڑی خندہ پیشانی، صفائی اور روانی کے ساتھ جواب مرحمت فرماتے رہے اور تصریح کے ساتھ بتاتے رہے کہ ان میں سے کون کون سی حدیثیں منسوخ ہیں، پھر جن حدیثوں کو انہوں نے منسوخ قرار دیا اس پر انہوں نے ناقابلِ انکار دلائل اور شواہد بھی قائم کیے۔

محمد بن سماعہؒ کہتے ہیں کہ جب مجلس اختتام کو پہنچی اور عیسیٰ بن ابانؒ امام محمدؒ کی درسگاہ سے باہر نکل آئے تو میری طرف متوجہ ہو کر بیساختہ کہنے لگے :-

کان بینی و بین النور ستر فارتفع عنی ما ظننت ان فی ملک اللہ مثل ھذا الرجل یظھر للناس ۲	میرے اور نور کے درمیان ایک پردہ حائل تھا آج وہ اٹھ گیا، میرا خیال ہے کہ اللہ تعالےٰ کی اس وسیع دنیا میں آج امام محمدؒ کا سا یکتا اور بے ہمتا محدث کوئی نہیں ہے۔

۱ بلوغ الامانی ص۴۸ ۲ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری ص۱۳۲

Marfat.com

اس کے بعد عرصہ دراز تک عیسیٰ بن ابانؒ امام محمدؒ کے دامنِ علم سے وابستہ ہو گئے اور پھر ان ہی کے ہو کر رہے یہانتک کہ فقہ میں دستگاہ کامل حاصل کرلی۔

امام احمد بن حنبلؒ امام محمدؒ کی کتابوں سے استفادہ کا اعتراف کرتے ہیں

امام شافعیؒ تو خیر امام محمدؒ کے شاگرد تھے لیکن امام احمد بن حنبلؒ جیسے امام جو فقہ سے زیادہ حدیث کے ماہر تھے بلکہ امام احمد بن حنبلؒ تو فقہ کو لفظی طور پر بھی حدیث کا تابع رکھنا چاہتے تھے، جن کی ساری عمر تحقیق اور تدقیق حدیث ہی میں گذری ہے وہ امام محمدؒ کے علم و تفقہ اور عظمت و جلالت کے اعتراف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں، امام احمد بن حنبلؒ نہایت ہی حسین اور شاندار الفاظ میں امام محمدؒ کے لیے کلماتِ تحسین و ستائش استعمال کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں باحوالہ شہادت نقل کر دیتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے جس قدر صاف اور صریح الفاظ میں امام محمدؒ کی دقتِ نظر، تحقیق و تجسس مسائل اور عربیت پر پورے عبور کا اعتراف کیا ہے وہ ان کی جہاں عالی ظرفی کا ثبوت ہے وہاں اس حقیقت کا بھی گواہ ہے کہ امام محمدؒ کا علم کتنا گہرا اور کس درجہ کشش انگیز تھا کہ جو تھا وہ اس کی طرف کھنچا چلا آرہا تھا۔

ابراہیم الحربیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ کو مسائلِ فقہ پر گفتگو کرتے دیکھا تو متحیر ہو کر پوچھا "یہ دقیق مسائل آپ نے کہاں سے حاصل کیے ہیں؟" امام احمد بن حنبلؒ نے جواب دیا۔

قال من کتب محمد بن الحسنؒ [1] | امام محمد بن الحسنؒ کی کتابوں سے۔

ائمہ احناف اور امام محمدؒ کا مسلکِ اعتدال

امام محمدؒ، آپ کے رفقاء، اساتذہ، طلبہ اور حنفیہ مکتبِ فکر جس عقیدے پر سختی سے عامل تھا وہ سلف صالحین کا عقیدہ تھا اور اس سے سرِمو انحراف کرنا ان کے نزدیک معصیت تھا۔ امام محمدؒ نے اگرچہ فقہ اور اصولِ فقہ میں بڑی باریک بینی اور ژرف نگاہی سے کام لیا ہے

---

[1] مناقب کردری ص ۳۳۴

Marfat.com

لیکن ایک مومن فانت کی طرح وہ بڑی سختی سے سلف صالحین کے راستے پر گامزن تھے اور اس سے بال برابر بھی نہیں ہٹتے تھے، نہ ان لوگوں سے کسی طرح کی مداہنت کرتے تھے. جو ایسے مسائل میں اپنی رائے سے کام لیتے ہیں اور سنتِ رسولؐ کے برعکس صفاتِ الٰہی کے بیان میں اپنی عقل کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں اور اس پر ذرا بھی غور نہیں کرتے کہ ان کا یہ مسلک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے، بتلائے اور سکھائے ہوئے راستہ سے قطعاً مختلف بلکہ مخالف ہے۔ زندگی کے آخری سانس تک وہ پوری صداقت اور ثبات وعزم کے ساتھ اس مسلک پر عامل اور اسی عقیدہ کے قائل رہے۔

امام محمدؒ کے سامنے جب ذات وصفات کے اختلافی اور نزاعی اور بعض فروعی مسائل پیش کیے گئے تو انہوں نے بھی امام ابوحنیفہؒ کی طرح ہمیشہ ایسے مسائل میں یا تو اعتدال کی راہ اختیار کی یا سلف صالحین کی طرح تحقیق اور تدقیق سے گریز کرتے رہے، جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے ان پر جہمی اور مرجی ہونے کا الزام بھی لگایا جو سراسر غلط فہمی پر مبنی تھا۔ آپ کا مسلک کیا تھا اور اصل حقیقت کیا ہے۔ ذیل میں ہم اس سلسلہ کی ایک دو روایتیں نقل کیے دیتے ہیں، بقیہ تفصیلات کتب مطولات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ "دفاع ابوحنیفہؒ" میں بھی قدرے تفصیل سے اس کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں اپنے مسلک کی توضیح کرتے ہوئے امام محمدؒ فرماتے ہیں:۔

مذھبی و مذھب الامام (ابی حنیفہؒ) وابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنھم واحد [1]	میرا اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب وہی ہے جو ابوبکر کا تھا، عمر کا تھا، عثمان کا تھا اور علی کا تھا۔ رضی اللہ عنہم

ابوعبید اللہ بن ابی حنیفہ الدبوسیؒ کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے سنا ہے وہ فرما رہے تھے کہ شرق وغرب کے تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ قرآن پر اور

---

[1] مناقب کردری ص۴۳۵۔ بلوغ الامانی ص۱۶۵ میں علامہ زاہد الکوثریؒ نے حسن بن زیادؒ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں امام ابویوسفؒ کا نام بھی ہے۔

Marfat.com

اُن احادیث پر جو ثقات سے مروی ہیں اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کی صفت بیان فرمائی ہے، پر بغیر کسی تفسیر و تشبیہ اور توصیف کے ایمان رکھنا چاہیئے۔ جو شخص ان چیزوں کی تفسیر و توضیح کرتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور سلف کے طریقہ سے علیحدہ روش اختیار کرتا ہے اس لیے کہ وہ اس کی توضیح و تفسیر نہیں کرتے تھے، جو کچھ کتاب و سُنت میں تھا اُس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے پھر خاموش ہو جاتے تھے۔ جس شخص نے جہم بن صفوان کی پیروی کی وہ سلف کی جماعت سے خارج ہو گیا اِس لیے کہ جہم اللہ تعالےٰ کو ان اوصاف سے متصف کرتا تھا جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے[1]

ان روایات سے پورے طور پر واضح ہو گیا کہ امام محمدؒ کو اعمال اور عقائد میں کتاب و سنت کے اتباع اور سلف صالحین کے اسوہ کا کتنا خیال رہتا تھا۔ امام محمدؒ کی تمام سیرت اور زندگی امت کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے۔ خود مسلمانوں میں بعض اعتقادی مسائل ہمیشہ سے متنازعہ فیہ رہے ہیں، اور اختلاف اتنا بڑھا ہے کہ بعض اوقات نوبت کشت و خون اور جنگ و جدال تک آجاتی ہے۔ تکفیر کے حربوں کے علاوہ شمشیر و خنجر اور تیغ و سنان کا استعمال بھی بے محابا کیا گیا، مگر یہ مسائل جب امام محمدؒ کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے جن خیالات کا اظہار فرمایا اُن میں نہ کوئی تلخی ہے نہ جوش، سادگی اور صفائی کے ساتھ اس مسلک کی توضیح کر دی ہے جو سلف صالحین کا تھا اور قرآن و سنت کے مطابق تھا اور یہ انداز امام محمدؒ ہی اختیار کر سکتے تھے جن کو اللہ تعالےٰ نے تدبر و تعقل اور فکر صائب کی دولت سے نوازا تھا۔

امام محمدؒ بہترین ذہنی اور دماغی صلاحیتوں کے مالک تھے

عام طور پر فقہی تحزب کے لوگوں کو اپنے حلقے کے علاوہ دوسرے حلقے کے ائمہ اور مجتہدین سے ایک طرح کی کدسی ہو جاتی ہے اور وہ ان کے فضل و کمال کے اعتراف میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ گو یہ صورت امام محمدؒ کے ساتھ بھی تھی،

---

[1] بلوغ الامانی ص۱۵

Marfat.com

بعض اہل ہواء نے ان کے خلاف داستانیں تک وضع کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا جن کو حقیقت اور واقعیت سے دور کا بھی تعلق نہ تھا، مگر یہ خصوصیت صرف امام محمدؒ کو حاصل ہے کہ ان کے خلاف کم اور ان کی تعریف وتحسین اور اعترافِ فضل وکمال میں بہت کچھ کہا اور لکھا گیا ہے۔ امام محمدؒ کے فضل وکمال، دقتِ نظر، وسعتِ علم، تحقیق وتدقیق اور ملکۂ اجتہاد کا یہ عالم تھا کہ خود ان کے حلقہ کے لوگوں کے علاوہ فقہ اسلامی کے دوسرے مکاتب فکر کے ائمہ اور مجتہدین بھی جوش وخروش کے ساتھ ان کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

ابن ابی العوامؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام مالکؒ کی خدمت میں اصحاب حدیث حاضر تھے تو انہوں نے فرمایا: "مشرق کی طرف سے ہمارے پاس کوئی ایسا شخص نہیں آیا جو ایسی ذہنی اور دماغی صلاحیتیں رکھتا ہو جیسی یہ نوجوان رکھتا ہے، اس جماعت میں امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ بھی تشریف فرما تھے، میری نظریں ان پر جمی ہوئی تھیں اور امام مالکؒ انہی کی طرف اشارہ کر رہے تھے"[1]

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ امام مالکؒ کے پاس آنے والوں میں ابن المبارکؒ، وکیعؒ اور عبدالرحمٰنؒ بن مہدی جیسے اجل علماء بھی تھے لیکن امام مالکؒ نے ان سب پر جس کی ذکاوت وذہانت کو ترجیح دی وہ امام محمدؒ کی ذات ہے۔

داؤد طائیؒ، ابو عبیدؒ، محمد بن سلامؒ اور عیسیٰ بن ابانؒ کا خراجِ تحسین

ایک اور اہم خصوصیت جو امام محمدؒ کو دوسرے معاصرین سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ لوگ فقہ میں ایک مخصوص مکتب فکر کے ترجمان اور داعی اور اپنے مسلک پر سختی سے عامل تھے اور ہمہ تن اسی کی ترویج وتبلیغ میں بھی مصروف رہتے تھے۔ اسی سلسلہ میں مناظرے بھی کیے اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید بھی انہیں کرنی پڑتی تھی، لوگوں کی نکتہ چینی اور طعن واعتراض کے ہدف بھی وہ بنائے جاتے تھے،

---

[1] بلوغ الامانی ص۵۷

Marfat.com

ان کے افکار و خیالات اور آراء و نظریات پر حرف گیری بھی ہوتی تھی، مگران تمام باتوں کے باوجود امام محمدؒ کے علمی مرتبے، ان کی فکر عالی، ان کے ذہن رسا اور ان کی فکر و نظر کی تعریف اور تحسین بھی کی جاتی تھی۔ ان کی ہمہ گیر، یکتا اور یگانہ خصوصیتوں کا سب کو اعتراف تھا، انکی انفرادیت اور تشخص پر سب متفق تھے۔ وہ گوناگوں فضائل و محاسن اور کمالات و صفات کے اعتبار سے اپنے معاصرین اور ہم کار لوگوں میں اپنی مثال آپ تھے۔ ابتدائے روز سے ان کی پیشانی سے سعادتمندی اور نیک بختی کا روشن ستارہ نمایاں تھا۔

امام داؤد طائیؒ نے انہیں نوعمری میں دیکھا تو مستقبل کو تاڑ گئے، چشم بصیرت سے ان کے مستقبل پر نظر پڑی تو ارشاد فرمایا:۔

ان عاش فسیکون له شان له	یہ نوجوان اگر زندہ رہا تو مستقبل اسی کے ہاتھ رہے گا۔

صیمریؒ نے اپنی سند کے ساتھ ابو عبیدؒ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:۔

ما رایت احدا اعلم بکتاب الله من محمد بن الحسن ؎	امام محمدؒ سے زیادہ کتاب الہٰی کا عالم اور رمز شناس کسی اور کو میں نے نہیں دیکھا

محمد بن سلامؒ تو امام محمدؒ کے تلمذ اور استفادہ پر فخر کیا کرتے تھے اور بڑے مزے لے لے کر کہتے کہ "میں نے امام محمدؒ کی کتابوں کی تحصیل و حصول پر دس ہزار درہم خرچ کیے اگر میرے حالات اجازت دیتے تو میں اپنا سارا وقت صرف ایک ہی شغل میں صرف کرتا یعنی امام محمدؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا"[۳]

ایک مرتبہ عیسیٰ بن ابانؒ سے دریافت کیا گیا کہ دونوں میں زیادہ فقیہ کون ہے، امام ابو یوسفؒ یا امام محمدؒ؟ جواب میں فرمایا: "دونوں کی کتابوں کا بنظرِ غائر ایک مرتبہ مطالعہ کر ڈالو خود ہی معلوم کر لو گے کہ ان دونوں میں امام محمدؒ بہت بڑے فقیہ ہیں"۔

اسلامی کتب خانہ بہت وسیع ہے، دنیا کے تمام ادیان و مذاہب، اسلامی فقہ،

؎ بلوغ الامانی ص۵۷ ؎۲ ایضاً ؎۳ ایضاً

Marfat.com

قوانین پر مشتمل کتب کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ تفسیر و حدیث اور فقہ و اصول پر وقت کے بہت سے ائمہ اور مجتہدین نے قلم اٹھایا ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ ان کا یہ علمی سرمایہ بڑا قیمتی اور گراں بہا ہے ــــ لیکن امام محمدؒ نے ان موضوعات پر جو کچھ لکھا ہے وہ سرمۂ چشم صاحب نظراں کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے علوم و فنون اور فقہ و قانون پر گرانقدر اور جامع مصنفات اور مؤلفات اپنی لافانی یادگار چھوڑے ہیں جو مخالف اور موافق ہر طبقہ اور ہر حلقہ میں متداول ہیں اور جن سے کوئی بھی ایسا نہیں جو استفادہ پر مجبور نہ ہو۔

امام محمدؒ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے علوم و معارف کے ترجمان تھے

محمد بن سعدؒ کی شہادت ہے وہ امام محمدؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: "امام محمدؒ کی نشو و نما کوفہ میں ہوئی انہوں نے طلب علم اور طلب حدیث یہیں کی اور یہاں کے مشائخ سے سماعت بھی کی۔ امام ابو حنیفہؒ کی مجلس علم میں پہنچے ان سے سماعت بھی کی اور ان سے اس قدر متاثر ہوئے کہ پھر انہی کے ہو رہے قیاس اور رائے میں ان کی گہرائی اور دقت نظر سے وہ بے حد متاثر تھے، چنانچہ ان ہی کا کلمہ پڑھنے لگے اور پھر ان ہی کے علوم و معارف کے ترجمان بن گئے۔ پھر وہ بغداد میں آئے تو یہاں لوگوں کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ ان کی دید کے لیے جمع ہو گیا، لوگ جوق در جوق ان کی خدمت میں سماعت حدیث و رائے (فقہ) کے لیے آنے لگے۔"[1]

---

[1] بلوغ الامانی ص ۵۸، ۵۹ ــــ امام محمدؒ کا فضل و کمال اور بلوغ فکر و نظر حاسدین و مبغضین کو ایک نظر نہ بھایا اور انہوں نے عالیمقام امام کے خلاف زبان طعن دراز کر دی۔ ابن دقیق العیدؒ کہتے ہیں کہ: "اس طرح کے اہل جرح جہنم کے دہانے پر کھڑے ہیں"۔ البدر العینیؒ کی روایت ہم یہاں "معانی الآثار" سے نقل کر دیتے ہیں تاکہ حقائق اور واقعات بھی سامنے رہیں۔ لکھتے ہیں کہ سبط ابن الجوزیؒ نے "مرآۃ الزمان" میں لکھا ہے کہ: "علماء سیر کا قول امام محمدؒ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ امام العصر تھے۔ جمیع علوم و فنون میں حجت اور سند کا درجہ رکھتے تھے، کتاب الفقہاء میں ان کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ سے جو اقوال منسوب ہیں وہ قطعاً غلط ہیں، یہ دونوں امام اس سے کہیں ماوراء تھے کہ امام محمدؒ جیسے بلند مرتبت اور عالی منزلت امام دوراں کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کریں، حالانکہ یہ دونوں امام صاحبؒ کے علم و فضل اور کمال سے اچھی طرح واقف تھے

(باقی حاشیہ ص ۲۵۷ پر)

Marfat.com

امام محمدؒ نہایت رقیق القلب اور آخرت کے خوف سے لرزاں رہتے تھے۔ وفات سے کچھ دیر پہلے آپ پر گریہ طاری ہوا۔ اس قصہ کو امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہشامؒ بن عبیداللہ امام محمدؒ کا میزبان تھا اسی کے گھر پر ان کا انتقال ہوا۔[1]

ہشامؒ کا بیان ہے کہ امام محمدؒ پر جب نزع کا عالم طاری تھا میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ رو رہے ہیں، گریہ طاری ہے، میں نے عرض کیا۔

اتبكي مع العلم؟

اس علم وفضل کے باوجود آپ روتے ہیں۔

امام محمدؒ نے جواب دیا۔

فقال لي! ان اوقفني الله تعالىٰ فقال ما اقدمك الرى الجهاد في سبيلي ام ابتغاء

جس وقت میں بارگاہِ قدس میں کھڑا کر دیا جاؤں گا اور مجھ سے کہا جائے گا کہ مقام رے تک کونسی چیز لائی ہے، رضائے الٰہی کی جستجو اور تلاش

(بقیہ حاشیہ ص۲۵۶ سے) اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے امام محمدؒ کے علم وفضل اور کمال کے اعتراف میں ذرا بھی بخل سے کام نہیں لیا ہے بلکہ نہایت صاف اور واضح الفاظ میں ان کی صفت اور ثنا بیان کی ہے، مدح وتحسین کے الفاظ استعمال کیے ہیں، یہ دونوں بزرگ اچھی طرح جانتے تھے کہ دیانت وامانت، زہد وورع، ثقاہت وصداقت اور فضل وکمال کے اعتبار سے امام محمدؒ کا پایہ کیا تھا اور ان کے مناقب اتنے زیادہ ہیں کہ حدِ بیان میں لانا آسان نہیں۔ باقی رہا امام محمدؒ اور واقدیؒ کا معاملہ یا امام محمدؒ کا "کتاب السیر" میں واقدیؒ سے روایت کے مطاعن واعتراضات، تو بھی یہ محض بودے سوالات ہیں کیونکہ یہ امام محمدؒ اور واقدیؒ کا معاملہ اقران وامائل کا تھا، دونوں ایک دوسرے سے اپنے علم اور معلومات کے سلسلہ میں بے نیاز نہیں ہو سکتے تھے۔ مغازی میں امام محمدؒ واقدیؒ سے کس طرح بے نیاز ہو سکتے تھے جبکہ امام ابو یوسفؒ مغازی میں محمد بن اسحٰقؒ سے بے نیاز نہیں رہ سکے؟ بھلا امام محمدؒ جیسے جلیل القدر امام کے بارے میں عقیلی اور ابن عدی وغیرہ کو کس طرح حَکَم بنایا جا سکتا ہے جن کا شمار اذیالِ حشویہ میں بجا طور پر کرنا چاہیے، امام محمدؒ ہوں یا دوسرے ائمہ احنافؒ، وہ صرف لفظ کو نہیں دیکھتے تھے معنیٰ کو بھی دیکھتے تھے، ان کی نظر پوست پر بھی تھی لیکن مغز پر اس سے زیادہ تھی الفاظ کے پیچھے پڑ کر انہوں نے سنگین حقائق سے منہ نہیں موڑا بلکہ ان حقائق کا مقابلہ کیا اور یہ مقابلہ کتاب اللہ اور سنتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم واعتقاد پر مبنی تھا۔

[1] جواہر مضیئہ جلد ۲ ص۵۲۴ ومناقب ابی حنیفہؒ وصاحبیہ للذہبیؒ ص۵۶ ومناقب کردری ص۴۲۱

Marfat.com

مرضاتی ماذا اقول؟ [1] | یا جہاد فی سبیل اللہ؟ تو میں اس وقت کیا جواب دونگا؟

اس کے بعد امام محمدؒ کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنے رب سے جا ملے۔

امام محمدؒ علم کی ڈھال تھے

احمد بن رجاءؒ کی روایت ہے کہ میرے والد نے فرمایا کہ میں نے امام محمد بن الحسنؒ کو ایک مرتبہ خواب میں دیکھا تو اُن سے سوال کیا کہ آپ کے رب نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ امام محمدؒ نے فرمایا:
"خدائے بزرگ و برتر نے مجھے جنت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا "میں نے تجھے علم کی ڈھال بنایا ہے، تجھے میں عذاب نہیں دیتا۔"

اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا۔
"یہ علم جو تیرے اندر ہے اس کے باعث ہم تجھے بخشتے اور جنت عطا کرتے ہیں [2]۔"

امام محمدؒ کی وفات پر ہارون رشید کا ماتم!

امام محمدؒ اور امام کسائیؒ کا انتقال رَے میں ہوا، یہ واقعہ ۱۸۹ھ کا ہے۔ ابن سعدؒ، خطیبؒ اور ابن الخیاطؒ وغیرہ سب اس پر متفق ہیں۔ جب خلیفہ ہارون رشید کو امام فقہ امام محمدؒ اور لغت و قواعد کے امام، امام کسائیؒ کے حادثۂ انتقال کی خبر پہنچی تو خلیفہ ہارون رشید نے حد درجہ اضطراب و الم کے ساتھ کہا کہ:

> ہم نے رَے میں فقہ اور عربی زبان دانی کو دفن کر دیا۔

پہلے امام محمدؒ کا انتقال ہوا، اس کے دو روز بعد امام کسائیؒ نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔
ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام محمدؒ اور امام کسائیؒ دونوں کا انتقال ایک ہی دن میں ہوا۔
الکردریؒ نے مناقب میں لکھا ہے کہ ابوالحسن علی بن موسیٰ القمیؒ کہتے ہیں کہ "امام محمدؒ قلعہ رَے

---

[1] رَے میں امام محمدؒ کے آنے کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ ہارون رشید جب رافع بن اللیث سے مقابلہ کرنے کے ارادہ سے سمرقند کی طرف کوچ کر رہا تھا تو امام محمدؒ اس سفر میں خلیفہ کے ساتھ تھے۔

[2] بلوغ الامانی ص۱۷۔ اس سلسلہ کی تفصیلی روایت ہم نے اسی کتاب کے ص پر درج کر دی ہے۔

Marfat.com

سے متصل جبلِ طبرک کے مقام پر دفن ہوئے۔ ہشام بن عبیداللہ الرازیؒ کے مکان سے بالکل قریب، کیونکہ آپ انہی کے ہاں مقیم تھے اور وہی ان کے میزبان تھے۔ اور امام کسائیؒ ایک قریہ جس کا نام "رنبویہ" ہے، میں دفن کیے گئے۔ جبل طبرک اور رنبویہ کے مابین چار فرسخ کا فاصلہ ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ امام محمدؒ اور امام کسائیؒ دونوں کے مقام دفن سے خلیفہ ہارون رشید کے معسکر (چھاؤنی) کا فاصلہ بھی چار فرسخ تھا۔[1]

جب ہارون رشید کی رَے سے واپسی ہوئی تو بڑے حسرت و افسوس سے کہنے لگا کہ رَے بھی عجیب بلد مشؤم ہے جب میں اس میں داخل ہوا تو میرے ساتھ امام محمدؒ اور امام کسائیؒ کی صورت میں فقہ و ادب کے خزانے تھے اور جب واپس ہو رہا ہوں تو ان میں سے کوئی بھی ہمارا رفیق نہیں۔[2]

شمس و قمر

مرغینانیؒ کی روایت ہے کہ محمد بن سلامؒ نے ایک مرتبہ اپنا خواب بیان کیا، کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے شمس و قمر کو خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ٹوٹ کر زمین پر آگرے ہیں۔ اس کے بعد ابھی دو ماہ نہیں گذرے تھے کہ امام محمدؒ اور امام کسائیؒ ایک دو دن کے فرق سے اس جہان فانی سے رحلت کر گئے۔[3]

امام محمدؒ کی بالغ نظری بے نظیر تھی

امام محمدؒ کو اپنے معاصرین میں فقہ اور اصول فقہ اور اس کے اسرار و غوامض میں غیر معمولی امتیاز حاصل تھا، وہ صرف ایک بلند پایہ عالم قرآن، ایک عالی مرتبت محدث اور والا منزلت فقیہ ہی نہ تھے بلکہ اپنے وقت کے امام اور بہت بڑے مجتہد بھی تھے، وہ درجۂ اجتہاد پر فائز تھے اور ان کی گرانقدر تصانیف اور مجتہدات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بالغ نظری اور دقت نظر واقعی بے مثل اور بے نظیر تھی۔

چنانچہ امام شافعیؒ کا یہ قول تو مشہور رہا ہے، جس کو اکثر تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے، فرماتے تھے میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرے استاذِ کامل تو امام مالکؒ تھے اور اس کے بعد

---

[1] مناقب کردری ص۴۲۱ [2] ایضاً [3] ایضاً

Marfat.com

جسے اپنا محسن اور استاد مانتا ہوں وہ امام محمد بن الحسنؒ الشیبانی کی ذاتِ گرامی ہے[1]

اور یہ مقولہ بھی امام شافعیؒ ہی کا ہے فرمایا کرتے کہ میں نے جو کچھ حاصل کیا وہ ایک بارِ شتر سے زیادہ ہے، اگر امام محمدؒ نہ ہوتے تو مجھے وہ علم حاصل نہ ہوتا جو امام محمدؒ کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ اور فقہ میں تمام لوگ اہلِ عراق کے عیال ہیں اور اہلِ کوفہ سب کے سب امام ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں[2]

امام محمدؒ کی ذہانت وفراست، قوتِ حافظہ اور دانش وبینش کے بارے میں کون تھا جو اُن کا مداح اور معترف نہ ہو اور ان کے فضائل وملکات کے اعتراف میں نغمہ سنج نظر نہ آتا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ امام محمدؒ کے مداحوں اور ثنا خوانوں میں ہر طبقہ اور ہر جماعت کے اکابر واصاغر اور ائمہ ومجتہدین نظر آتے ہیں، یہ سب ان کے بلوغِ نظر اور شعورِ بلند پرواز کے قائل ہیں اور بغیر کسی چناں وچنیں کے ان کے فضائل کا صاف، واضح اور غیر مشتبہ الفاظ میں اعلان کرتے ہیں جس کی جھلکیاں جگہ جگہ اس کتاب میں بھی قارئین ملاحظہ کرتے آئے ہیں۔

حلّت وحرمت اور ناسخ ومنسوخ کا سب سے بڑا عالم

امام محمدؒ مجتہد تھے اور اجتہاد بلند ترین منصب پر فائز تھے۔ خدا تعالیٰ کی مرحمت فرمودہ فطری صلاحیتوں اور وہبی استعداد نے انہیں اجتہاد میں ایک بلند رتبہ اور بلند مقام تک پہنچا دیا تھا۔ مجتہد کی شرائط اور اوصاف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ قرآن وحدیث پر اس حیثیت سے نظر رکھے کہ کون سی آیت یا حدیث منسوخ اور کون ناسخ ہے اور اسے اس بات کا بھی پورا علم ہو کہ قرآن وحدیث میں جو چیزیں حلال یا حرام کی گئی ہیں اُن کی علتِ مشترکہ کیا ہے تاکہ دوسری چیزیں جن میں حلّت یا حُرمت کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہے، ان پر حلال یا حرام ہونے کا حکم لگایا جا سکے۔ امام محمدؒ اس حیثیت سے بھی قرآنِ حکیم اور احادیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر مجتہدانہ نظر رکھتے تھے۔

---

[1] بلوغ الامانی ص۵۵ [2] ایضاً

Marfat.com

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ما رایت رجلاً اعلم بالحلال والحرام والناسخ والمنسوخ من محمدؒ لہ	میں نے امام محمدؒ جیسا ناسخ و منسوخ اور حلال و حرام اور ان کی علتوں کو جاننے والا نہیں دیکھا۔

امام شافعیؒ کی امام محمدؒ سے پہلی ملاقات، تاثرات اور واردات

امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے اپنی ملاقات، ان کے دیدار اور اپنے تاثرات اور واردات کا ذکر بڑے اثر انگیز اور دل میں اتر جانے والے انداز میں کیا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

پہلے پہل جب میں امام محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ اپنے حجرہ میں تشریف فرما تھے اور لوگ انہیں گھیرے ہوئے بیٹھے تھے میں نے ان کے چہرہ کی طرف اٹھائی تو ایسا محسوس کیا جیسے میرے سامنے ایک مرد رعنا متمکن ہے جس کے چہرے کی برنائی اور زیبائی اپنا جواب نہیں رکھتی۔

فاذا جبینۃ کانہ عاج ۲؎	پھر میری نظر پیشانی پر گئی یوں معلوم ہوا جیسے ہاتھی دانت کی ایک خوشنما تختی ہے۔

پھر میں نے ان کے لباس کی طرف دیکھا تو سب سے زیادہ جامہ زیب اور خوشنما لباس انہی کو پایا، پھر میں نے ان کے بعض مسائل کے بارے میں (جو اختلافی اور نزاعی تھے) سوال کیا، میرا خیال تھا کہ ان مسائل کے جواب میں ان کی کمزوری میری گرفت میں آ جائیگی یا ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکلیں گے جو ان کے فکر و نظر پر دال ہوں گے، لیکن میں نے دیکھا کہ وہ مسائل مبہمہ و مختلفہ کے حلقہ سے اس خوبی و صفائی اور تیزی کے ساتھ نکل گئے کہ

فمرّ کالسھم ۳؎	جیسے کمان سے تیر نکلتا ہے۔

انہوں نے اپنے مسلک کو پورے زور اور قوت اور اعتماد کے ساتھ بیان کیا،

لہ مناقب کردری ص۱۴۶ ۲؎ ایضاً ص۱۴۲ ۳؎ ایضاً

Marfat.com

نہ ان کے لب و لہجہ میں جھجک تھی اور نہ ان کے الفاظ میں ضعف اور کمزوری"

علامہ زاہد الکوثریؒ نے اس کے علاوہ بھی متعدد روایات امام شافعیؒ کی نقل کی ہیں فرمایا کرتے کہ "میں اکثر امام محمدؒ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا اور آپ کے پاس بیٹھا کرتا اور علم حاصل کیا کرتا تھا، میں نے ان کی کتابوں کی انہی سے سماعت کی ہے"[1]

امام محمدؒ کے اوصاف و خصائل اور کردار و سیرت کا ذکر کرتے ہوئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں "علم اور اسباب دُنیا کے سلسلہ میں کسی شخص کا بھی ممنونِ کرم نہیں ہوں، البتہ امام محمدؒ کا میرے ساتھ جن کا برتاؤ ہمیشہ رحم و کرم کا اور لطف و مروت کا رہا، جن کے اوقات ہمیشہ میری تعلیم و تدریس کے لیے وقف رہے"[2]

اور یہ بھی امام شافعیؒ کا قول ہے کہ "فتویٰ دینے کے فن میں امام محمدؒ یکتا تھے گویا یہ فن ان ہی کے لیے عالم وجود میں آیا تھا"

امام محمدؒ کے تحمل، بردباری اور علم و نظر کا بیان کرتے ہوئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

"میں نے امام محمدؒ کی مثل کوئی آدمی نہیں دیکھا، جب وہ بات کرتے تھے تو حکمت اور معرفت سے بھرپور، ناگوار اور ناپسندیدہ کو بھی سُن لیتے تھے اور تحمل و بردباری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے، کبھی اور کسی حالت میں بھی مشتعل نہیں ہوتے تھے"[3]

قرآن حکیم امام محمدؒ کی لغت میں اترا ہے

امام شافعیؒ کا قول ہے فرماتے ہیں "میں نے کوئی شخص امام محمدؒ جیسا نہیں دیکھا، جب وہ قرآن کریم کے معارف اور حقائق پر گفتگو کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے قرآن نازل ہو رہا ہے نہ کوئی حرف مقدم ہوتا تھا نہ مؤخر"[4]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ مزنیؒ سے ایک آدمی نے سلسلۂ گفتگو میں کہا کہ "محمدؒ" کا یہ قول ہے، انہوں نے پوچھا "محمد کون؟" اس نے جواب دیا "امام محمد بن الحسنؒ" یہ سُنکر فرمایا "مرحبا مرحبا! خدا اس شخص پر اپنی رحمت نازل کرے جس نے کان کو سماعت سے اور

---

[1] بلوغ الامانی ص۵۶ [2] ایضاً ص۲ [3] ایضاً ص۵ [4] ایضاً ص۵۵ و مناقب کردری ص۱۴۳

Marfat.com

اور قلب کو فہم سے معمور کر دیا۔[1]

خطیبؒ صحیح سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ:۔

لو اشاء ان اقول القرآن نزل بلغة محمد بفصاحته لقلت[2]

امام شافعیؒ نے فرمایا میں اگر چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ قرآن امام محمدؒ کی لغت میں اترا ہے یعنی از روئے فصاحت و بلاغت۔

پھر فرماتے ہیں جانتے ہو یہ کس کا قول ہے؟ "میں نے ابھی جو الفاظ امام محمدؒ کے بارے میں کہے وہ میرے نہیں امام شافعیؒ کے ہیں"

فصاحت اور بلاغت

امام شافعیؒ کا یہ قول بھی ہے کہ "میں نے امام محمد بن الحسنؒ سے زیادہ فصیح و بلیغ کوئی اور شخص نہیں دیکھا"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "میں نے کوئی موٹا تازہ آدمی روحانی اعتبار سے اتنا سبک بار نہیں دیکھا جتنے امام محمدؒ تھے، نہ ان سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی اور شخص کو پایا نہ ان سے زیادہ ہوشمند اور دانا کوئی اور شخص دکھائی دیا"[3]

امام محمدؒ عربی النسل نہیں تھے لیکن ان کی فصاحت و بلاغت اور عربیت کا تمام ائمہ فن کو اعتراف تھا۔ مذکورہ شہادتیں امام شافعیؒ کی ہیں جن کی عربی دانی مسلم ہے، اس کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

ظرافت اور بذلہ سنجی

امام محمدؒ اپنے حلم اور سنجیدگی کی وجہ سے کوئی ناملائم یا غیر مہذب الفاظ اپنی زبان پر نہیں لاتے تھے، کبھی کبھی مزاح کے جملے کہہ دیا کرتے تھے۔ کوئی مسجد گر کر خراب ہو گئی تھی، لوگوں نے امام ابو یوسفؒ سے اس کے بارے میں فتویٰ پوچھا، امام ابو یوسفؒ نے کہا وہ مسجد ہے اور اب گر جانے کے بعد بھی مسجد کے حکم میں ہے۔ ایک روز امام محمدؒ کا ادھر سے گذر ہوا، مسجد پر ان کی نظر پڑی کہ کوڑے کرکٹ

---

[1] بلوغ الامانی ص۵۵ [2] مناقب کردری ص۲۳۰ [3] ایضاً

Marfat.com

سے اٹی پڑی ہے، یہ دیکھ کر انہوں نے مزاحاً فرمایا۔

هٰذا مسجد ابی یوسف [1] | یہ ابویوسفؒ کی مسجد ہے۔

ذوقِ تلاوت، تدبر فی القرآن اور استخراج مسائل

علامہ ذہبیؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "امام محمدؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیاں اور صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ ذکاء مفرط، عقل تام، ذہن عالی، فکرِ رفیع اور چشمِ بینا نیز کثرتِ تلاوت قرآنِ کریم انکی خصوصیت تھی"۔

امام محمدؒ کا قول ہے کہ "میں نے احمد بن ابی عمران کو اپنے بعض اصحاب سے روایت کرتے سنا ہے کہ امام محمدؒ ایک شب و روز میں ایک تہائی قرآن پڑھ لیتے تھے"۔[2]

امام محمدؒ قرآن کے حافظ تھے، تلاوت ان کی غذا تھی، تدبر فی القرآن ان کے علم کی روح تھی، قرآن میں تدبر اور تفکر اور اس سے استخراج مسائل امام اعظمؒ کی درسگاہ کی خاص خصوصیت تھی اور امام محمدؒ میں یہ خصوصیت بدرجۂ اتم موجود تھی، چنانچہ خود فرمایا کرتے۔

استخرجت من کتاب الله نیفا والف مسئلة [3] | میں نے قرآنِ حکیم سے ایک ہزار سے کچھ زائد مسئلے مستنبط کیے ہیں۔

امام محمدؒ جب بولتے تو کانوں کو معمور اور دل کو پُرنور کردیتے تھے

مزنیؒ امام محمدؒ کے اصحاب کی ثنا و صفت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "یہ وہ لوگ تھے کہ خدا کی قسم! جب زبانِ تکلم کو یارائے سخن دیتے تھے تو کانوں کو معمور کر دیتے تھے اور جب فقہ و اصول پر گفتگو کرتے تھے تو فقہاء پر دروازے فہم و ذکاء کے کھول دیتے تھے جن تک ان کی رسائی نہ ہوتی تھی"۔ یہ کہہ کر مزنیؒ نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھا اور کہا: "خدا کی قسم! میں نے جو کچھ کہا ہے یہ امام شافعیؒ کے الفاظ ہیں جو میں نے خود اپنے کان سے اور ان کی زبان سے سنے ہیں بلکہ وہ تو اس سے بھی پُرزور الفاظ میں یہ خیالات ظاہر فرمایا کرتے ہیں"۔[4]

---

[1] مناقب کردری ص۴۳۲ [2] مناقب ابی حنیفہؒ وصاحبیہ للذہبی ص۵۹ [3] بلوغ الامانی ص۵۶

Marfat.com

امام شافعیؒ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ: "اگر لوگ فقہاء کے بارے میں انصاف سے کام لیں تو وہ یہ ماننے پر مجبور ہوں گے کہ انہوں نے امام محمدؒ کا سا عالم بے ہمتا کسی اور کو نہیں پایا، میں بہت سے فقہاء کی مجلس میں بیٹھا ہوں لیکن میں نے امام محمدؒ سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں پایا، وہ مسائل فقہیہ کا بیان بڑے اثر انگیز انداز میں کرتے تھے اور اسباب پر اس طرح روشنی ڈالتے تھے کہ دوسرے اکابر اس طرح بیان کرنے سے عاجز اور درماندہ تھے"[1]

قیاس کے مقابلہ میں حدیث کو ترجیح

اصحاب ابوحنیفہؒ میں امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور دوسرے ائمہ خاص منزلت کے حامل ہیں لیکن امام محمدؒ کو ان سب میں زیادہ منزلت حاصل ہے، اس لیے کہ وہ ایک طرف تو جملہ علوم اسلامیہ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، کلام، مناظرہ اور عقائد وغیرہ میں ملکۂ تام رکھتے تھے تو دوسری طرف خدا نے انہیں ایسی زبان اور ایسی تحریر دی تھی جو مشکل ترین اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی گرہ کشائی اس آسانی کے ساتھ کر دیتی تھی کہ کار دشوار سہل تر نظر آنے لگتا تھا اور بے رغبتی رغبت سے بدل جاتی تھی۔

جن لوگوں کو امام محمدؒ کے مطالعہ کرنے اور ان کو پہچاننے کا موقعہ نہیں ملا یا قصداً آنکھیں بند کر لیں، ان کی طرف سے یہ پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ امام محمدؒ یا حنفیہ مکتب فکر کے اساطین علم، حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے تھے ——— مگر یہ غلط ہے بلکہ حدیث کو قیاس پر ہر حالت میں ترجیح حاصل ہے۔ امام صاحبؒ اور ان کے اصحاب ثلاثہ سب اس کے قائل تھے لیکن انہوں نے حدیث احاد کے قبول کرنے کی کچھ شرائط اور حدود مقرر کر دی تھیں، انہی شرائط کی بناء پر لوگوں نے ان کی طرف سے بہت سی بدگمانیاں قائم کر لی تھیں لیکن اگر ان کے منشاء اور مقصد پر غور کر لیا جائے تو بدگمانی کی کوئی بات نہیں رہ جاتی۔ چنانچہ خود امام ابوحنیفہؒ نے متعدد بار اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی۔

---

[1] بلوغ الامانی ص۵۶

Marfat.com

—— عقود الجمان وغیرہ میں امام ابوحنیفہؒ کے بہت سے اقوال منقول ہیں۔ امام جعفر صادقؒ سے انہوں نے جو گفتگو کی تھی اُس میں بھی اس خیال کا اظہار تھا۔ ہماری کتاب "حیرت انگیز واقعات جلد اوّل" میں اسے تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے —— اور امام محمدؒ نے بھی اس بدگمانی کے ازالہ کی کوشش کی ہے، اس بحث میں کہ نماز میں قہقہہ ناقضِ وضو ہے یا نہیں! لکھتے ہیں:۔

لو ما جاء من الاثار کان القیاس ما قال اھل المدینۃ ولاکن لا قیاس مع اثر ولا ینبغی الا ان ینقاد للاثار[1]	اگر حدیث و آثار سے ثابت نہ ہوتا تو قیاس کا فیصلہ وہی ہوتا جو اہلِ مدینہ کا ہے لیکن حدیث و اثر کی موجودگی میں قیاس کوئی چیز نہیں ہے ہم کو صرف آثار ہی کی پیروی کرنی چاہیئے۔

امام محمدؒ اور تفریع مسائل

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جس فقہ کی تخم ریزی کی تھی اس کی آبیاری اور نشوونما میں تین بزرگوں امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ نے خاص طور پر حصہ لیا تھا، لیکن ان میں سے بھی پھر ہر ایک کی خصوصیت جُدا جُدا تھی۔ امام مزنیؒ نے ہر ایک کی خصوصیت پر بڑی اچھی رائے دی ہے۔ کسی نے ان سے اہل عراق کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا:۔

ابو حنیفہ سیدھم وابو یوسف اتبعھم للحدیث ومحمد ابن حسن اکثرھم تفریعاً وزفر احدھم قیاساً[2]	امام ابوحنیفہؒ اہلِ عراق کے سردار ہیں، امام ابویوسفؒ سب سے زیادہ متبع سُنّت ہیں، امام محمدؒ نے ان سب سے زیادہ مسائل کی تفریع کی ہے، امام زفرؒ نے سب سے زیادہ قیاس کیا ہے۔

فقہ میں امام محمدؒ کی اصل خصوصیت یہی تفریع مسائل اور تولید مسائل تھی۔

---

[1] بلوغ الامانی ص ۴۴ [2] تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۱۷۶

Marfat.com

تفریع کا مطلب یہ ہے کہ مستنبط مسائل کی علتِ مشترکہ تلاش کر کے اس کی روشنی میں دوسرے مسائل پیدا کیے جائیں۔ تفریعِ مسائل ہر شخص کا کام نہیں ہے، اس کے لیے دینی علوم میں تبحر، ادب و لغت سے واقفیت اور غیر معمولی ذہانت کی ضرورت ہے۔ امام محمدؒ میں یہ تمام خاصیتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ چنانچہ اگر لوگ مخالف اور معترض بن کر بھی ان کی مجلس میں پہنچتے تھے تو وہاں پہنچتے، بیٹھتے، ان کی تقریر دلپذیر اور تفریعِ مسائل سننے کے بعد جب اٹھتے تھے تو اس اعتراف کے ساتھ کہ اس علم و فضل اور دانش و بینش کا انسان آج تک ہماری نظر سے نہیں گذرا، پھر یہ دوسروں سے منہ موڑ کر صرف ایک ہی مجلس کے مکین بن جاتے تھے، یہ مجلس ہوتی تھی امام محمدؒ کی بزمِ علم و فضل اور محفلِ معرفت و عرفان۔

مسئلے کے غور نے عالم نزع کا احساس نہ ہونے دیا

امام محمدؒ کو اللہ تعالیٰ کی دوسری بہت سی نعمتوں کے ساتھ ایک نعمت علمی انہماک، لسانِ حق ترجمان کے ساتھ ساتھ بارگاہِ الٰہی سے انہیں قلم کی نعمت بھی عطا ہوئی تھی، انہوں نے فقہ و اصول پر، حدیث اور مسائلِ فقہ و حدیث پر بہت سی کتابیں لکھیں مختصر بھی اور طویل بھی۔ ان کتابوں میں خواہ یہ مختصر ہوں یا طویل اپنا مدعا اور منشا اس خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا غرقِ حیرت ہو کر ان کا مطالعہ کرتا ہے، پڑھتا جاتا ہے اور حیران ہوتا جاتا ہے کہ یہ شخص کس پایہ کا آدمی تھا، اس کی قلم میں کتنی جامعیت، اس کی تحریر میں کتنا اثر اور اس کے اندازِ انشاء میں کتنی کشش خدا نے بھر دی ہے، یہ نازک مسائل کو ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں، جب تک وہ اس کی تحریر کی روشنی میں نہ دیکھے جائیں سخت نازک اور پیچیدہ نظر آتے ہیں، لیکن ان کی کتاب میں وہ اتنے سہل نظر آتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کسی طرح کا اشکال تھا ہی نہیں یہ صرف ہمارا وہم تھا کہ انہیں دشوار، نازک اور پیچیدہ سمجھ رہے تھے۔ یہ فکری اور مطالعاتی ذوق، یہ اجتہاد و استنباطِ مسائل کی طبعی جودت اور یہ ہر قسم کے ہموم و غموم کے علمی دائروں میں دائر کر کے رکھ دینے اور اپنا سب کچھ علم کے حوالے کر دینے کی برکتیں تھیں کہ ــــــ وفات کے بعد ایک مخلص نے امام محمدؒ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا جناب انزع کی شدت کے وقت کیسے حال ہوا؟ روح کے نکلنے کی

Marfat.com

حالت کیسے گذری؟ امام محمدؒ نے جواب میں فرمایا کہ "نزع روح کے وقت بھی میں مکاتب کے مسائل میں سے ایک مسئلہ میں تامل کر رہا تھا، اسی فکر و تامل اور غور و تدبر میں انہماک کی وجہ سے مجھے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ میری روح کیسے نکلی؟ روح نکل گئی مگر مجھے کچھ خبر نہ ہوئی" ؎۱

فکرِ امت اور استخراجِ مسائل میں تمام رات غور و تدبر میں گذار دی

ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کے ہاں رات بسر کی اور صبح تک نماز میں کھڑے رہے اور امام محمدؒ بستر پر لیٹ گئے، امام شافعیؒ کو یہ بات ناگوار گذری، جب فجر ہوئی تو امام محمدؒ اٹھ بیٹھے اور بغیر تجدید وضو کے نماز پڑھ لی، امام شافعیؒ نے اس کا سبب دریافت کیا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ تم نے اپنے نفس کے لیے عمل کر کے صبح کر دی اور میں نے امتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے عمل کر کے ایک ہزار سے زائد مسائل کتاب اللہ میں غور و تدبر کر کے نکال لیے ؎۲

یہ فکرِ امت کا جذبہ اور اخلاص و للّٰہیت کی سپرٹ تھی اور رات کی تاریکیوں میں تعلق مع اللہ کی برکتیں کہ جب ساری امت سوتی تھی امام محمدؒ فکرِ امت میں جاگتے تھے یہی وجہ تھی کہ ان کے مسائل، ان کے اجتہادات اور ان کی تصنیفات نے قلب و عمل کی دنیا میں زبردست انقلاب پیدا کیے۔ فقہ کے دوسرے مذاہب نے بھی آپ سے کیسے کیسے فائدے حاصل کیے اور ان کی افادیت صرف کسی ایک حلقہ تک محدود نہیں رہی بلکہ ہر مذہب اور مسلک کے لوگوں نے ان سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا ——— بلکہ آپ فقہ کی تاریخ پڑھ لیں خود علماءِ احناف کے تمام طبقات کا جائزہ لے لیں۔ علمائے احناف میں کوئی عالم بھی ایسا نظر نہیں آتا جو امام محمدؒ کے درجہ تک پہنچتا ہو یا اس نے ایسی کتابیں سپردِ قلم کی ہوں جو اس کے اپنے اور دوسرے مذاہب کی فقہ و اصول کی تدوین و تالیف

؎۱ حدائق الحنفیہ ص۱۵۳ ۔ اس سے زیادہ دلچسپ واقعہ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ پیش آیا جو اسی کتاب کے صفحہ پر درج کر دیا گیا ہے۔ ؎۲ حدائق الحنفیہ ص۱۵۳

Marfat.com

کی بنیاد واساس مانی گئی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء، فقہاء، فضلاء، قضاۃِ شرع کا ہر گروہ امام محمدؒ کی کتابوں کی نشر واشاعت میں رغبتِ صادق کے ساتھ ہمیشہ حصہ لیتا رہا ہے، یہ گویا اس امر کا اعتراف ہے کہ امام محمدؒ کی کتابیں اہم اور گرانمایہ ہیں کہ ان کی بنیاد پر مذاہب فقہی کے قواعد واصول مرتب اور مدوّن ہوتے ہیں جس کے پس منظر میں امام محمدؒ کا دردِ دل، سوزِ دروں اور جذبۂ اخلاص کارفرما ہے۔

امام محمدؒ کی وفات پر یحییٰ یزیدیؒ کا پُر درد اور دل سوز مرثیہ

جب امام محمدؒ کی وفات ہوئی تو پورا عالم یتیم ہوگیا۔ یحییٰ یزیدیؒ ہارون رشید کے دربار کا مشہور شاعر اور ادیب تھا، اس نے اس موقعہ پر بڑا پُر درد اور دل سوز مرثیہ لکھا ہے ؎

(۱) تصرمت الدنیا فلیس (لها) خلود
وما قد نری من بهجة مستبید

(۲) لکل امریٔ منا من الموت منهل
فلیس له الا علیه ورود

(۳) الم تر شیبا شاملا یبد والبلی
وان الشباب الغض لیس یعود

(۴) سیأتیك ما افنی القرون التی مضت
فکن مستعداً فالفناء عتید

(۵) اسیت علی قاضی القضاة محمد
فذرفت دمعی والفؤاد عمید

(۶) وقلت اذا ما اشکل الخطب من لنا
بایضاحه یوماً وانت فقید

(۷) واقلقنی موت الکسائی بعده
وکادت بی الارض الفضاء تمید

Marfat.com

(۸) واذھلنی عن کل عیش و لذۃ
وارق عینی والعیون ھجود

(۹) ھما عالما نا اودیا و تخرما
فما لھما فی العالمین ندید

(۱۰) فحرنی متی تخطر علی القلب خطرۃ
بذکرھما حتی الممات جدید[1]

ترجمہ

(۱) دنیا مٹ جانے والی ہے، یہاں کی چیزوں کو دوام اور ثبات حاصل نہیں ہے آج جو مسرت و نشاط کی کارفرمائی نظر آتی ہے یہ باقی نہیں رہے گی ایک دن ختم ہو جائیگی۔
(۲) موت سے کوئی شخص بھی کسی طرح نہیں بچ سکتا۔ جس نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے وہ عروسِ مرگ سے ضرور ہمکنار ہو گا۔
(۳) کیا تم نہیں دیکھتے کہ بڑھاپا جب آجاتا ہے تو بلائیں اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اور جوانی جب ایک مرتبہ چلی جاتی ہے تو پھر کبھی واپس نہیں آتی۔
(۴) تیرے پاس بھی وہ خبر آنے والی ہے جس نے گذشتہ صدیوں کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا اور انہیں عہدِ ماضی بنا دیا۔ تو بھی تیار ہو جا موت تیرے پاس جلد ہی آنے والی ہے۔
(۵) مجھے قاضی القضاۃ امام محمدؒ کی وفات کا غم ہے۔ میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اور میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔
(۶) مجھے اس بات کا غم بھی ہے کہ تو اس جہانِ فانی سے رخصت ہو چکا، مگر اب

---

[1] مناقب ابی حنیفہ و اصحابہ للصیمریؒ ص۱۳۳ و بلوغ الامانی ص۲۷۔ امام ذہبیؒ نے اپنے رسالہ "مناقب ابی حنیفہ و صاحبیہ ص۵۶" میں اِن اشعار کو قاضی ابوحازم عبدالحمیدؒ کی طرف منسوب کیا ہے اور چند اشعار نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ صیمریؒ نے اس مرثیہ کی نسبت یحییٰ یزیدی کی طرف کی ہے۔

Marfat.com

مشکل مسائل درپیش آئیں گے ان کی وضاحت کون کرے گا؟

(۷) اور امام کسائیؒ کی موت نے مجھے ان کے بعد بے حد رنجیدہ کر دیا اور مجھ پر ان کے رنج کی وجہ سے وسیع اور کشادہ زمین تنگ ہو گئی۔

(۸) دنیا کے ہر لطف اور ہر لذت سے میرا دل بیزار ہو چکا ہے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور ان پر خواب حرام ہو گیا ہے۔

(۹) وہ ایسے عالم تھے کہ دنیا میں ان کا کوئی ہم پایہ اور ہم مرتبہ نہیں۔

(۱۰) ان کے ذکر سے میرا غم اور بڑھ جاتا ہے اور میرا دل ڈوب جاتا ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ موت آنے والی ہے۔

محمد بن سماعہؒ اور "النوادر" کی کتابت وحفاظت

صیمریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ امام محمد بن موسٰی خوارزمیؒ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ قاضیِ بغداد محمد بن سماعہؒ نے جو امام محمدؒ سے "نوادر" کی کتابت اور حفاظت کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شب انہوں نے خواب میں دیکھا کہ امام محمدؒ سوئی میں سوراخ کر رہے ہیں۔ تو اس خواب کی انہوں نے خود یہ تعبیر کی کہ امام محمدؒ کی تحقیق بحث ومسائل، اجتہاد اور درس وافادہ یقیناً حکمت سے بھرپور اور غوامض میں تدقیق وتحقیق سے معمور ہے۔ چنانچہ ابن سماعہؒ نے اسی روز سے امام محمدؒ کے ارشادات کا ایک لفظ بھی ضائع نہ کیا، انہوں نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا ابن سماعہؒ نے ضبطِ کتابت میں لا کر محفوظ کر لیا اور اس طرح "النوادر" کی تکمیل کر لی۔[1]

الجامع الکبیر

کتابت اور جمع قرآن کا کام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں ہوا، حضرت عثمانؓ نے اس کو باقاعدہ لکھوایا اور اس کے نسخے امصار مسلمین میں بھجوائے ــــ اسی طرح حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت اور تدوین خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شروع ہوئی اور پھر اس کی ضرورت واہمیت

---

[1] مناقب کردری ص ۴۲۷

Marfat.com

کے پیشِ نظر علماء اس کی حفاظت وکتابت پر متفق ہوئے [1]

اور کون اس بات کا تصور کر سکتا ہے کہ اگر قرآن کو باقاعدہ مرتب کر کے اس کی کتابت نہ کرائی جاتی اور پھر یہ لکھے ہوئے نسخے دیار و امصار اسلام میں نہ بھیجے جاتے اور صحابۂ کرامؓ کی نگرانی اور زندگی میں یہ اہم کام انجام نہ پاتا اور معروف قراء اس کام میں ہاتھ نہ بٹاتے اور حدیث و علوم کی تدوین نہ ہوئی ہوتی، قواعد و اصول کی تاسیس عمل میں نہ آئی ہوتی، کتبِ فقہ تالیف نہ کی جاتیں، جملہ علومِ شرعیہ وادبیہ قیدِ تحریر و تالیف میں نہ آ گئے ہوتے تو کیا ہوتا؟ آج مسلمان کہاں ہوتے؟

یہ معارفِ قرآنی، یہ معارفِ حدیث، یہ معارفِ فقہ، یہ معارف علومِ متفرقہ جو آج مدون و مرتب اور منضبط صورت میں نظر آ رہے ہیں اگر صرف لوحِ حافظہ پر مرتسم رہے ہوتے تو کیا اپنی اصلی حالت پر قائم رہ سکتے تھے؟ کیا ان میں اس قدر توسیع ہو سکتی تھی؟ کیا انکی شاخیں پھوٹ سکتی تھیں؟ کیا ان کے اسرار و حکم معرضِ بیان میں آ سکتے تھے؟ جمہور علماء امت بالخصوص ائمہ احناف اور ان میں پھر امام محمدؒ نے تالیف و تحریر اور علوم و معارف کی کتابت و حفاظت کی طرف بھرپور توجہ کی، اس طرح کہ اپنے پرائے سب ان کے قائل ہو گئے۔

محمد بن شجاعؒ جو امام محمدؒ کے پاس آ کر اپنے استاذ حسن بن زیادؒ کے حلقۂ درس میں پھر سے شریک ہوئے تھے، کہا کرتے: "اسلام میں فنِ فقہ کے اندر "الجامع الکبیر" سے بہتر اور عمدہ کوئی کتاب نہیں لکھی گئی" [2] یہ کتاب امام محمدؒ کی تصنیف ہے۔ نیز یہ بھی فرماتے کہ "الجامع الکبیر" کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک مکان تعمیر کرے اور جیسے جیسے اسے بلند کرتا جائے، سیڑھی بناتا اور اس کے ذریعہ اوپر چڑھتا چلا جائے، اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھے جب تک پوری بلندی پر پہنچ کر مکان کی تعمیر کا کام مختتم نہ کر لے،

---

[1] اس موضوع پر احقر کا ایک مفصل رسالہ "کتابت اور تدوینِ حدیث" کے نام سے "مؤتمر المصنفین" سے طبع ہو گیا ہے، شائقین اس سلسلہ کے باحوالہ اور دلچسپ مباحث وہاں دیکھ لیں۔ [2] بلوغ الامانی ص ۶۳

Marfat.com

پھر انہی اپنی بنائی ہوئی سیڑھیوں سے نیچے اتر آئے اور نیچے اترنے کے بعد وہ ساری سیڑھیاں توڑ ڈالے اور پھر لوگوں سے کہے: "اب اگر کوئی اس کاخِ بلند تک چڑھ سکتا ہے تو ایسا کر کے دکھائے۔"

ابن شجاعؒ نے اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے ایک موقع پر یہ بھی کہا کہ "صرف امام محمدؒ کی بنائی ہوئی سیڑھیاں ہی انسان کو اس کتاب کے مدارجِ عالی تک پہنچا سکتی ہے۔"

"الجامع الکبیر" ابداع اور ایجاد کی نشانی ہے، اس کا جوں جوں مطالعہ کرتے چلے جائیے عقل حیران ہوتی ہے کہ کس خوبی اور جامعیت کے ساتھ گتھیاں سلجھائی ہیں، مسائل مبہم کو آسان بنایا ہے اور دشواریوں کو حل کیا ہے۔ اس کتاب میں بڑی خوبی کے ساتھ وجوہ تفریع بھی بیان کیے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد کوئی دشواری دشواری نہیں رہتی بلکہ سہل بن جاتی ہے۔ امام محمدؒ نے اس میں نہایت دقتِ نظر اور بلوغِ فکر سے کام لے کر مبنی بر لغت قواعد کی تفریع کی ہے اور اصول حساب کو پیشِ نظر رکھ کر نازک، پیچیدہ اور عسیر الفہم مسائل کی تفریع کر کے انہیں پانی کر دیا ہے۔ دقائق شرع بڑی خوبی، روانی اور عام فہم انداز کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کی غرض تالیف ہی یہی ہے کہ فقہائے اسلام کی دانائی و بینائی، معرفت اور تحقیق و تمحیص کا اندازہ ہو جائے اور بتایا جائے کہ کس بیدار مغزی کے ساتھ وہ تفریع مسائل کے نازک اور اہم فریضہ سے عہدہ برآ ہوا کرتے تھے[1]۔

علامہ الشریف النقیب جمال الدین بن عبید اللہ موصلی نے محرم ۵۱۶ھ میں لکھی اور اور اسے انہوں نے قاضی شرف الدین بن معین کی خدمت میں بھیجا اور لکھا کہ "ایک عرصہ سے کتاب "الجامع الکبیر" میرے مطالعہ میں ہے، یہ امام محمدؒ کی تصنیف ہے۔

---

[1] "الجامع الکبیر" کی جو شرح جمال مصریؒ نے لکھی ہے انہوں نے ابواب کتاب کے ہر باب کے صدر میں لکھ دیا ہے کہ: "اصل باب یہ ہے اور اس پر جو دوسرا باب مرتب ہوا ہے وہ یہ ہے" اس طرح وجود سے تفریع کی معرفت بہت آسان ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

اس کتاب نے میرے دل پر مستقل نقش قائم کر دیا ہے، اپنے فن میں یہ عجیب و غریب کتاب ہے، ایسی کتاب آج تک نہیں لکھی گئی، کون سا ایسا مسئلہ ہے جس کا حل اس میں موجود نہیں، اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام محمدؒ اور ان کے شیخ عربی زبان دانی کے اسرار و غوامض کے ماہر تھے، یہ کتاب فقہاء کے لیے خاص طور پر کار آمد ہے، اس کے مطالعہ سے ان کے تفاوت مدارک کا صحیح صحیح اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مسائلِ فقہیہ میں ان کی دانش و بینش کی کیا کیفیت تھی؟[1]

نصاریٰ کا ایک عالم "جامع کبیر" دیکھ کر مسلمان ہو گیا---

بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو امام محمدؒ کو محض فقیہ سمجھتے تھے لیکن جب ان کی بزمِ علم میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرتے تو تھوڑی دیر میں محسوس کرنے لگتے تھے کہ یہ شخص یک فنی نہیں اِس کا علم ہمہ گیر ہے، یہ علم کا پہاڑ ہے، یہ علم کا ایسا بحرِ مواج ہے کہ جس کا کوئی کنارا نہیں اور پھر ان کے دل میں امام محمدؒ کی عظمت اس طرح مرتسم ہو جاتی تھی کہ زندگی کے آخری سانس تک اس کا نقش نہ مرورِ ایام سے مٹتا تھا نہ حوادثِ زمانہ سے نہ انقلابِ زمانہ سے، یہ عظمت ایک مرتبہ خانہ دل میں داخل ہونے کے بعد پھر کبھی باہر نہیں نکلتی تھی۔

اور تو چھوڑیئے آپ کی کتابوں کا حال بھی اس سے کچھ کم نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے ایک بہت بڑے عالم نے علماءِ اسلام سے ملاقات کی تھی، مباحثے بھی کیے تھے، اپنے اشکالات بھی ظاہر کیے تھے مگر اسلام اس کے دل میں گھر نہ کر سکا اور کوئی اس کو دینِ اسلام کی صداقت کا قائل نہ کر سکا، مگر جب امام محمدؒ نے "جامع کبیر" تصنیف کی تو وہ اس کا مطالعہ کر کے فوراً مسلمان ہو گیا اور کہا کہ "اگر امام محمدؒ پیغمبری کا دعویٰ کرتے اور معجزہ اپنا اِس کتاب کو پیش کرتے تو کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکتا اور سب پر ایمان لانا لازم ہوتا، پس کیا وہ عظیم شخص جس کی اُمت میں یہ ایک شخص ہے"[2]

---

[1] بلوغ الامانی ص۳۱ [2] حدائق الحنفیہ ص۱۵۴

Marfat.com

محمد اصغرؒ کی کتاب دیکھ کر محمد اکبرؐ کی عظمت و صداقت کا یقین ہو گیا

امام محمدؒ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے خاص شاگرد اور خود امام مجتہد ہیں، مگر ان کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی گرانقدر تصانیف اور لاجواب کتب ہیں جن کا اجمالی تعارفی خاکہ اس کتاب میں بھی شامل کیا جا چکا ہے جن کی فہرست و تعارف سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام محمدؒ نے کتنے متعدد اور متنوع قسم کے موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے اور کیسے پیچیدہ اور کٹھن عنوانات پر بحث و گفتگو کی ہے، صرف ان کتابوں اور ان کے متعدد و متنوع موضوعات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ قدرت کی طرف سے امام محمدؒ کس قدر غضب کا ذہن اور دماغ لے کر آئے تھے۔

کتابیں تو دوسرے ائمہ نے بھی لکھی ہیں۔ ائمہ احناف، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے اماموں اور مجتہدوں نے بھی، ان سب کی کتابیں دیکھ لیجئے، ان کے عنوانات اور موضوعات کا تجزیہ کر لیجئے، ان کے مباحث اور مندرجات کو ٹٹول لیجئے، آپ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوں گے کہ اس میدان میں بھی امام محمدؒ اپنے معاصرین سے کہیں آگے نظر آتے ہیں انہوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا حق ادا کر دیا ہے خواہ وہ تفسیر ہو یا حدیث، نحو ہو یا صرف، فقہ ہو یا اصول، اور یہی ان کے عبقری ہونے کی سب سے بڑی اور وزنی دلیل ہے، امام محمدؒ کی گرانقدر تصانیف میں ایک مشہور کتاب "بسوط" بھی ہے جو ہزار صفحات کی چھ جلدوں میں تمام ہوئی ہے۔

علامہ زاہد الکوثریؒ نے امام محمدؒ کے تذکرے میں ایک مختصر مگر بے حد مؤثر اور کیف آور واقعہ لکھا ہے جو صرف ڈیڑھ سطر کی عبارت ہے لیکن ہے حیرت انگیز اور ایمان آفرین تحریر، فرمایا۔

واسلم حکیم من اھل الکتاب بسبب مطالعۃ المبسوط ھذا قائلاً

علماء اہل کتاب میں ایک بڑے عالم حکیم نے امام محمدؒ کی کتاب "بسوط" کا مطالعہ کیا تو اس کتاب کے مطالعہ نے ان کے

Marfat.com

هٰذا کتاب محمدکم الاصغرؓ فکیف بکتاب محمدٍؐکم الاکبر ؎ له

— — — — — — —

— — — — — — —

— — — — — — —

قلب میں حقانیت اسلام کا یقین پیدا کر دیا اور یہ کہہ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا کہ "جب تمہارے محمد اصغر (محمد بن حسنؒ) کی کتاب کا یہ عالم ہے جو میرے مشاہدے میں آیا تو محمد اکبر (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتاب کا کیا حال ہوگا۔

له [illegible] الابانی ص۶۱

Marfat.com

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین عظیم علمی اور فقہی پیش کش

اِسلامی آدابِ زندگی

تحریر ! محمد منصور الزمان صدیقی

پیشِ لفظ ! مولانا عبدالقیوم حقانی

قرآنی تعلیمات' احادیثِ نبوی' عبادات' معاملات' اعمال کے فضائل' بلندیٔ اخلاق وخصائل' محبت واطاعتِ رسول' محرمات سے اجتناب' منہیات کی نشان دہی' فرقِ باطلہ کا تعاقب' ردِّ بدعات' دعوتِ سنت واتحادِ اُمت' خدمتِ انسانیت ...... الغرض زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کے ہدایات سے معمور' مہد سے لحد تک اہم ضروری مسائل واحکام' سلیس اور بامحاورہ زبان میں ایک مطالعاتی معلّم اور محسن کتاب' اپنے موضوعات کے تنوع' تفہیم وتسہیل' افادیت اور تعلیم وتربیت کے حوالے سے ایک لاجواب کتاب۔

صفحات : 938 .... قیمت :

القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد' نوشہرہ

Marfat.com

توضیح السنن

شرح

جامع السنن للامام النیموی رحؒ

(دو جلد مکمل)

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

آثار السنن سے متعلق مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی تدریسی، تحقیقی، درسی افادات اور نادر تحقیقات کا عظیم الشان علمی سرمایہ، علم حدیث اور فقہ سے متعلق مباحث کا شاہکار، مسلک احناف کے قطعی دلائل اور دلنشین تشریح، معرکۃ الآراء مباحث پر مدلل اور مفصل مقدمہ اور تحقیقی تعلیقات اس پر مستزاد۔

کاغذ، کتابت، طباعت، جلد بندی اور اب نئے کمپیوٹرائزڈ چار رنگہ ٹائٹل، ہر لحاظ سے معیاری اور شاندار، اساتذہ، طلباء اور مدارس کے لئے خاص رعایت۔

صفحات : 1376 .... قیمت : روپے

القاسم اکیڈمی ' جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان

Marfat.com

القاسم اکیڈمی کی تازہ، عظیم اور شاہکار علمی پیش کش

شرح شمائل ترمذی

(دو جلد مکمل)

ایک نادر تحفہ | تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی | ایک عظیم خوشخبری

حدیث کی جلیل القدر کتاب شمائل ترمذی کی سہل و دلنشین تشریح، سلجھی ہوئی سلیس تحریر، اکابر علماءِ دیوبند کے طرز پر تفصیلی درسی شرح، لغوی تحقیق اور مستند حوالہ جات، متعلقہ موضوع پر ٹھوس دلائل و تفصیل، رواۃِ حدیث کا مستند تذکرہ، متنازعہ مسائل پر تحقیق اور قولِ فیصل، معرکۃ الآراء مباحث پر جامع کلام، علماءِ دیوبند کے مسلک و مزاج کے عین مطابق، جمالِ محمد ﷺ کا محدثانہ منظر، نہایت تحقیقی تعلیقات اور اضافے، اردو زبان میں پہلی بار منصۂ شہود پر ......

صفحات : 1220 .... قیمت : روپے

ناشر

القاسم اکیڈمی ' جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان

Marfat.com

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین پیش کش

اماں جی مرحومہ ومغفورہ

تحریر !

مولانا عبدالقیوم حقانی

مولانا عبدالقیوم حقانی کی سحر انگیز قلم سے ایک حیرت انگیز' روح پرور اور ایمان افروز داستانِ عبرت جسے پڑھ کر پتھر دل نرم اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ایک ایسی داستان' جو سبق آموزی میں سب کے لئے یکساں ہے۔چار رنگہ کمپیوٹرائزڈ خوبصورت ٹائٹل، شاندار طباعت، مضبوط جلد بندی اور نفیس کاغذ میں چھپ کر منظر عام پر آ گئی ہے۔خواہشمند حضرات القاسم اکیڈمی سے طلب کر سکتے ہیں۔

صفحات : 135 .... قیمت : روپے

القاسم اکیڈمی ' جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

مولانا
عبد القیوم حقانی کی تصنیفات

...ڈمی جامعہ ابو...

...● سرحد-پاکستان

Marfat.com